وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا سورة الحشر

''اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔''

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

''مشکوٰۃ المصابیح'' کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اُردو ترجمہ وتشریح
مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگِ الفاظ، صحاحِ ستہ کا تعارف
اور راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں

جلد اوّل: ایمانیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق مدظلہ العالی

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورة الحشر)

''اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔''

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

''مشکوٰۃ المصابیح'' کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اُردو ترجمہ وتشریح

مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگِ الفاظ، صحاحِ ستہ کا تعارف

اور راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں

جلد اوّل : ایمانیات

پروفیسر مولانا محمد رفیق

مکتبہ قرآنیات، لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۲۹۷۶۲۹
م ۷۳۲ ر
۱۵۹۲۱۱

نام کتاب : مشکوٰۃ الحدیث (جلد اول)

مؤلف : پروفیسر مولانا محمد رفیق

ناشر : مکتبہ قرآنیات، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،
اُردو بازار لاہور۔ پاکستان
فون:5811297، موبائل: 0321-7724032
0333-4399812

اہتمام : حافظ تقی الدین

سن اشاعت : مارچ 2010ء

ارشادِ نبوی ﷺ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

....فَإِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَیْتُكُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ.

صحیح مسلم، رقم: 3257

نسائی، رقم: 2619

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب میں کسی چیز کے بارے میں تمہیں حکم دوں تو جس قدر تم سے ہو سکے اُس پر عمل کرو اور جب میں کسی چیز سے تمہیں منع کروں تو اُسے چھوڑ دو۔“

ارشادِ نبوی ﷺ

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ:

”نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَھَا، وَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا...“

ترمذی، رقم: 2658

ابو داؤد، رقم: 3660

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ اُس بندے کو خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث سنی، اُسے یاد رکھا، محفوظ کرلیا اور پھر آگے بیان کردیا......“

فہرست مضامین

❀ مقدمہ 11

باب 1.....نیت اور اخلاصِ عمل

1- اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے 39

2- اللہ تعالیٰ ہماری شکلیں نہیں ہمارے دل دیکھتا ہے 42

باب 2.....دین اسلام کا تعارف

3- حدیث جبریل علیہ السلام (اسلام، ایمان اور احسان) 43

4- اسلام کے بنیادی ارکان 62

5- ایک اعرابی (دیہاتی) کے لیے جنت کی خوش خبری 65

6- دین خیر خواہی کا نام ہے 67

7- ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے 69

8- دین کی سمجھ بوجھ (تفقہ فی الدین) 71

9- اسلام اور اعتدال پسندی 73

باب 3.....توحید

10- صرف اللہ کو معبود جاننے والا جنت میں جائے گا 76

11- اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ 79

12- اللہ تعالیٰ کا ہاتھ خزانوں سے بھرا ہوا ہے 82

13- اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے بڑھ کر ہے 84

14- اللہ کی رحمت ہی سے جنت ملے گی 86

15- اللہ کی خاطر باہم محبت کرنے والوں کا درجہ 88

16- قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میں بادشاہ ہوں 92

17- زمانے کو برا نہ کہو 94

باب 4......ایمان اور مومن

18- ایمان کی شاخیں 96

19- ایمان کامل کا معیار 101

20- ایمان کی حلاوت 103

21- ایمان کی حلاوت اور لذت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ 105

22- ایمان اور استقامت 106

23- مسلمان کی ایک تعریف 109

24- مسلمان کون اور اصلی مہاجر کون؟ 111

25- مومن گناہ کرتے وقت مومن نہیں ہوتا 113

26- مومن ایک سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا 115

27- رائی برابر ایمان والے کو بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا 116

باب 5......ایمان کے منافی اُمور

28- شرک سب سے بڑا گناہ ہے 117

29- شرک اور مشرک 120

30- سات مہلک گناہ 124

31- ایک غلط سوال کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ 126

32- دل میں وسوسے اور برے خیالات آنے پر گناہ نہیں 127

33- قیامت کے دن منافق سب سے برا شخص ہوگا 129

34- پکا منافق کون؟ 130

35- کافروں کے خلاف جہاد وقتال کا حکم 132

36- بدعت کی مذمت 134

37- بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے 140

باب 6......نبوت ورسالت

38- حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانے والا دوزخی ہے 142

-39 بعثت نبوی ﷺ کی ایک مثال 144
-40 حضور ﷺ کی بعثت بارش کی طرح ہے 146
-41 نبی کریم ﷺ کا کام اُمت کو خبر دار کرنا ہے 148
-42 حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں 150
-43 نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے 152
-44 حضرت محمد ﷺ کے خصائص 157
-45 حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ 160
-46 نبی کریم ﷺ کی شان میں مبالغہ نہ کرو 161
-47 حضور ﷺ اور قربِ قیامت 163
-48 نبی کریم ﷺ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریبی تعلق 164
-49 حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی ٹڈیوں کا واقعہ 167

باب 7......سنت کی پیروی

-50 سنت کی پیروی لازمی ہے 169
-51 سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز 172
-52 حضور ﷺ کی اطاعت نہ کرنے والا دوزخی ہے 174

باب 8......قرآن مجید

-53 تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے 175
-54 قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال 176
-55 قرآن کے ماہر کی فضیلت 178
-56 سورۂ اخلاص قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے 180
-57 حضور ﷺ کا ایک صحابی سے قرآن سننا 182
-58 قرآن کو یاد کرتے رہو کیونکہ یہ جلد بھول جاتا ہے 184
-59 قرآن مجید......اُمت کے عروج وزوال کا پیمانہ 185

باب 9.....تقدیر

60- انسانی تقدیر کیا ہے؟........ 186

باب 10.....موت، قبر اور عالم برزخ

61- موت کی تمنا نہ کرو........ 191
62- قبر کا عذاب........ 193
63- قبر میں ثواب وعذاب........ 195
64- مرنے کے بعد بھی صدقہ جاریہ........ 196

باب 11.....قربِ قیامت کے فتنے

65- دجال کا فتنہ........ 198
66- مسلمان، یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے........ 199
67- اسلام کی اجنبیت........ 201

باب 12.....قیامت کی نشانیاں

68- قیامت کی دس (10) بڑی نشانیاں........ 203
69- قیامت کے قریب علم اُٹھا لیا جائے گا........ 206
70- قیامت کی ایک نشانی، قتل وغارت کا عام ہونا........ 207
71- قیامت کی چند نشانیاں........ 209
72- عیسیٰ علیہ السلام کا نزول........ 211

باب 13.....میدان محشر اور شفاعت نبوی

73- قیامت کے دن لوگ ننگے اُٹھیں گے........ 213
74- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت........ 214

باب 14.....جنت

75- جنت کی عجیب وغریب نعمتیں........ 219
76- جنت میں داخل ہونے والا پہلا گروہ........ 221
77- جنت میں چابک رکھنے کی جگہ کی فضیلت........ 223

78- جنت کے درخت کا سایہ 224
79- جنت کا سب سے ادنیٰ مقام 226
80- اہل جنت سے اللہ تعالیٰ کا خطاب 227
81- جنت میں کاشت کاری 229
82- دوزخ سے نکل کر جنت میں جانے والا آخری شخص 231
83- حوض کوثر 233
84- جنت میں دیدارِ الٰہی 234

باب 15......دوزخ

85- دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر (70) گنا زیادہ سخت گرم ہے 236
86- دوزخ خواہشات نفسانی سے اور جنت ناگوار چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے 238
87- جنت اور دوزخ کے غوطے 240
88- ابو طالب کے لیے دوزخ کا سب سے کم عذاب 242

باب 16......دعوت و تبلیغ

89- نیکی یا برائی کی ترغیب دینے والے کے لیے جزا و سزا 243
90- وعظ و نصیحت میں وقفہ کرنا 245
91- حدیث کی تبلیغ کرنے والوں کے حق میں حضور ﷺ کی دعا 247
92- جھوٹی حدیث بیان کرنے کا عذاب 250
93- دین کی راہ میں آزمائشیں 252

باب 17......اُمت مسلمہ، صحابہ کرام اور انصار

94- اُمت مسلمہ کی فضیلت 254
95- امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ 256
96- حواری رسولؐ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ 258
97- انصار سے حضور ﷺ کی محبت 260
98- انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے 261

باب 18......متفرقات

99- اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ وہ نیک عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے 263
100- کھجوروں کی پیوندکاری کا واقعہ 265
101- لوگ بھی کانوں (Mines) کی طرح ہیں 268
102- خوش قسمت کون اور بدقسمت کون؟ 269
103- اطاعت صرف معروف میں ہے معصیت میں نہیں 271
104- دو قابل رشک انسان 274
105- احکامِ شریعت کی پابندی پر بیعت 275
106- فضول سوالات اور اختلافات 278
107- ایک نیکی کا ثواب سات سو (700) گنا تک ہے 280
108- کم ہنسنا اور زیادہ رونا 284
109- علانیہ اور فخریہ گناہ کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی 286
110- دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے 288

ضمیمہ جات

ضمیمہ 1: صحاح ستہ کا مختصر تعارف 290
ضمیمہ 2: علم حدیث سے متعلق اصطلاحات (Terms) 294
ضمیمہ 3: راویان حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی 313
اشاریہ احادیث 'مشکوٰۃ الحدیث' 336
فرہنگ (مشکل الفاظ کے معانی اور مادے) 340

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

خالقِ کائنات نے انسان کو اپنی بندگی اور عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ اُسے اچھائی اور برائی کی تمیز بخشی۔ اُسے عقل وشعور کی نعمت سے نوازا۔ اُسے محدود صلاحیتیں اور کچھ اختیارات دیے۔ اُس کی زندگی کو امتحان کی عارضی مدت اور مہلت قرار دیا۔ اِس دُنیا کے بعد آخرت میں جزا وسزا رکھ دی کہ جو شخص اُس کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت پر چلے گا اُسے آخرت میں ہمیشہ کے عیش و آرام کی جنت عطا ہوگی اور جو اِس راہِ ہدایت سے منہ موڑے گا اُس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا۔ پھر اپنی راہِ ہدایت واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ملک میں نبی بھیجے اور اُن پر کتابیں نازل کیں تاکہ بندوں پر اُس کی حجت پوری ہوجائے۔

اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

(النحل:36)

''اور ہم نے اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجا کہ اے لوگو ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان) سے بچو۔''

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ (البقرہ:213)

''ابتداء میں لوگ ایک ہی اُمت تھے۔ پھر اللہ نے اُن کی طرف نبی بھیجے جو خوش خبری دیتے اور خبردار کرتے تھے۔ اُن کے پاس اللہ کی نازل کی ہوئی برحق کتاب بھی ہوتی تھی تاکہ وہ اُن باتوں کا فیصلہ کردے جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔''

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء:165)

''اللہ نے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے

آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ کی کتاب اور رسول کا اُسوہ دونوں ضروری ہیں اور ان دونوں ہی سے لوگوں پر اتمامِ حجت ہوتا ہے۔

لیکن آج دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صرف ایک ہی کتاب موجود ہے جو اصل حالت میں محفوظ ہے اور وہ قرآن مجید ہے، اور صرف آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا اُسوۂ حسنہ ہی صحیح طریقہ پر محفوظ ہے۔

اگر صرف کتاب نازل کی جاتی اور کوئی رسول نہ بھیجا جاتا تو لوگ اس کتاب کی تعبیر (Interpretation) کے مطالب میں اختلاف کرتے اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھنے میں غلطی کرتے اور کوئی ان کو صحیح مفہوم بتانے والا نہ ملتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کرنے کے علاوہ ایک رسول بھی بھیجا جس نے احکامِ الٰہی کا صحیح منشاء سمجھ کر اُس کے مطابق عمل کر کے دکھایا تا کہ لوگ اس کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکیں۔

قرآن کی رُو سے رسول اللہ ﷺ کا مقام و منصب:

اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے اُس مقامِ و منصب کو، جسے قرآن نے بیان کیا ہے، جان لے تو وہ حدیث و سنت کی اہمیت و حجیت کو تسلیم کر لے گا۔

منکرینِ حدیث کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اُس مرتبہ و منصب کو نہیں سمجھا جسے قرآن نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔

(1) رسول اللہ ﷺ کا کام صرف یہ نہ تھا کہ آپؐ قرآن کی آیات سنا کر اُن کو لوگوں تک پہنچائیں بلکہ آپ ﷺ قرآن کی تعلیم دینے والے مُعلم اور لوگوں کو گناہوں سے پاک کرنے والے مزکی و مربی بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

(آل عمران: 164)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے کہ اُنہی میں سے اُن کے درمیان ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں سُناتا، اُنہیں پاک کرتا اور اُنہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔''

(2) رسول اللہ ﷺ قرآن کی ایسی تشریح، تبیین اور تفسیر کرنے والے ہیں جو کہ غلطی سے پاک ہے۔ گویا آپ ﷺ قرآن کے شارح، مُبیّن اور مفسر ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل:44)

''اور ہم نے آپ ﷺ کی طرف یہ قرآن نازل کیا تا کہ آپ ﷺ اُس چیز کو لوگوں پر کھول کر واضح کردیں جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہے۔''

(3) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اہلِ ایمان پر فرض ہے گویا لوگوں کے لیے آپ ﷺ کی حیثیت ایک واجب الاطاعت مطاع کی ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کی اطاعت گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: 64)

''اور ہم نے جو رسول بھیجا اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:33)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (اُن دونوں کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء:59)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن کی جو تم میں سے صاحبِ اقتدار ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے۔''

(4) رسول اللہ ﷺ شارع ہیں اور شرعی حکم دینے کے مجاز ہیں۔

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: 7)

''اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اُس سے رُک جاؤ۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوا:

﴿ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ (الاعراف: 157)

''وہ (نبی ﷺ) اُن کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور اُن کے لیے پاک چیزیں حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ اُن سے جاہلیت کے بوجھ اور طوق ہٹاتا ہے......''

(5) رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے۔

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب: 21)

''بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

(6) رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قاضی اور حاکم ہیں جن کے ہر فیصلے کی پابندی اہل ایمان پر لازم ہے۔

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (النساء: 65)

''پس اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کے رب کی قسم! ایسے لوگ کبھی ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے تمام باہمی جھگڑوں میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ آپ ﷺ فرمائیں اُس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ دل و جان سے اسے تسلیم کر لیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ﴾

(النساء: 105)

''اے نبی ﷺ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل کی ہے تاکہ آپ ﷺ وحی کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلے کریں۔''

مزید ارشاد ہوا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:36)

''کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کے لیے گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اُن کے لیے اس میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا۔''

اس طرح قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے جس مقام و منصب کا ذکر کیا ہے اور آپ ﷺ کو جو حیثیت اور مرتبہ دیا ہے اُسے جان لینے کے بعد آپ ﷺ کے تمام احکام کی اطاعت اور آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی لازم ہو جاتی ہے۔

پھر چونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور حضرت محمد ﷺ اُس کے آخری نبی اور رسول ہیں' قرآن عالمگیر کتاب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت بھی عالمگیر ہے، سیرتِ پاک بھی محفوظ ہے اس لیے آج بھی جس طرح قرآن کی اطاعت ہم پر فرض ہے اسی طرح حدیث و سنت کی پیروی بھی فرض ہے اور جس طرح ہم قرآن کے احکامات کے پابند ہیں اسی طرح حدیث و سنت کے احکامات کے بھی پابند ہیں۔

قرآن کی اطاعت کی طرح حدیث و سنت کی پیروی کو بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات جسمانی کے دور تک محدود نہیں کیا جا سکتا اس حوالے سے چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:9)

''بے شک ہم نے اِس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔''

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:107)

''اور ہم نے آپ ﷺ کو جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (السبا:28)

’’اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الاحزاب:40)

’’(اے لوگو!) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ اور آخری نبی ﷺ ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔‘‘

قرآن اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیتا ہے:

قرآن مجید نے جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں اطاعت رسول ﷺ کا بھی حکم دیا ہے اور یہ دونوں قسم کی اطاعتیں ہر حال میں غیر مشروط طور پر واجب ہیں۔ ان دونوں اطاعتوں کے سوا اور جو بھی اطاعت ہے وہ مشروط ہے اس بات سے کہ وہ پہلی دو اطاعتوں کے خلاف نہ ہو، خواہ وہ اطاعت حکمرانوں کی ہو، یا والدین کی، یا کسی اور مخلوق کے لیے ہو۔

اطاعتِ رسول ﷺ کے حوالے سے چند آیات یہ ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾

(محمد:33)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (ان دونوں کی نافرمانی کرکے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔‘‘

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:80)

’’جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء:59)

’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اُن کی جو تم میں سے صاحبِ اقتدار ہوں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا اُن سے اختلاف ہو جائے تو اُسے اللہ

اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔''

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر اختلافی معاملے کا فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا جائے گا۔ جو بات ان کے مطابق ہوگی وہی شریعت ٹھہرے گی اور جو ان کے خلاف ہوگی، اُسے غیر شرعی قرار دے کر رد کر دیا جائے گا۔

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: 7)

''اور رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو، اور جس چیز سے روکے اُس سے رُک جاؤ۔''

قرآنی آیات کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث میں بھی اطاعتِ رسول ﷺ کی تاکید کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حدیث ہے کہ:

''حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یاد رکھو، مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کی گئی ہے۔ سنو! ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کوئی شکم سیر خوش حال آدمی اپنی مسند پر بیٹھے ہوئے یہ کہے گا کہ:

تم اس قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال بتایا گیا ہے صرف اسے حلال سمجھے اور اس میں جو چیز حرام ہے اُسے حرام سمجھو۔

حالانکہ کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے اُسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ یاد رکھو، پالتو گدھا، کچلی والے (نوکیلے دانتوں والے) درندے اور ذمی کی گری پڑی چیز یہ سب تمہارے لیے حرام ہے۔ البتہ اگر خود ذمی کو اس گری پڑی چیز کی حاجت نہ ہو تو پھر وہ چیز تمہارے لیے جائز ہے۔ اگر کوئی مسافر شخص کسی قوم کا مہمان ہو تو اُن کو چاہیے کہ اُس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ اُس کی ضیافت نہیں کریں گے۔ تو مہمان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اُن سے ضیافت کی چیزیں خود لے لے۔''

(ابوداؤد، رقم4604/ دارمی، رقم 586/ ابن ماجه، رقم 12/ مسند احمد، رقم 17326)

قرآن وحدیث کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث وسنت بھی حجت شرعی ہے اور اس کی پیروی واجب ہے۔

حدیث بھی وحی ہے:

قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحیٔ خفی ہے اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔
حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت قرآن مجید کی بہت سی آیات سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ (التوبہ:84)

''اور اُن (منافقوں) میں سے جو کوئی مرجائے تو آپ ﷺ اُس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا۔''
اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے نمازِ جنازہ کا حکم آچکا تھا اور رسول اللہ ﷺ مردوں کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منافقوں کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا۔

حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی کوئی ایسی آیت موجود نہیں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔
اس آیت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحیٔ خفی کے ذریعے اپنے نبی ﷺ کو مردوں کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے:

اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن مجید اصول وکلیات کی کتاب ہے جو مجمل احکام دیتی ہیں اور جن کی تفصیلات و جزئیات کے لیے ہمیں حدیث وسنت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تاکہ ان پر عمل ممکن ہو سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح کرتی ہے۔

مثال کے طور پر قرآن مجید میں ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ یعنی نماز قائم کرو، کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں پر لفظ صلوٰۃ کے کیا معنی مراد ہیں کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کے کئی معانی ہیں۔ پھر نماز پڑھنے کا عملی طریقہ کیا ہے؟ نماز کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ دن رات میں کتنی نمازیں ہیں اور ہر نماز میں رکعات کی تعداد کیا ہے؟ نماز کے دوران میں کوئی خرابی واقع ہو جائے تو اس کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟ اور کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ وغیرہ سب چیزیں قرآن میں بیان نہیں ہوئیں۔ مگر جب تک یہ ساری چیزیں واضح نہ ہوں عملی طور پر قرآن کے ''اقامت صلوٰۃ'' کے حکم پر عمل ناممکن ہے۔

لیکن حدیث وسنت میں ان سب سوالوں کے جوابات موجود ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے خود نماز پڑھ کر اس کا عملی طریقہ اُمت کو سکھا دیا اور فرما دیا کہ:

((صَلُّوْا كَمَا رَئَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي .)) [صحیح بخاری ، رقم 631، دارمی، رقم 1253، مسند احمد ، رقم 20804]

''تم اُسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔''

قرآن کو حدیث کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا:

قرآن مجید کے بہت سے مقامات ایسے ہیں جن کو حدیث کے بغیر صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا۔ظاہر ہے کہ حدیث،قرآن کی ایسی تشریح اور تفسیر کر دیتی ہے جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

مثال کے طور پر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾

(البقرہ:187)

''اور کھاؤ اور پیو جب تک سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے الگ ظاہر ہو جائے۔

تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ دو دھاگے رکھ لیے اور ان کی پہچان کے وقت تک کو سحری کا آخری وقت سمجھا۔پھر نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے سیاہ دھاگے اور سفید مراد نہیں ہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی روشنی مراد ہے،چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ:

((عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ ؟ اَهُمَا الْخَيْطَانِ؟ قَالَ: اِنَّكَ لَعَرِيْضُ الْقَفَا اِنْ اَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ ، ثُمَّ قَالَ: لَا ، بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ .))

(صحیح بخاری ، رقم: 1916,4510,4509)

''عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سفید دھاگا سیاہ دھاگا سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ دونوں دھاگے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے یہ دونوں دھاگے دیکھے ہیں تو تمہارا تکیہ بڑا وسیع ہے؟ پھر فرمایا کہ: نہیں،اس سے دھاگے مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔''

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کو بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔

صرف قرآن کافی نہیں ہے:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو کتابیں نازل کیں وہ صرف اور صرف رسولوں پر اُتاری گئیں۔ کوئی آسمانی کتاب بغیر کسی رسول کے عام لوگوں تک نہیں پہنچائی گئی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ ہدایت ہے کہ وہ کتاب کی (Theory) کے ساتھ رسول کی (Practice) بھیجتا ہے۔ اس لیے صرف قرآن کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ رسولِ اللہ ﷺ کی شخصیت کا اُسوۂ حسنہ اور عملی نمونہ بھی ضروری ہے تاکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوسکے۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ نبوت و رسالت جاری فرما کر نعوذ باللہ ایک فضول کام کیا کیونکہ اس کے بغیر بھی کتاب کافی تھی اور اس کے ذریعے بھی لوگوں پر اتمامِ حجت ہوسکتا تھا۔

حدیث اختلافات کو ختم کرتی ہے:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حدیث کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس اختلاف سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ حدیث ہی کا انکار کردیا جائے۔

لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اختلاف رائے ایک فطری چیز ہے۔ قرآن کی آیتوں کی تفسیر میں بھی اختلافِ رائے ہوسکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے قرآن کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح دو محدثوں کی روایت و درایت میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے مگر اس کی وجہ سے حدیث کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث ہمارے بہت سے اختلافات ختم کردیتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ”اٰتُوا الزَّكٰوةَ“ یعنی زکوٰۃ ادا کرو' کا حکم آیا ہے لیکن اس جگہ زکوٰۃ کے لفظ کے کون سے معنی مراد ہیں کیونکہ عربی زبان میں زکوٰۃ لفظ کے ایک سے زیادہ معانی موجود ہیں۔ دوسرے کس قسم کے مال پر کتنی زکوٰۃ ہے؟ زکوٰۃ روزانہ دینی ہوتی ہے' یا ماہانہ' یا سالانہ' یہ آمدنی پر ہے یا بچت پر۔ یہ اور اس طرح کے کئی اور اختلافات اس قرآنی حکم کے بارے میں پیدا ہوسکتے تھے۔ لیکن حدیث نے زکوٰۃ کا ایک متعین مفہوم مقرر کرکے اور اس کی واضح عملی صورت بتا کر تمام اختلافات کا دروازہ بند کردیا ہے۔

ایک اور مثال ذہن میں لایئے۔

نبی ﷺ کی وفات کے فوراً بعد آپ ﷺ کی جانشینی کا معاملہ پیش آیا جس سے صورت حال اتنی

سنگین ہوگئی کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان لڑائی کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ اس نازل موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس مضمون کی حدیث سنائی کہ:

"اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ ." (مسند احمد)

"امام (حکمران) قریش سے ہوں گے۔"

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا سارا اختلاف رفع ہوگیا اور سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا۔

سنت کی تعریف:

سنت' ایک مخصوص اسلامی شرعی اصطلاح ہے جس کا مسلمہ مفہوم یہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول' فعل یا تقریر (خاموش تائید) یا صفات سے ثابت ہوں۔

((فَاَمَّا السُّنَّةُ فَهِيَ اَقْوَالُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَفْعَالُهُ وَ تَقْرِيْرَاتُهُ وَصِفَاتُهُ .))

(اصول الفقه الاسلامی' لدکتور وهبه زُهیلی ج ١ ، ص449 .)

"سنت نام ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات و تائیدات اور صفات کا۔"

حدیث کی تعریف بھی یہی ہے اور حدیث و سنت دونوں باہم مترادف ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سنت کا تعلق صرف اعمال سے نہیں ہے بلکہ اس میں اقوال، تقریرات (خاموش تائیدات) اور صفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔

حدیث و سنت سے قرآنی حکم میں تخصیص ہو سکتی ہے:

حدیث کے ذریعے کسی قرآنی حکم میں تخصیص ممکن ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (النساء:11)

"اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ (وراثت میں) ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا جائے۔"

اس آیت سے واضح ہے کہ اولاد ہر حال میں اپنے والدین کے ترکے کی وارث ہوگی اور بیٹے کو بیٹی سے دُگنا حصہ ملے گا۔

لیکن حدیث میں ہے کہ:

((لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا .)) (ابوداؤد ، رقم 4564)

''قاتل (مقتول کا) وارث نہیں ہوسکتا۔''

اس لیے اگر کوئی بد بخت لڑکا اپنے باپ کو قتل کر دے گا تو مذکورہ حدیث کے حکم کے مطابق وہ اپنے مقتول باپ کی میراث سے محروم ہو جائے گا۔

(قرآن کا حکم عام تھا کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے ترکے کا وارث ہوگا مگر حدیث نے قاتل بیٹے کی تخصیص کردی کہ وہ اپنے باپ کے ترکے کا وارث نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ قرابت نافعہ کے من گھڑت اصول کے برعکس اسلام میں نہ تو کسی نافرمان بیٹے کو عاق کیا جاسکتا ہے اور نہ اُسے وراثت سے محروم کیا جاسکتا ہے)

حدیث وسنت کے ذریعے قرآن کے کسی حکم کی تحدید ہوسکتی ہے:

حدیث کے ذریعے قرآن مجید کے کئی احکام کی تحدید واقع ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وَ الّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَہُنَّ فَعِظُوۡہُنَّ وَ اہۡجُرُوۡہُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَ اضۡرِبُوۡہُنَّ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا ﴾ (النساء:34)

''اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، اُن سے ہم بستری چھوڑ دو اور (اس پر نا مانیں تو) اُنہیں مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف الزام تراشی نہ کرو۔ بے شک اللہ سب سے برتر اور بہت بڑا ہے۔

اس آیت کے الفاظ ''وَاضۡرِبُوۡہُنَّ'' (اور ان بیویوں کو مارو) مطلق تھے اور یہ مارنا ہر طرح کا مارنا اور زخمی کرنا ہوسکتا تھا لیکن حدیث کے ذریعے قرآن کے اس مطلق حکم میں یہ تحدید (تقیید) ہوگئی ہے کہ صرف ایسی مار جائز ہے جو اتنی تکلیف دہ نہ ہو کہ اُس سے کسی عضو کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔

وہ حدیث یہ ہے: ((فَاضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ)) (صحیح مسلم، رقم: 2950)

''پس تم اُن کو اتنا مار سکتے ہو جو ایسا تکلیف دہ نہ ہو کہ اس سے ان کے کسی عضو کو نقصان پہنچے۔''

اور ایک مثال سامنے رکھیے۔ قرآن میں وصیت کا حکم مطلق ہے لیکن حدیث نے اسے غیر وارث کے لیے محدود اور ایک تہائی کی مقدار میں مقید کر دیا ہے۔ اب اسلامی شریعت میں نہ تو وارث کے حق میں وصیت ہوسکتی ہے اور نہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث سے قرآن کے کسی حکم کی تحدید (حد بندی) ہوسکتی ہے۔

109211

خبر واحد (اخبارِ آحاد) سے بھی علم یقین حاصل ہوتا ہے:

اس بات پر تمام محدثین عظام اور فقہائے کرام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اخبارِ آحاد کا درجہ اگرچہ اخبار متواترہ سے کچھ کم ہے، تاہم جب وہ صحیح ہوں تو وہ بھی دین میں حجت اور دلیل ہوتی ہیں اور ان سے بھی ہر طرح کے شرعی احکام اخذ ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر کوئی مسلمان نہ تو اپنے وارث کے حق میں مالی وصیت کر سکتا ہے اور نہ وہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر سکتا ہے۔ یہ دونوں مسلمہ اجماعی شرعی احکام ہیں مگر یہ صرف اور صرف اخبارِ آحاد سے ثابت ہیں۔ اگر اخبارِ آحاد کو دین سے نکال دیا جائے تو پھر دین اسلام کے 90 فیصد حصے کو بھی دین سے خارج کرنا پڑے گا اور مسلمہ اسلامی احکام وتعلیمات کو چھوڑنا پڑے گا۔

اور ہم یہ بات پورے حزم واحتیاط سے بیان کر رہے ہیں، ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اخبارِ آحاد ترک کرنے سے ہمیں پورا دین ترک کرنا پڑے گا اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے، کیونکہ ہمارا کلمۂ اسلام (کلمۂ طیبہ اور شہادتین) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صرف اور صرف اخبارِ آحاد ہی سے ثابت ہے، ان کے سوا اس کلمے کا اثبات کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ یہ کلمہ قرآن میں موجود نہیں ہے مگر اس کلمے کے اقرار ہی سے کوئی شخص دین کے دائرے میں داخل ہوتا ہے اور اس کے انکار سے وہ دین کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ یہی کلمہ اسلام اور کفر میں امتیاز اور حدِ فاصل ہے۔ اسی کو پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا اور اسے چھوڑنے سے وہ کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ کلمہ ہمارے دین کی اساس ہے مگر اس کی بناء بھی صرف اخبارِ آحاد پر قائم ہے۔

خود قرآنِ مجید ہمیں اخبارِ آحاد کی بنیاد پر شرعی فیصلے کرنے کا مجاز قرار دیتا ہے۔ وہ ہمیں ایک، دو یا چار معتبر اور عادل ﴿ذَوَا عَدْلٍ﴾ مسلمانوں کی خبر پر یقین کرنے کا پابند کرتا ہے اور ان کی گواہی پر حدود جاری کرنے کا حکم دیتا ہے جس کے نتیجے میں شرعی طور پر کسی مجرم کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے۔ کسی کو پھانسی پر چڑھا کر قتل کیا جا سکتا ہے اور کسی کی پیٹھ پر کوڑے برسائے جا سکتے ہیں۔ پھر جب قرآنِ مجید نے اپنے نظامِ عدل و انصاف کی بنیاد غیر متواتر شہادتوں اور اخبارِ آحاد پر رکھی ہے تو قرآن کے مقابلے میں کوئی مسلمان یہ کہنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے کہ کسی حدیث رسول ﷺ کو حدیث یا حکم رسول ﷺ ماننے کے لیے تواتر کی شرط ضروری ہے اور یہ کہ ایک، دو یا چار معتبر اور عادل راویوں کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ ان سے اُسے

علمِ یقین حاصل نہیں ہو پاتا۔ جب کہ اسلام میں صرف ایک معتبر اور عادل شخص (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) کی شہادت پر روایت ہلال ثابت ہوجاتی ہے جس کے بعد شرعی طور پر مسلمانون کے لیے دوسرے دن روزہ رکھنا (یا نہ رکھنا) لازم ہوجاتا ہے۔

اخبارِ آحاد میں سے ایک متفق علیہ غریب حدیث ہے کہ:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) (صحیح بخاری :1)

''اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔''

ہر مسلمان اس فرمانِ نبوی ﷺ سے واقف ہے۔ اس حدیث کے صرف ایک ہی راوی سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن ساری اُمت اسے صحیح اور درست مانتی ہے اور فقہائے اسلام اس سے مسائل کا استنباط کرتے اور استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

حدیث تاریخ نہیں شرعی حجت ہے:

حدیث کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ شرعی حجت ہے اور قرآن مجید کے بعد اُسی کا مقام ہے۔ اسے محض تاریخ کی حیثیت دے کر اس کا انکار کرنا علم کا افلاس اور جہالت کی افراط ہے۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ حدیث ایک شرعی حجت ہے جس کی پیروی واجب ہے اور جو ہمارے دین کا لازمی حصہ ہے اور تاریخ ہمارے دین کا حصہ نہیں ہے۔ ہم تاریخ کے بغیر بھی زندگی بسر کر سکتے ہیں مگر حدیث کے بغیر ہماری زندگی بے بندگی اور شرمندگی ہے۔

حدیث صرف آداب کا نام نہیں ہے بلکہ وہ دین کے احکام بھی سکھاتی ہے:

حدیث صرف اسلام آداب ہی نہیں سکھاتی بلکہ وہ شرعی حجت ہے اور دین کے بہت سے ایسے احکام سکھاتی ہے جو قرآن مجید میں سرے سے موجود ہی نہیں یا اگر موجود ہیں تو اتنے واضح نہیں ہیں کہ اُن پر عمل ممکن ہو سکے۔

مثال کے طور پر حدیث سے ثابت شدہ چند دینی احکام یہ ہیں:

(1)......وضو میں موزوں پر مسح کرنا۔

(4)......نمازِ تراویح

(5)......عورتوں کے لیے خاص ایام میں نماز کا معاف ہونا۔

(6)...... پالتو گدھے کا گوشت کا حرام ہونا۔

(7)......مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا لباس پہننے کا حرام ہونا۔

(8)......کسی مسلمان مرد کے لیے اپنی پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کا حرام ہونا۔

(9)......نومولود بچے کے کان میں اذان کہنا اور اُسے گھٹی دینا۔

(10)......شراب نوشی پر سزا۔

(11)......شادی شدہ زانیوں کے لیے سنگ ساری کی حد۔

(12)......مرتد کے لیے قتل کی سزا۔

(13)......مردے کو غسل دینا اور کفن پہنانا۔

(14)......شہید کو غسل نہ دینا

حدیث کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کیا گیا:

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو احادیث سننے، ان کو حفظ کرنے اور ان کی کتابت و تحریر کرنے کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دعا فرمائی۔ اس طرح حضور ﷺ نے حفظ اور کتابت دونوں ذرائع سے کام لیتے ہوئے احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ و اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو زبانی حدیث روایت کرنے کی عام اجازت تھی۔ اس کے لیے حضور ﷺ نے اُن کو تاکید فرمائی تھی اور وہ اس کام کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے دوسروں تک احادیث کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے۔

پھر چونکہ احادیث کا زیادہ حصہ عمل سے متعلق تھا۔ اس لیے ﴿اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ ''رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔'' کے قرآنی حکم کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جیسے حضور ﷺ کو کوئی کام کرتے دیکھا، اُسے ویسے ہی کرنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ نسل در نسل آگے چلتا گیا۔ اس طرح فعلی احادیث کا کثیر ذخیرہ عملی طور پر اُمت کو منتقل ہو گیا جو آج تک اُمتِ مسلمہ میں جاری و ساری ہے۔ حدیث کی حفاظت

اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

(1) سنن ابو داؤد (کتاب العلم) میں سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ:

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ.)) (سنن ابو داؤد: 3660)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ اُس شخص کو ترو تازہ رکھے جو ہم سے حدیث سنے، پھر اُسے یاد اور محفوظ رکھے اور پھر اُسے دوسروں تک پہنچا دے.....''

گویا اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایسے ہر شخص کے حق میں دعا فرمائی ہے جو آپ سے حدیث سن کر اُسے یاد رکھے اور پھر دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔

(2) اُسی طرح جامع ترمذی میں بھی سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ......))

(جامع ترمذی: 2656)

''اللہ اُس آدمی کو ترو تازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سن کر یاد کر لی اور اُسے دوسرے تک پہنچا دیا....''

(3) جامع ترمذی ہی میں ایک اور حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ.)) (ترمذی: 2657)

''اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ترو تازہ رکھے جس نے مجھ سے کچھ سنا۔ پھر جیسے اُس نے سنا تھا ویسے ہی دوسروں تک اسے پہنچا دیا۔ ممکن ہے جسے بات پہنچائی جائے وہ پہلے سننے والے سے بھی زیادہ اُسے یاد رکھنے والا ہو۔''

(4) جامع ترمذی میں ایک اور روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا......)) (رقم: 2658)

''اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری کوئی بات سنی، پھر اُسے یاد رکھ کر محفوظ کر لیا اور اُسے کسی اور تک پہنچا دیا۔''

اس کے علاوہ اسی مضمون کی احادیث سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا جبیر بن مطعم اور سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

(5) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوشریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے روز ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ:

((وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ .)) (صحیح بخاری :104 و صحیح مسلم :3304)

''اور ضروری ہے کہ جو یہاں حاضر ہے، وہ اُس تک (میری باتیں) پہنچا دے جو یہاں حاضر نہیں ہے۔''

(6) اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ .)) (صحیح بخاری:1741)

''پس لازم ہے کہ جو یہاں پر حاضر ہے، وہ اُس تک جو یہاں حاضر نہیں ہے، (میری باتیں) پہنچا دے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو احادیث کی حفاظت اور ان کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دُعا بھی فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشادات کی روشنی میں اور ان کے احکام کی تعمیل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ یاد کر لیا، اُسے لکھ کر محفوظ کیا، اس پر خود عمل کیا اور اسے دوسروں لوگوں تک پہنچا دیا۔

ذیل میں ہم مکثرین (بکثرت روایت کرنے والے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں بیان کریں گے کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں احادیث سن کر یاد کر لیں اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچایا:

1: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے 5374 حدیثیں حفظ کر کے اُمت تک منتقل کیں۔

2: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے 2630 حدیثیں یاد کیں اور پھر ان کو امت تک پہنچایا۔

3: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے 2286 حدیثیں زبانی یاد کر کے محفوظ کیں اور پھر ان کو امت کے حوالے کیا۔

4: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے 2210 حدیثیں یاد کرنے کے بعد دوسروے لوگوں تک پہنچائیں۔

5: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے 1660 حدیثیں حفظ کرنے کے بعد اپنے شاگردوں تک منتقل کیں۔

6: سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے 1540 حدیثیں یاد کیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا۔

7: سید نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے 848 حدیثیں حفظ کیں اور ان کو دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیثیں لکھیں اور ان کے مجموعے (صحیفے) مرتب کیے یا املا کرائے اُن کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت حدیث:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت حدیث کے معاملے کو سمجھنے کے لیے اس کا تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔

جس زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اُس وقت پوری عرب قوم اَن پڑھ تھی اور اُسے 'اُمیین' کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ صدیوں بلکہ ہزاروں برس سے اپنے سارے معاملات حافظے اور زبان سے چلانے کے عادی تھے۔ ان میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ کاغذ نایاب تھا اور چمڑے کے ٹکڑوں، جھلیوں، ہڈیوں، پتھر کی سِلوں اور کھجوروں کے پتوں پر تحریریں لکھی جاتی تھیں اور یہی ان کی سٹیشنری تھی۔

لیکن اہلِ عرب اپنے حافظے اور یادداشت میں ممتاز تھے۔ وہ اپنی تاریخ ایام العرب، شاعروں کے قصیدے، خطیبوں کا کلام، قبیلوں کے شجرے اور انساب حتّٰی کہ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھتے اور اپنی اولاد کو یاد کراتے تھے۔ ایک ایک شخص سینکڑوں اشعار پر مشتمل قصیدہ کھڑے کھڑے فرفر سنا دیتا تھا۔

خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر ایک ہی مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے بیٹھے سو (100) شعر سنا دیے تھے۔

ان حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تو اُس کی حفاظت کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے۔ ایک یہ کہ جتنا قرآن نازل ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے خود یاد کر لیتے اور دوسروں کو سناتے اور وہ بھی اسے زبانی یاد کر لیتے۔ یاد رکھیے اور اچھی طرح یاد رکھیے کہ قرآن کی

حفاظت کا اصل مدار اسی حفظ ونقل پر ہے۔ اس کی کتابت کے ذریعے حفاظت ایک ثانوی (Secondary) چیز ہے۔ دوسرا طریقہ کتابت کا تھا۔ جس قدر قرآن اُترتا۔ حضور ﷺ کسی کاتب کو بلا کر اُسے اِملاء (Dictate) کرادیتے کہ اسے فلاں آیت یا سورت سے پہلے یا بعد میں لکھا جائے، اور وہ اسی اسٹیشنری پر لکھ دیتا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

قرآن مجید کو اس وجہ سے لکھوایا گیا کہ اس کے الفاظ اور معانی من جانب اللہ تھے، اس کے الفاظ، اُس کی آیات اور اُس کی سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کی طرف سے تھی۔ اس کے الفاظ کو دوسرے الفاظ سے بدلنا جائز نہ تھا۔ اس کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ لوگ انہی الفاظ میں اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔

لیکن حدیث کی نوعیت اس سے بالکل مختلف تھی وہ لفظی ہونے کے باوصف زیادہ تر عملی تھی۔ اس کے الفاظ قرآن کے الفاظ کی طرح وحی نہیں تھے بلکہ اُن کو نبی ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ادا کیا تھا۔ پھر اس کے بڑے حصے کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے الفاظ میں بیان کردیتے تھے جسے روایت بالمعنیٰ (Indirect Narration) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث بیان کرنے میں یہ پابندی نہ تھی کہ اسے لفظ بلفظ یا من وعن بیان کیا جائے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے، جو کہ اہل زبان تھے، یہ جائز تھا کہ وہ حضور ﷺ سے کوئی بات سُن کر اُسے اپنے الفاظ میں بیان کردیں۔ پھر احادیث کی تلاوت مقصود نہ تھی بلکہ اُس تعلیم کی پیروی مقصود تھی جو آپ ﷺ دیتے تھے۔ ان احادیث کو محفوظ کرنے کے لیے اُس ترتیب کی بھی ضرورت نہ تھی جو قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے لیے ضروری تھی، کہ پہلے فلاں حدیث ہو اور اس کے بعد فلاں ہو۔ اتنا کافی تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان احادیث کو یاد رکھیں اور دیانتداری کے ساتھ دوسرے لوگوں تک پہنچادیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے معاملے میں کتابت وتحریر کی جو اہمیت ہوسکتی تھی وہ حدیث کے معاملے میں نہیں ہوسکتی تھی۔

پھر یہ خیال کرنا بھی احمقانہ ہے کہ کسی چیز کے معتبر ہونے کے لیے اُس کا لکھا جانا ضروری ہے۔ اصل چیز اُس شخص کا قابل اعتماد ہونا ہے جس کے ذریعے سے ہم تک کوئی بات پہنچتی ہے خواہ وہ لکھی ہوئی ہو یا نہ لکھی ہوئی ہو ایک قابل اعتماد رپورٹر خواہ فون کرکے زبانی طور پر کوئی خبر دیدے، یا فیکس کرکے تحریری طور پر خبر بھیجے دونوں صورتوں میں اُس کی خبر کو یکساں طور پر معتبر سمجھا جاتا ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنا قرآن لکھی ہوئی کتاب کی صورت میں آسمان سے نازل نہیں فرمایا بلکہ حضرت

محمد ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعے اسے بندوں تک پہنچایا ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ کی نبوت پر ایمان لائیں گے وہ نبی ﷺ صادق ومصدوق پر اعتماد کرتے ہوئے قرآن کو بھی اللہ کا کلام مان لیں گے۔

فرض کیجیے اگر نبی ﷺ قرآن کو صرف لکھوا دیتے لیکن ہزاروں لوگ اسے حفظ کر کے آنے والی نسلوں تک زبانی نہ پہنچاتے تو کیا وہ لکھی ہوئی دستاویز بعد کے لوگوں کے لیے اس بات کا قطعی ثبوت ہوتا کہ یہ وہی قرآن ہے جسے نبی ﷺ نے لکھوایا تھا؟ وہ دستاویز بجائے خود ثبوت کی محتاج ہوتی۔ کیونکہ جب تک کچھ لوگ اس بات کی گواہی دینے والے نہ ہوتے کہ یہ کتاب نبی ﷺ نے ہمارے سامنے لکھوائی تھی، اُس وقت تک وہ کتاب معتبر نہیں ہو سکتی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ لکھی ہوئی ہو بلکہ وہ اُسی وقت معتبر ہوتی ہے جب زندہ قابل اعتماد انسان اس کی شہادت دیں۔ آج رسول اللہ ﷺ کا لکھوایا ہوا قرآن دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے مگر اس سے قرآن کے معتبر اور مستند ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ متواتر زبانی روایات وشہادات سے اس کا معتبر ہونا ثبت ہے۔ بلکہ خود یہ بات کہ نبی ﷺ نے قرآن لکھوایا تھا، صرف روایات واحادیث ہی کی بنیاد پر صحیح مانی جاتی ہے ورنہ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے اصل دستاویز ہی موجود نہیں ہے۔ اگر بالفرض وہ کہیں مل بھی جائے تو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہی صحیفے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے لکھوائے تھے۔

ہمارے ہاں کے منکرین حدیث کے مبلغ علم تو یہ حال ہے کہ وہ قرآن اور مصحف کا فرق بھی نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک قرآن وہ ہے جو تحریری شکل میں ہے جب کہ وہ قرآن نہیں 'مصحف' ہوتا ہے۔ قرآن وہ ہے جو اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ رہتا ہے۔

﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (العنکبوت: 49)

"بلکہ یہ قرآن واضح آیتوں کا مجموعہ ہے جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو علم عطا ہوا ہے۔"

آج بھی بلادِ عرب میں چھپنے والے قرآن کے نسخے 'مصاحف' کہلاتے ہیں قرآن نہیں کہلائے جاتے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ ایک جلد میں قرآن کو تحریری صورت میں جمع و مدون کرایا تھا تو اُس کا نام بھی قرآن نہیں تھا بلکہ اُسے "المصحف الامام" کہا جاتا تھا۔

پھر حدیث کا زیادہ تر تعلق عملی زندگی سے تھا جس کے لیے تحریر کی خاص ضرورت نہ تھی۔ نبی ﷺ کا

اسوۂ حسنہ اور عملی نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے تھا۔ وہ حضور ﷺ کو جس طرح کوئی کام کرتے دیکھتے ویسے ہی کرنا شروع کر دیتے۔ نماز ہی کو لیجئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جیسے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ویسے ہی نماز پڑھنی شروع کر دی اور اپنی اولاد اور آنے والی نسل کو سکھا دی اور یہی سلسلہ اب تک مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے کہ وہ اسی طریقے سے نماز پڑھتے ہیں جو طریقہ اُن کو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا تھا۔ یاد رکھیے، مسلمانوں نے نماز ادا کرنے کا طریقہ امام بخاریؒ یا امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کتب حدیث پڑھ کر نہیں سیکھا بلکہ وہ اُسی طریقے پر نماز پڑھتے ہیں جو طریقہ اُن کے ہاں ہر بعد میں آنے والی نسل نے اپنے سے پہلی نسل سے سیکھا اور جو نبی ﷺ سے تواتر کے ذریعے ثابت ہے، اور جو طریقہ ان دونوں بزرگوں کی پیدائش سے بھی پہلے اہل اسلام کے ہاں موجود تھا۔

حدیث جیسی عملی چیز کی کتابت پر اصرار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ جب تک شکاریات (Hunting) پر کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں کیا لوگ جانوروں کا شکار نہیں کیا کرتے تھے؟ ضرور کرتے تھے اور ایک دوسرے سے شکار کرنے کا عملی طریقہ سیکھ لیتے تھے۔

یا آج اگر کوئی شہری بیگم صاحبہ یہ فرمائیں کہ مغلیہ دور میں کوئی عورت کھانا پکانا نہیں جانتی تھی کیونکہ اس وقت تک کوکنگ (Cooking) پر لکھی ہوئی کتاب (Written Book) موجود نہ تھی، تو کیا اُس کی اِس بات کو علمی تحقیق (Academic Research) کا نام دیا جائے گا یا کھلی حماقت تصور کیا جائے گا؟

بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر آج قرآن مجید کے تمام لکھے ہوئے نسخے اور مصاحف خدانخواستہ دنیا سے ناپید بھی ہو جائیں جب بھی قرآن ہمارے درمیان حفاظ کرام کے ذریعے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح بالفرض آج اگر صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری تمام کتابیں دنیا سے نابود بھی ہو جائیں پھر بھی اہل اسلام کو نبی ﷺ کی سنت کے مطابق زندگی گزارنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی کیونکہ اُن کے ہاں حضور ﷺ کا اُسوۂ حسنہ نسل در نسل تواتر کے ساتھ موجود اور محفوظ ہے جس کی رہنمائی میں وہ صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر خدانخواستہ آج نبی ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی کتب کا سارا دفتر بھی محو ہو جائے جب بھی اہل اسلام کی رہنمائی کے لیے حضور ﷺ کی مکمل سیرت، حفظ کیے ہوئے قرآن مجید کے ذریعے اور زبانی متواتر روایات کی بدولت اپنی اصلی صورت میں محفوظ رہے گی۔

تاہم اس سب کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں بھی بہت سی احادیث لکھی

گئیں۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ سے احادیث سن کر صحیفے مرتب کر لیے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ ابتداء میں کتابت حدیث کی اجازت محدود تھی اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ لکھنے والے بہت تھوڑے تھے اور لکھنے کا سامنا کم یاب تھا اس لیے اندیشہ تھا کہ جو لوگ وحی کے الفاظ اور آیات لکھتے ہیں وہی لوگ اگر حدیثیں بھی لکھیں گے تو اس طرح قرآن اور حدیث آپس میں خلط ملط (Mix up) ہوجائیں گے اور قرآن کے متن اور اس کی عبارت کے بارے میں شک پیدا ہوجائے گا۔ بعد میں جب لکھنے والیوں کی تعداد بڑھ گئی تو احدیث لکھنے کی عام اجازت دیدی گئی۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی ہر بات نہ لکھا کرو کیونکہ آپ ﷺ کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی غصے میں ہوتے ہیں۔ اس پر اُنہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ.)) (ابوداوٗد، رقم 3646)

''تم احادیث لکھا کرو۔ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ:

((مَـامِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَحَـدٌ اَكْثَـرُ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّيْ اِلَّا مَاكَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، فَاِنَّهٗ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ))

(صحیح بخاری، رقم 113۔ ترمذی، رقم 2668)

''نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ ﷺ کی احادیث مجھ سے زیادہ جانتا ہو، سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔'' (صرف یاد کرتا تھا)

جمع وتدوین کی تاریخ پر ایک نظر:

حدیث کے جمع وتدوین کا کام عہد نبوی ﷺ میں شروع ہوگیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی عہد میں حدیثوں کے قریباً پندرہ (15) صحیفے لکھے تھے۔ مثال کے طور پر:

(1) صحیفہ علی بن ابی طالب...... : یہ صحیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ اس میں دیت اور

زکوۃ وصدقات سے متعلق احادیث تھیں اور اس میں مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا ذکر بھی تھا۔

(2) الصحیفہ الصادقہ ......: یہ صحیفہ ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا۔ اسے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا۔ اُن کے خاندان میں کئی نسلوں تک یہ صحیفہ موجود رہا۔ بعد میں اس کی تمام احادیث مسند احمد میں شامل کر لی گئیں۔

(3) صحیفہ ھمام بن منبہ ......: یہ صحیفہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اُن 139 احادیث پر مشتمل ہے، جو اُنہوں نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کو لکھوائی تھیں۔

(4) صحیفہ اعرج......: اسے صحیفہ ہمام بن منبہ کا مثنیٰ (Duplicate Copy) سمجھنا چاہیے۔ اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ 139 احادیث شامل ہیں جو انہوں نے اپنے دوسرے شاگرد اعرج کو لکھوائی تھیں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں صحیفوں کی احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں شاگردوں کو بیک وقت یا ایک سے زیادہ مجلسوں میں لکھوائی تھیں اور اُنہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے خود سن کر ان حادیث کو الگ الگ طور پر تحریر کر لیا تھا۔

(5) صحیفہ جابر بن عبداللہ......: اسے ''صحیفہ ابوزبیر'' بھی کہتے ہیں۔ اس کی تمام احادیث ابوزبیر نے مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود سن کر لکھی تھی۔ جیسا کہ سیر اعلام النبلاء نامی کتاب میں مذکور ہے۔

(6) صحیفہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

(7) صحیفہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ

(8) صحیفہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(9) صحیفہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

(10) صحیفہ سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

(11) صحیفہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ

(12) ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعداد پچاس (50) سے زیادہ ہے، جنھوں نے خود حدیثیں لکھیں یا اُن کو لکھوا دی گئیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الدکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی کی کتاب ''دراسات فی

الحدیث النبوی و تاریخ تدوینه" ص:92 تا 142۔

(13) نبی ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی خواہش پر اور کبھی از خود اُن کے لیے احادیث لکھوائی تھیں، جیسا کہ صحیحین کی بعض روایات سے ظاہر ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے:
ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم ((الوثائق السیاسیه)) اور شیخ علی الاحمدی کی کتاب "مکاتیب الرسول ﷺ"

عہد تابعین میں تدوین حدیث:

پھر تابعین کے دور میں تدوین و کتابت حدیث کا کام زیادہ بڑے پیمانے پر ہوا کیونکہ اس دور میں مسلمانوں کے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ (جن کو پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے) نے علماء کو سرکاری طور پر حکم جاری کیا تھا کہ وہ تدوینِ حدیث کا کام کریں۔

چنانچہ اس عہد میں جس شخص نے سب سے بڑھ کر تدوین حدیث کا کام کیا وہ امام ابن شہاب زُہری (پیدائش 58ھ۔ وفات 164ھ) تھے۔ جنھوں نے مدینے میں بیٹھ کر احادیث کا بہت بڑا تحریری ذخیرہ جمع کر دیا۔

ان کے علاوہ جن تابعین نے حدیث کی تدوین و کتابت کے کام میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیا اُن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(1)......سعید بن مسیّب (پیدائش 14ھ۔ وفات 93ھ)

(2)......حسن بصری (پیدائش 21ھ۔ وفات 110ھ)

(3)......ابن سیرین (پیدائش 33ھ۔ وفات 110ھ)

(4)......عروہ بن زبیر (پیدائش 22ھ۔ وفات 94ھ)

(5)......علی بن حسین [زین العابدین] (پیدائش 38ھ۔ وفات 94ھ)

(6)......مجاہد (پیدائش 21ھ۔ وفات 104ھ)

(7)......قاسم بن محمد (پیدائش 37ھ۔ وفات 104ھ)

(8)......نافع [مولیٰ عبداللہ بن عمر]....(وفات 117ھ)

(9)......سعید بن جبیر (پیدائش 45ھ۔ شہادت 95ھ)

(10)......سلیمان الاعمش (پیدائش 61ھ۔وفات 148ھ)

(11)......عکرمہ مولیٰ ابن عباس (پیدائش 22ھ۔وفات 105ھ)

(12)......عطاء بن ابی رباح (پیدائش 27ھ۔وفات 115ھ)

(13)......قتادہ (پیدائش 61ھ۔وفات 117ھ)

(14)......علقمہ (وفات 62ھ)

(15)......ابراہیم نخعی (پیدائش 46ھ۔وفات 96ھ)

تبع تابعین اور دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث:

اس کے بعد تبع تابعین کا دور آتا ہے۔اس عہد میں اور دوسری صدی ہجری میں جن علماء نے حدیث کی تدوین کا کام کیا،اُن میں درج ذیل بہت مشہور ہیں:

(1)......ابن جریج (پیدائش 80ھ۔وفات 150ھ)

(2)......امام اوزاعی (پیدائش 88ھ۔وفات 156ھ)

(3)......امام مالک (پیدائش 93ھ۔وفات 179ھ)

(4)......سفیان ثوری (پیدائش 97ھ۔وفات 161ھ)

(5)......امام محمد بن حسن شیبانی (پیدائش 131ھ۔وفات 189ھ)

(6)......محمد بن اسحاق (وفات 151ھ)

(7)......سلیمان بن داؤد (وفات 204ھ)

(8)......عبدالرزاق صنعانی (پیدائش 126ھ۔وفات 211)

(9)......ابن سعد (پیدائش 168ھ۔وفات 220ھ)

(10)......ابوبکر بن ابی شیبہ (پیدائش 159ھ۔وفات 235ھ)

(11)......امام احمد بن حنبل (پیدائش 164ھ۔وفات 241ھ)

(12)......اسحاق بن راھویہ (پیدائش 161ھ۔وفات 238ھ)

صحیح بخاری سے پہلے کی کتب:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے قبل زمانے کی لکھی ہوئی جو کتب احادیث آج موجود ہیں،وہ حسب ذیل ہیں:

(1)......مؤطا از امام مالک (وفات 179ھ)

(2)...... کتاب الخراج از امام ابو یوسف (وفات 182ھ)

(3)...... کتاب الآثار از امام محمد بن حسن شیبانی (پیدائش 131ھ۔ وفات 189ھ)

(4)......الطبقات الکبریٰ، ابن سعد (پیدائش 168ھ۔ وفات 220ھ)

(5)......مسند احمد بن حنبل (وفات 241ھ)

(6)......مسند طیالسی از ابوداؤد طیالسی (وفات 211ھ)

(7)......المصنف عبدالرزاق

(8)......المصنف ابوبکر بن ابی شیبہ

(9)......مسند حمیدی، امام عبداللہ بن زبیر حمیدی (وفات 219ھ)

(10)...... کتاب المغازی، از موسیٰ بن عقبہ (پیدائش 141ھ)

"تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"

مذکورہ بالا حدیث کی تمام کتب امام بخاری کی "الجامع الصحیح" سے پہلے کی ہیں اور آج دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر کے تراجم بھی ہو چکے ہیں۔

6۔ صحاحِ ستہ کے مؤلفین کا دور:

پھر اس کے بعد جامعین حدیث کا دَور آتا ہے، جس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات 256ھ)، امام مسلم (وفات 261ھ) اور صحاح کے دوسرے مؤلفین کے علاوہ چند اور محدثین بھی آتے ہیں، جن کی کتب آج ہمارے سامنے ہیں جن سے تدوین حدیث کے کام کی تکمیل کے لیے صحیح اور ضعیف حدیثیں بھی الگ الگ کر دی گئیں۔

اب کیا تدوین حدیث کی اس تاریخ کو دیکھ کر کوئی شخص یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ حدیثیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو تین سو سال بعد لکھی گئیں اور اس سے پہلے وہ کسی گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھیں۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں:

میں نے اس کتاب ''مشکوٰۃ الحدیث'' کی بنیاد احادیث کے ایک مشہور و متداول مجموعے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی صحیح حدیثوں پر رکھی ہے۔ مذکورہ مجموعہ ولی الدین خطیب تبریزیؒ (م 748ھ) نے 737ھ میں

مرتب کیا تھا اور جو دراصل محی السنۃ امام بغویؒ (م 516ھ) کے ایک مجموعہ احادیث ''مصباح السنۃ'' کی تہذیب و تکمیل ہے۔

''مشکوٰۃ الحدیث'' کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو صرف ایمانیات سے متعلق سو (100) سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے۔ انشاء اللہ یہ کتاب مزید تین جلدوں میں مکمل ہوگی جن میں بالترتیب عبادات، معاملات اور اخلاقیات کے بارے میں صحیح احادیث شامل ہوں گی۔

اس کتاب کی کچھ خصوصیات یہ ہیں:

1: اس میں ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے صرف صحیح حدیثیں لی گئیں ہیں اور اُن کو نئی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

2: ہر حدیث کے مضمون کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور نئے ابواب باندھے گئے ہیں۔

3: احادیث کے عربی متن پر اعراب لگا کر اُس کا آسان اردو ترجمہ اور جدید انداز میں تشریح کی گئی ہے۔

4: ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے لی گئی ہر حدیث کا اصل نمبر بھی دیا گیا ہے۔

5: ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے علاوہ دوسری کتب حدیث کے حوالے بھی ہر حدیث کے تحت دیے گئے ہیں۔

6: آغاز میں علمی مباحث پر مبنی ایک مبسوط و مفصل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں منصبِ رسالت، اطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت، حجیت حدیث، کتابت حدیث اور تدوین حدیث کی مختصر تاریخ جیسے اُمور پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک وشبہارت کا ازالہ کردیا گیا ہے۔

7: علم حدیث سے متعلق بعض فنی اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔

8: اس میں مذکور تمام روایانِ حدیث کے مختصر حالات زندگی بھی آخر میں شامل ہیں۔

9: اس کی احادیث کے مشکل اور غریب الفاظ کے معانی اور اُن کے مادوں (ROOTS) کا ایک فرہنگ بھی تیار کیا گیا ہے۔

10: اس میں آمدہ تمام احادیث کا ایک اشاریہ (INDEX) بھی شامل ہے جس سے مطلوبہ حدیث تلاش کرنا آسان ہے۔

﴿إِنَّ لِيْ عَشْرَةً﴾

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اس عاجز کو خدمت حدیث کی توفیق عطا فرمائی۔اس موقع پر "مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ ." (جس نے انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اُس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔الحدیث) کے مصداق میں عزیزہ فریحہ میلا صاحبہ اور عزیزہ فریدہ کاردار صاحبہ کا بھی شکر گزار ہوں۔ اس کام میں مجھے اپنی ان دونوں تلمیذات کی مفید مشاورت اور بھرپور معاونت حاصل رہی۔اللہ تعالیٰ ان دونوں کے علم وعمل میں برکت دے اور ان سے اپنے دین کی خدمت واشاعت کا کام لے۔

دُعا ہے کہ رب کریم اس سلسلۂ کتاب کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اسے لوگوں کے لیے مفید بنائے۔ میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ میری لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔اس میں جو کچھ حق ہے وہ من جانب اللہ ہے اور جہاں کہیں کوئی خطا ہے وہ میری ہے۔البتہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یہ کہتا ہوں کہ میں نے پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ احادیث کا صحیح مدعا بیان کرنے کی امکانی کوشش کی ہے اور کسی مخصوص نظریے کی وکالت کیے بغیر ہر قسم کے گروہی اور مسلکی تعصّبات سے بالاتر رہ کر یہ کام کیا ہے۔

"ھٰذا ما عندی، والعلم عند اللّٰہ ، وھو ولی التوفیق"

والسلام

احقر العباد

محمد رفیق، لاہور

13 محرم الحرام 1431ھ

مطابق 31 دسمبر 2009ء

باب 1......نیت اور اخلاصِ عمل

1- اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے

1 ......((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَاِنَّمَا لِامْرِیءٍ مَا نَوٰی، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَاِلٰی رَسُوْلِهٖ، فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَاِلٰی رَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُهَا، اَوِ امْرَاَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ.))

مشکوٰۃ المصابیح، مقدمہ مؤلف، حدیث: 1 — صحیح بخاری، رقم: 54/1
صحیح مسلم، رقم: 4927 — نسائی، رقم: 75
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1245

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔ پھر جو آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرے گا، اُس کی یہ ہجرت واقعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہوگی۔ لیکن جو کسی دنیاوی غرض کے لیے، یا کسی عورت سے شادی کی خاطر ہجرت کرے گا، تو اُس کی ہجرت انہی کی طرف شمار ہوگی۔''

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا ہر عمل اُس کی نیت کے لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ صرف صالح عمل کو قبول کرتا ہے اور کسی ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جو صالح نہ ہو۔

کسی عمل کے صالح ہونے اور آخرت میں مقبول ہونے کے لیے درج ذیل تین شرطیں ضروری ہیں:

1: وہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کیا جائے۔

2: وہ کام ایمان کی حالت میں کیا گیا ہو۔ کسی کافر کا کوئی عمل بھی صالح نہیں ہوتا اگرچہ وہ بظاہر نیکی نظر

آئے۔

3: وہ کام اسلامی شریعت میں جائز اور معروف ہو اور اسے شریعت ہی کے مطابق سرانجام دیا جائے۔

ان تین شرائط کے ساتھ جو کام کیا جائے گا صرف وہی ''صالح'' ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔
اس کے برعکس جو کام مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے بغیر ہوگا، وہ نہ تو عمل صالح ہے اور نہ اُسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

اس حدیث میں ہجرت کی مثال دی گئی ہے۔ اسلام میں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا ایک ایسا نیک کام ہے جس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے۔ لیکن جب یہی ہجرت جو بظاہر اللہ کی راہ میں کی گئی ہو اس میں نیت کسی دنیاوی غرض کی ہو، یا دارالہجرت جا کر وہاں کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو ایسی صورت میں وہ ہجرت اللہ کی راہ میں نہیں ہے، نہ وہ صالح عمل ہے اور نہ اس پر کوئی اجر، بلکہ اُلٹا گناہ ہے۔

یہی حال اسلام کے دوسرے تمام اعمال و احکام کا ہے۔ اگر نماز بھی دکھاوے کی ہو تو اس پر بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ اُلٹا عذاب ہوگا۔

رہے وہ کام جو اسلام میں ویسے ہی منع ہیں جیسے چوری اس نیت سے کرنا کہ اس کے ذریعے غریبوں کی مدد کی جائے تو یہ بھی عمل صالح نہیں بلکہ ایسا کرنا اُلٹا حرام ہے۔

نبی ﷺ کی ایک اور حدیث سے بھی نیت اور اخلاصِ عمل کی اہمیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے پہلے جس آدمی کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ جب اُسے اللہ کے سامنے لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے بتائے گا کہ کیا کیا نعمتیں اسے دی گئیں۔ وہ ان نعمتوں کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا بتاؤ تم نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے اس لیے جہاد کیا تا کہ تیری شہرت ہو کہ تو بہادر ہے اور تم بہادر مشہور ہوئے۔ پھر حکم ہوگا کہ اُسے اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

اسی طرح دوسرا شخص ہوگا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھایا ہوگا۔ وہ قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ کے کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی اپنی نعمتیں یاد

دلائے گا۔ وہ ان سب کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: بتاؤ تم نے میری نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے دین کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔ تیری خاطر قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا: تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے اس لیے علم سیکھا تاکہ عالم کہلائے۔ تم نے قرآن پڑھا تاکہ قاری اور حافظ کہلوائے۔ وہ تمہیں کہا گیا۔ پھر اس کے لیے بھی حکم ہوگا کہ اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔

اسی طرح تیسرا شخص ہوگا جسے اللہ نے دنیا میں مال و دولت سے نوازا۔ اُسے بھی اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا: تم نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے تمام پسندیدہ کاموں پر مال خرچ کیا اور تیری خاطر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے یہ سب کچھ اس لیے کیا تاکہ تم سخی کے طور پر مشہور ہو جاؤ۔ پھر تم دنیا میں سخی مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسے بھی اوندھے منہ گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے۔" (صحیح مسلم، رقم 4923۔ نسائی، رقم 3137)

زیر بحث حدیث بھی اُن ''جوامع الکلم'' میں سے ہے جو نبی کریم ﷺ کو خاص طور پر عطا کیے گئے۔ جو کم الفاظ اور مختصر ہونے کے باوجود اتنے جامع ہوتے ہیں جیسے دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔

چنانچہ اس حدیث کی اسی اہمیت کے پیش نظر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی "الجامع الصحیح" کے بالکل آغاز ہی میں بیان کیا ہے۔

2: اللہ تعالیٰ ہماری شکلیں نہیں ہمارے دلوں کو دیکھتا ہے

2...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ .))

مشکوة المصابيح، رقم -5314 صحيح مسلم؛ رقم -6543 ابن ماجه، رقم 4143-

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔''

تشریح:

ایک اور روایت میں "اَمْـوَالِكُمْ" (تمہارے مال) کی بجائے "اَجْسَـادِكُمْ" (تمہارے جسم) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ تاہم مضمون ایک ہی ہے۔

اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی قبولیت کا معیار اُس کی شکل وصورت، مال و دولت، حسب ونسب اور قوم وخاندان نہیں ہے بلکہ دل کی درستی اور اچھا اخلاق و کردار ہے۔ اُسے دل کا ایمان اور اخلاص پسند ہے جو کہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت پر منحصر ہے۔ ورنہ شکل وصورت تو اُس نے خود بنائی ہے، مال و دولت بھی وہی دیتا ہے اور قوم وخاندان بھی اتفاقی چیز ہے اس میں انسان کا اپنا کوئی کمال نہیں کہ اس بارے میں اُس کی تحسین کی جائے۔

باب 2...... دین اسلام کا تعارف

3...... حدیث جبریل علیہ السلام (اسلام، ایمان اور احسان)

3...... ((عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، اِذْطَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرٰی عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا اَحَدٌ، حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ؟ قَالَ: ((اَلْاِسْلَامُ: اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا)) قَالَ: صَدَقْتَ۔ فَعَجِبْنَا لَهُ، يَسْاَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ! [قَالَ] فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ؟ قَالَ: ((اَنْ تُومِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ)) قَالَ: صَدَقْتَ۔ قَالَ: فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ؟ قَالَ: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ)) قَالَ: فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: ((مَا الْمَسْؤُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ)) قَالَ: فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: ((اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا، وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ)) قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِيْ: ((يَا عُمَرُ! اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ))؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ۔ قَالَ: ((فَاِنَّهُ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ.))

مشکوٰۃ المصابیح رقم 2 | صحیح مسلم ، رقم 93 | ابوداؤد، رقم 4695
جامع ترمذی، رقم 2610 | ابن ماجہ ، رقم 63 | مسند احمد ، رقم 367

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی آیا۔ اُس کے کپڑے نہایت سفید اور بال انتہائی سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے اثرات نہ تھے۔ ہم میں سے کوئی اُسے جانتا نہ تھا۔ آتے ہی وہ دوزانو ہو کر نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس

نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے اور کہنے لگا: اے محمد ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور تم سے ہو سکے تو بیت اللہ کا حج کرو۔'' اس نے کہا: آپ ﷺ سے سچ فرمایا۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ وہ شخص خود ہی آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے اور پھر آپ ﷺ کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس نے پھر پوچھا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟
آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔'' اس نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا: پھر اُس نے پوچھا: مجھے احسان کے بارے میں بتایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو، اور اگر اُسے نہیں دیکھ پاتے تو وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔'' پھر اُس شخص نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بارے میں جس سے پوچھ رہے ہو وہ تم پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔''

اُس نے پھر پوچھا: مجھے اُس کی کچھ نشانیاں ہی بتادیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی اور ننگے پاؤں اور ننگے بدن والے تنگ دست بکریوں کے چرواہوں کو تم دیکھو گے کہ وہ بلند و بالا عمارتیں بنائیں گے اور ان پر فخر کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

عمر رضی اللہ عنہ! جانتے ہو یہ کون شخص تھا؟

میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تم لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔''

تشریح:

اِس متفق علیہ حدیث کو عام طور پر ''حدیث جبریل علیہ السلام'' کہا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ علماء نے اِسے ''اُمُّ السُّنَّہ'' بھی قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث پورے دین کا خلاصہ اور عطر ہے جیسے سورۂ فاتحہ کو ''اُمُّ الکتاب'' کہا گیا ہے کہ وہ بھی پورے قرآن کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔

یہ حدیث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے اور بعض دوسری کتب حدیث میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

سوال و جواب کے انداز میں دین سمجھانے والی اس حدیث کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں سب سے پہلے بیان کیا ہے۔

مذکورہ حدیث میں پانچ باتوں کا ذکر ہے:

(1)......ایمان (2)......احسان

(3)......قیامت کا علم (4)......قیامت کی نشانیاں

اب ان کی تفصیل

1۔ اسلام:

اسلام کے لفظی معنی کسی کے آگے جھکنے، اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دینے، اور اُس کے تابع فرمان ہو جانے، کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے وہ دین مراد ہے جو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر لائے، جس میں بندہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جھکا دیتا ہے اور اس کی اطاعت اور بندگی کرتا ہے۔

توحید اور رسالت کی گواہی، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو ارکانِ اسلام بھی کہا جاتا ہے اور یہ دینِ اسلام کا ظاہر ہے جسے ایک حدیث میں اسلام کی ایسی عمارت قرار دیا گیا ہے جس کے یہ پانچ ستون ہیں (جس کی وضاحت حدیث نمبر 4 میں کی گئی ہے) اور اِس کا باطن وہ ایمان ہے جس میں اللہ پر ایمان، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے پیغمبروں پر، آخرت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لانا شامل ہے۔

2۔ ایمان:

ایمان کے لغوی معنی یقین کرنے، کسی پر اعتبار اور اعتماد کرنے اور کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد چند ایسے اُمور ہیں جن پر یقین کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جو عقل سے معلوم نہیں کیے جا سکتے بلکہ یہ صرف وحی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان کی تفصیل قرآنِ مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

1: اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

2: فرشتوں پر ایمان۔

3: کتابوں پر ایمان۔

4: نبیوں اور رسولوں پر ایمان۔

5: آخرت پر ایمان۔

6: تقدیر پر ایمان۔

مذکورہ بالا چھ اُمور پر ایمان لانا اسلامی بنیادی عقیدہ ہے جو مختصر ہو کر کلمہ طیبہ ((لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔'' کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

یاد رکھیے! جب بھی ایمان کی بات ہو گی تو اس میں یہ سارے اُمور شامل ہوں گے اور ان سب کا مجموعہ ہی ایمان کہلائے گا۔ ان میں سے ایک یا بعض اُمور کو ایمان نہیں کہا جائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۰﴾ (النساء: 136)

''اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ پر، اُس کے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی ہے اور اُن کتابوں پر جو پہلے نازل کی گئیں اور جو کوئی ایمان نہ لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک کر دُور جا پڑا۔''

اسی طرح حدیث جبریل علیہ السلام میں بھی مذکورہ بالا چھ اُمور کے مجموعے ہی کو ایمان کہا گیا ہے:

((قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَآئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ......)) (صحیح مسلم)

''اُس نے عرض کیا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے پیغمبروں پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھو، اور اچھی اور بُری تقدیر پر یقین رکھو۔'' اُس نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا......''

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان مذکورہ بالا چھ (6) اُمور کے مجموعے اور پیکیج (Package) کا نام ہے۔

مثلاً اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو لیکن رسولوں پر ایمان نہ رکھتا ہو تو اس کا ایمان معتبر اور مقبول نہیں ہے اور وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا۔

1- اللہ پر ایمان

مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے۔

1۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب:

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر یقین کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی سب کا خالق، رازق اور حاکم ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ قادرِ مطلق ہے۔ تمام اعلیٰ صفات کا مالک اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا تصور انسان کی فطرت میں ہے۔ انسان نہ اُس کا انکار کرسکتا ہے اور نہ اس میں شک کر سکتا ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ:

﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (ابراھیم:10)

”کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے، جو آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے؟“

دوسری جگہ فرمایا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ٥﴾ (الروم:30)

”تو آپ ﷺ یک سو ہو کر اپنا رُخ اُس دین کی طرف رکھیں جو توحید کا فطری دین ہے، جس پر اللہ نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا اور اے لوگو! اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کو تبدیل نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ توحید یعنی ایک خدا کا تصور انسان کی فطرت میں شامل ہے۔

2۔ توحید:

توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا اور بے مثل ہے۔ اس کی ذات، صفات اور اختیارات میں کوئی

دوسرا اُس کا شریک نہیں۔

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیائے کرام نے توحید کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

(النحل: 36)

''اور ہم نے ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس دعوت کے ساتھ بھیجا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

قرآن کی سورہ اخلاص میں توحید کا مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ یَلِدْ ۵ وَلَمْ یُوْلَدْ o وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ o﴾ (الاخلاص)

''کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور اُس جیسا کوئی نہیں۔''

3۔ توحید کی عقلی دلیل:

توحید کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ نظامِ کائنات کا تسلسل اور جاری رہنا اور اس میں کبھی بگاڑ پیدا نہ ہونا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی خدا خالق، مدبر اور معبود ہے۔

دن رات کے نظام ہی کو دیکھ لیجیے جو ہمیشہ سے یکساں اور باقاعدہ چلا آ رہا ہے اور اس میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی قادرِ مطلق خدا ہے جو اس کا نظام باقاعدگی اور عمدگی سے چلا رہا ہے۔

قرآنِ مجید میں توحید کی یہ دلیل اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: 22)

''اگر آسمانوں و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔''

4۔ توحید کی اقسام:

توحید کو سمجھنے کے لیے اس کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں:

(1) توحید ربوبیت (2) توحید الوہیت

(3) توحید اسماء وصفات واختیارات

(1) توحید ربوبیت:

توحید ربوبیت یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کو خالق و مالک اور پرورش کرنے والا مانا جائے۔ اُس کے سوا کسی اور خالق و مالک اور رب تسلیم نہ کیا جائے۔ اُسے ہر طرح کا تصرف اور اختیار حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہر انسان کی روح نے اس دنیا میں آنے سے پہلے کر لیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی روحوں کو پیدا کرنے کے بعد اُن سے عہدِ الست لیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۝﴾ (الاعراف:172)

''اور جب آپؐ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور پھر ساری روحوں سے عہد لیا تھا اور انہیں گواہ بنا کر پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، یہ اس لیے کہ تم لوگ قیامت کے دن عذر نہ کرسکو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔''

(2) توحید الوہیت:

توحید الوہیت یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبودِ حقیقی مانا جائے۔ اُسی کی عبادت کے لائق سمجھا جائے۔ صرف اُسی کی عبادت کی جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (البقرۃ:163)

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔''

توحید الوہیت میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ سجدہ صرف اللہ کے لیے جائز ہے، کسی اور کے لیے جائز نہیں۔ عبادت کی ہر شکل اور ہر قسم جیسے دعا، خشوع و خضوع، خشیت، توبہ، استغفار، قربانی اور نذر و نیاز صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص اور جائز ہے۔

(3) توحید اسماء وصفات

توحید اسماء وصفات سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات اور اختیارات میں کسی اور کو شریک نہ کیا جائے۔ وہ اکیلا، یکتا اور بے مثل ہے۔ وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔ اُسی پر توکل کرنا چاہیے۔ استعانت اور مدد اُسی سے مانگنی چاہیے۔ زندگی اور موت کا اختیار بھی اُسی کے پاس ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اُس کا علم ہر شے پر محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات مثبت (Positive) بھی ہیں اور منفی (Negative) بھی ہیں۔ اللہ کی مثبت صفات یہ ہیں کہ وہ خالق ہے، رازق ہے، سننے والا، دیکھنے والا ہے اور قدرت والا ہے۔ اللہ کی منفی صفات یہ ہیں کہ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اس کی کوئی بیوی نہیں، اس کی کوئی اولاد نہیں، وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مثبت اور منفی صفات کے حوالے سے دو قرآنی آیات خاص طور پر پیش نظر رکھنی چاہیے۔

مثبت پہلو کے لحاظ سے یہ آیت:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰه: 5)

''رحمان عرش پر قائم ہے۔''

منفی پہلو کے اعتبار سے یہ آیت:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشورٰی:11)

''اُس (اللہ) کی مثل کوئی شے نہیں ہے۔''

گویا کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ جیسی نہیں۔ اللہ اپنی ذات اور صفات میں کسی مخلوق سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا، وہ بے مثل ہے۔

5۔ توحید کے تقاضے:

توحید کے تقاضے یہ ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے۔ ہر شے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کی جائے۔ کیونکہ اہل ایمان کو ہر چیز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرہ:165)

''اور ایمان والے تو سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔''

یہ بھی توحید کے تقاضوں میں سے ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے دعائیں کی جائیں، اُسی سے توبہ کی جائے، اُسی سے گناہوں کی بخشش اور مغفرت مانگی جائے۔ قربانی، ذبیحہ اور نذر و نیاز اُسی کے نام پر ہو۔ اُسی سے خوف اور خشیت اختیار کی جائے۔ اُسی کی خاطر کسی چیز سے محبت اور کسی چیز سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔

جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ .)) (ابوداؤد، رقم:4681)

”جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی، اللہ ہی کے لیے دشمنی کی، اللہ ہی کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے نہ دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔“

2- فرشتوں پر ایمان

تمہید:

عربی زبان میں فرشتے کو مَلَكٌ کہتے ہیں۔ اس کی جمع مَلَائِكَةٌ (فرشتے) آتی ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانا اسلامی عقیدے کا ایک ضروری حصہ ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ﴾ (البقرہ:285)

”اللہ کا رسول ﷺ اُس چیز پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر نازل ہوئی، اور مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔“

حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے کہ:

((قَالَ فَأَخْبِرْنِىْ عَنِ الْإِيْمَانِ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ، قَالَ صَدَقْتَ......))

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

''اُس (جبریل علیہ السلام) نے پوچھا: مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟ فرمایا: یہ کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر۔ اُس (جبریل علیہ السلام) نے کہا: آپ ﷺ نے سچ فرمایا......''

1۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک طاقتور، معصوم اور غیبی مخلوق ہے جو نور سے پیدا ہوئی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ:

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةِ مِنْ نُوْرٍ، وَخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ نَارٍ، وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))

''فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ کے شعلے سے اور انسانوں کو تم جانتے ہی ہو (کھنکھناتی بجتی مٹی سے پیدا کیا گیا)۔''

2۔ فرشتے انسانوں سے پہلے پیدا کیے گئے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (الحجر:28)

''اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ ''میں خمیر اُٹھے ہوئے گارے کی سوکھی مٹی سے ایک بشر (انسان) پیدا کرنے والا ہوں۔''

ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ فرشتے انسانوں کی تخلیق سے پہلے موجود تھے۔

فرشتوں کے کام:

فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔ اُن کی مختلف ذمہ داریاں ہیں۔ کوئی وحی لانے والا ہے۔ کوئی روزی پہنچانے والا، کوئی موت یعنی روح قبض کرنے والا اور کوئی صور پھونکنے والا ہے۔ کچھ فرشتے پہاڑوں پر مقرر ہیں، کچھ ہواؤں پر، کچھ بارش پر، کچھ انسانوں پر اور کچھ جنت و دوزخ پر۔ اس طرح بعض فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔

چار مقرب فرشتے:

مقرب فرشتے چار ہیں۔ جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل علیہم السلام۔ ان کے ماتحت بے شمار فرشتے کام کرتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کو 'الروح القدس' اور 'الروح الامین' بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا کام رسولوں اور نبیوں تک اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانا ہے۔

میکائیل علیہ السلام کے ذمے بارش برسانا اور روزی پہنچانا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام دونوں فرشتوں کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ عزرائیل علیہ السلام کا کام روح قبض کرنا ہے۔ یہ ملک الموت موت کا فرشتہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾ (السجدہ: 11)

''کہہ دیجیے، جو ملک الموت موت کا فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے، وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اسرافیل علیہ السلام کے ذمے صور پھونکنا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین مرتبہ صور پھونکیں گے۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکیں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ دوسری دفعہ صور پھونکیں گے تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور تیسری دفعہ صور پھونکنے سے سب لوگ حشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے پھر وہاں اُن کا حساب کتاب ہوگا۔

فرشتوں پر ایمان لانے میں حکمت:

فرشتوں پر ایمان لانے میں بہت سی حکمتیں اور فائدے ہیں:

1۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی، جو کہ شہنشاہِ کائنات ہے، عظمت و بزرگی کا احساس ہوتا ہے کہ اتنی طاقتور نورانی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے بے بس اور عاجز ہے، اس کے ہر حکم کے آگے جھکی ہوئی ہے اور اُس کی تابع فرمان ہے۔

2۔ اس سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا تصور اُبھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت پر فرشتوں کو مامور کر رکھا ہے۔

3۔ فرشتوں پر ایمان لانے میں ایک حکمت اور فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر انسان کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اُس کا ہر فعل ریکارڈ ہو رہا ہے تو وہ گناہوں سے بچنے اور زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

4۔ فرشتوں پر ایمان لانے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب اتنی بڑی طاقت ور اور نورانی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہے تو کمزور اور خاکی انسان کو چاہیے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کرے۔

3- کتابوں پر ایمان

کتابوں پر ایمان لانا بھی ایمان کا ایک لازمی حصہ ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖo﴾ (البقرہ:285)

''اللہ کا رسول ﷺ اُس چیز پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر نازل ہوئی اور مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر۔''

کتابوں سے مراد وہ الہامی یا آسمانی کتابیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے رسولوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل فرمائیں۔ یہ سب اللہ کا کلام تھا جو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی مخلوق کے لیے رحمت اور محبت کا اِظہار ہے۔

1- الہامی کتب پر ایمان لانے سے مراد:

الہامی یا آسمانی کتب پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں جو کتابیں اور صحیفے اپنے رسولوں پر نازل فرمائے، اُن پر یقین رکھا جائے، زبان سے ان کا اقرار کیا جائے اور دل سے اُن کی تصدیق کی جائے۔ کیونکہ ان الہامی کتب پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔

لیکن سابقہ تمام الہامی کتابیں قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوچکی ہیں۔ ان پر ہمارا ایمان صرف اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنے اپنے دور میں معتبر اور مستند ہدایت تھیں اور اب ان کی یہ حیثیت باقی نہیں رہی۔ اہل کتاب نے خود اپنی ان کتابوں میں تحریف کردی اور ان میں ردّ و بدل کر ڈالا۔ اس لیے آج ہم پہلی موجودہ الہامی کتب کی باتوں پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ اب ان سب کتابوں کا ناسخ اور نگہبان قرآن مجید موجود ہے۔ اب ہم صرف قرآن مجید کی تمام تعلیمات کو مانتے ہیں اور صرف اسی پر عمل کرنے کے مکلّف اور پابند ہیں۔ کسی اور الہامی کتاب کی باتوں پر یقین کرنے اور اُس پر عمل کرنے کے مکلّف اور پابند نہیں ہیں۔

قرآن مجید میں درج ذیل الہامی کتب کا ذکر آیا ہے:

توریت، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ ان کے علاوہ کچھ صحیفوں کا ذکر بھی قرآن میں ملتا ہے۔

4- رسولوں پر ایمان

نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ﴾ (البقرہ:285)

''اللہ کا رسول ﷺ اُس چیز پر ایمان لایا جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر نازل ہوئی، اور مسلمان بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔''

1- عقیدۂ نبوت و رسالت:

عقیدۂ نبوت و رسالت ایمان کے بنیادی اُمور میں سے ہے۔ انبیاء ورُسل پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر اللہ کے بندے اور معصوم انسان تھے۔ وہ مختلف زمانے میں اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہے۔

نبوت و رسالت انسانیت کا سب سے اعلیٰ اور بلند ترین درجہ ہے جو کسی محبت اور کوشش کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ مقام و مرتبہ سراسر وہبی ہوتا ہے اور جو صرف محض اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ملتا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرماتا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ اور قرآن مجید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ﷺ جس بات کا حکم دیں اس پر عمل کرنا چاہیے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جانا چاہیے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ حضور ﷺ کے ہر فیصلے کی پابندی سب پر واجب ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت

نہ کرنے سے لوگوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہے یا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ جو عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خالی ہو وہ بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا معیار بھی اطاعت رسول ﷺ ہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی شخص کو اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: 7)

''رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دے، لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ''

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: 80)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾

(محمد: 33)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان (دونوں کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

قرآن مجید کی طرح احادیث سے بھی اطاعت رسول ﷺ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے احکامات کی ہمیشہ پیروی کی۔

(3) آپ ﷺ سے محبت کرنا:

رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی ایمان کا حصہ ہے۔

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)) (بخاری و مسلم عن انس رضی اللہ عنہ)

''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُس کے لیے اُس کے ماں باپ، اُس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

(4) آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا:

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی ﷺ پر درود اور سلام بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (الاحزاب:56)

''بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت اور درود بھیجتے ہیں۔ لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔''

صحیح حدیث میں ہے کہ:

''جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اُس پر دس بار رحمت و سلام بھیجتا ہے۔'' (صحیح مسلم، ابوداؤد)

(5) آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادب کرنا:

ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی تعظیم و توقیر کرے اور آپ ﷺ کا ادب ملحوظ رکھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ....﴾ (الفتح:9)

''تاکہ تم اللہ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اور اُس کی مدد کرو اور اُس کی تعظیم کرو۔''

5- آخرت پر ایمان

آخرت کے دن پر ایمان لانا بھی ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ عقیدۂ آخرت سے مراد یہ ہے کہ یہ دنیا ایک دن فنا ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دوبارہ زندہ کرکے ان سے حساب لے گا اور پھر نیک لوگوں کو جنت عطا کرے گا اور برے لوگوں کو دوزخ میں عذاب دے گا۔

قرآن مجید میں ہے کہ نیکی اور دینداری یہ ہے کہ دوسرے امور کے ساتھ ساتھ آخرت کے دن پر بھی ایمان لایا جائے۔

﴿وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ (البقرہ:177)

''اور نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر اور نبیوں پر۔''

1- قبر کی زندگی یا عالم برزخ:

برزخ کے لفظی معنی 'پردے' کے ہیں لیکن اس سے مراد مرنے کے بعد قبر کی زندگی ہے جو دراصل دنیا اور آخرت کے درمیان ایک عالم برزخ ہے۔ قبر کی زندگی آخرت کی پہلی منزل ہے۔ جو اس مرحلے میں کامیاب ہوگیا وہ آخرت کے باقی مرحلوں میں بھی کامیاب رہے گا۔

حدیث نبوی ہے کہ:

''قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا پھر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔''

قبر کا عذاب برحق ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، قبر کا عذاب حقیقت ہے۔

6- تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے۔ تقدیر سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ قواعد وضوابط ہیں جو اُس نے کائنات کی ہر چیز کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ یہی وہ تدابیر الٰہی ہے جس کے مطابق دنیا کا سارا نظام چل رہا ہے۔

تقدیر کو اپنی بے عملی اور بدعملی کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے۔ آخرت میں حساب کتاب صرف اُن باتوں کے بارے میں ہوگا جو انسان کے اختیار میں ہیں جو اس کے اختیار میں نہیں، اُن کا حساب بھی نہیں ہوگا۔ ایک تقدیر اٹل ہوتی ہے اور دوسری توبہ، دعا یا صدقے سے ٹل جاتی ہے۔

(تقدیر کے بارے میں مفصل مضمون کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 60 کی تشریح)

ایمان کی حقیقت اور اُس کے اثرات

دنیا میں انسان کے لیے ایمان سب سے بڑی نعمت ہے جو کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

1۔ ایمان کی حقیقت:

ایمان اسلامی عقیدے کی بنیاد ہے۔ لغت میں ایمان کی یہ تعریف کی گئی ہے:

((اَلْاِيْمَانُ هُوَ التَّصْدِيْقُ الَّذِيْ مَعَهٗ اَمْنٌ .))

(امام راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص:26)

''ایمان اُس تصدیق کا نام ہے جس میں امن واطمینان پایا جاتا ہو۔''

ایمان کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

((اَلْاِیْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ .))

''ایمان زبان کے اقرار اور دل سے اُس کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔''

بعض علماء نے مذکورہ تعریف میں وَعَمَلٌ بِالْجَوَارِحِ کا اضافہ کیا ہے۔ان کے نزدیک اعضاء و جوارح سے اس پر عمل کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

2۔ایمان میں کمی بیشی:

یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان کی حالت اور کیفیت میں حالات و واقعات کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

﴿وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا﴾ (الانفال: 2)

''اور جب اللہ کی آیتیں اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہے۔''

لیکن یادرہے کہ اگرچہ ایمان کی کیفیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے لیکن نفس ایمان موجود رہتا ہے اور فقہی اور قانونی طور پر ہر شخص کو اُس وقت تک مسلمان ہی سمجھا جائے گا اور اُسے ایک مسلمان شہری کے تمام حقوق حاصل رہیں گے جب تک وہ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد نہ ہو جائے۔ کیونکہ کوئی شخص آدھا یا چند فی صد مسلمان نہیں ہوتا ہے۔یا تو وہ مسلمان ہوتا ہے یا پھر غیر مسلم ہوتا ہے۔

کسی مسلمان سے جب کوئی کبیرہ گناہ ہو جاتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ کافر نہیں ہو جاتا بلکہ وہ گناہ گار مسلمان ہوتا ہے جسے فقہ کی اصطلاح میں فاسق و فاجر کہتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ صرف اُس چیز کے انکار سے کوئی شخص ایمان سے خارج ہوتا ہے جس چیز کے اقرار سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا۔گویا ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہوتا ہے۔یادرہے کہ کسی مسلمان کو یقینی طور پر جنتی یا دوزخی نہیں کہا جا سکتا۔گناہ گار مسلمان اپنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔جب کہ کافر اور مشرک کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے۔

ایمان کے اثرات:

جب کوئی شخص شعوری طور پر ایمان قبول کر لیتا ہے تو اُس کی شخصیت میں انقلاب آ جاتا ہے اور وہ پہلے

سے ایک مختلف اور نیا انسان بن جاتا ہے۔ وہ پہلے کافر یا مشرک تھا اب مومن اور موحد ہے۔ وہ پہلے شک اور وہم و گمان کی دنیا میں رہتا تھا، اب یقین اور خود اعتمادی کی فضا میں جیتا ہے۔ وہ پہلے دنیا کی ہر طاقت کے آگے جھکتا تھا، اب صرف اللہ کے آگے جھکتا ہے۔ وہ پہلے اسی دنیا کو اپنی سب سے بڑی متاع سمجھتا تھا لیکن اب اس کی نظر میں آخرت بہتر اور قابل ترجیح قرار پاتی ہے۔ اب وہ اچھے اخلاق کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایمان لانے سے ایک انسان پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اثرات میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1)......ایمان جرأت و بہادری سکھاتا ہے۔

(2)......ایمان سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔

(3)......ایمان مایوسی کو ختم کرتا ہے۔

(4)......ایمان سے عالمگیر اخوت پیدا ہوتی ہے۔

(5)......ایمان آدمی کو صابر و شاکر بنا دیتا ہے۔

3۔ احسان:

احسان کا مفہوم یہ ہے کہ نماز سمیت اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت و اطاعت اس حالت میں کی جائے گویا ہم اُس عظیم خالق ہستی کو دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے عاجزی سے کھڑا رہتا ہے۔ لیکن اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو کم سے کم یہ احساس تو ضرور ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری ایک ایک نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا ہے۔

4۔ قیامت کا علم:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں کئی مقامات پر بیان ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ (لقمان: 34)

''بے شک اللہ ہی کو قیامت کے بارے میں علم ہے''۔

5۔ قیامت کی نشانیاں:

اس حدیث میں قیامت کی کئی نشانیوں میں سے صرف دو کا ذکر آیا ہے۔

''ایک نشانی یہ کہ لونڈی اپنی مالکہ یا آقا کو جنے گی''۔اس کے کئی مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک زیادہ بہتر مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے قریب والدین کی نافرمانی عام ہوجائے گی۔ یہاں تک کہ عام حالات میں اطاعت شعار بیٹیاں بھی اُس وقت اپنی ماؤں کے مقابلے میں نہ صرف نافرمان ہوجائیں گی بلکہ اُن پر اپنا حکم چلائیں گی۔

قیامت کی دوسری نشانی یہ بتائی گئی کہ بھوکے ننگے، بکریاں چرانے والے لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اُونچی اُونچی عمارتیں بنوائیں گے۔

قیامت کی یہ نشانی اور نبی کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی اب پوری ہوچکی ہے۔آج تیل کی آمدنی کے باعث متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کے شہروں میں آسمان سے باتیں کرتی عمارات بنائی گئی ہیں اور یہ وہی علاقے ہیں جہاں اس سے قبل بھوکے ننگے لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرا کر گزارہ کرتے تھے۔

4 جنوری 2010ء کو دبئی (متحدہ عرب امارات) میں دنیا کی بلند ترین عمارت 'بُرج الخلیفہ' کا افتتاح کیا گیا۔ اس موقع پر زبردست آتش بازی کا مظاہرہ ہوا۔ اس عمارت کی 160 منزلیں ہیں جن میں دفاتر، ریستوران، سوئمنگ پول اور فلیٹس بنائے گئے ہیں۔اس کی بلندی 828 میٹر (قریباً 2717 فٹ) ہے۔ یہ 95 میل دور سے نظر آتی ہے۔ ایمپائر سٹیٹ بلڈنگ سے یہ دگنی اونچی ہے۔دوسرے نمبر پر آنے والی تائیوان کی بلند ترین بلڈنگ 'تیپائی' 508 میٹر بلند ہے۔

یاد رہے کہ حدیث جبرئیل علیہ السلام کا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری زمانے کا ہے۔

اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر کسی صاحبِ علم بزرگ سے ملاقات میسر آجائے تو اُس سے سوال و جواب کے ذریعے دین کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس سے بعض اوقات وہاں موجود دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

دوسرے اس حدیث میں یہ نصیحت بھی پوشیدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے بارے میں صحیح علم نہ ہو تو صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے۔لیکن اگر کوئی شخص بغیر علم کے غلط جواب دیدے گا تو گناہ گار ہوگا۔ بڑے بڑے صاحبانِ علم وفضل کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے کہ جو بات اُن کو معلوم نہ ہوتی اس کو وہ برملا اظہار کرتے اور اپنی لاعلمی پر پردہ نہیں ڈالتے تھے۔

4۔اسلام کے بنیادی ارکان

4......((وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم:3 صحیح بخاری رقم:8 ؛ صحیح مسلم، رقم: 113
ترمذی، رقم:2609 نسائی رقم:5051 اللؤلؤ والمرجان، رقم:9

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا۔''

اس حدیث میں اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہو۔

یہی اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں جن کو'ارکانِ خمسہ' بھی کہا جاتا ہے۔ان کے قیام پر اسلام کا قیام منحصر ہے۔لہٰذا ان فرائض کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر ان کو ادا کرنا بہت ضروری ہے اور ان کے بارے میں کوئی کوتاہی یا غفلت جائز نہیں۔

اسلام کی اس عمارت کے پانچ ستونوں میں سے اگر کوئی ایک ستون بھی گر جائے تو اس سے اسلام کی پوری عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ اسلام میں صرف یہی پانچ فرائض نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی فرائض ہیں جیسے جہاد فی سبیل اللہ، والدین کی خدمت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (جس میں دعوت وتبلیغ شامل ہیں) وغیرہ۔لیکن جو حیثیت اسلام میں ان پانچوں کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ یہ مستقل اور دائمی فرائض ہیں جو عبادات سے متعلق ہیں اور یہ مقصودِ اصلی ہیں۔ باقی تمام فرائض عام طور پر نہ تو دائمی ہیں اور نہ مقصود بالذات۔

بعض احادیث میں ان پانچوں کی پابندی پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

دین اسلام کا مختصر تعارف:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہی سچا دین قرار دیا۔ اُس کے مکمل ہونے کی خوشخبری دی اور اس کے سوا ہر دین کو نامنظور فرمایا۔

1. ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًاؕ﴾ [المائدہ:3]

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔''

2. ﴿اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟﴾ [آل عمران:19]

''بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی (سچا) دین ہے۔''

3. ﴿وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ ۚ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ۟﴾ [آل عمران:85]

''اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے دین کو ہرگز قبول نہ کرے گا اور وہ شخص آخرت میں گھاٹے میں رہے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ سچا دین صرف اسلام ہے اور یہی ذریعۂ نجات ہے۔ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ بندوں کے لیے اللہ کی طرف سے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں احکام وتعلیمات دیتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی اسلام ہی کی پیروی میں مضمر ہے۔

اسلام ایمانیات، عبادات، معاملات اور اخلاقیات پر مبنی ہے۔ ایمانیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ ایک ہے سب کا خالق ہے، عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ وہی رازق، مالک، حاکم اور بادشاہ حقیقی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ نہ کسی کا باپ اور نہ کسی کا بیٹا ہے۔

اسلام کی عبادات میں سب سے پہلے نماز ہے جو دن رات میں پانچ مرتبہ پڑھنی فرض ہے۔ اس کے بعد زکوٰۃ مالی عبادت ہے جو صاحب نصاب پر سالانہ فرض ہے۔ پھر روزہ بدنی عبادت ہے جو ہر سال رمضان المبارک کے فرض روزے رکھنے کا نام ہے۔ عمر میں ایک بار بیت اللہ شریف کا حج کرنا بھی صاحب استطاعت

پر فرض ہے۔

اس طرح دین اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے جو انسان کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کو اپنانے سے ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں امن و امان ہوتا ہے، عدل و انصاف کا دور دورہ ہوتا ہے۔ ہر کسی کو اُس کا حق ملتا ہے۔ آپس میں بھائی چارہ قائم ہوتا ہے۔ اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ باہمی اعتماد اور الفت پیدا ہوتی ہے۔

5-ایک اعرابی (دیہاتی) کے لیے جنت کی خوش خبری

5......((وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ اَتَی اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ: ((تَعْبُدُ اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئاً، وَتُقِیْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوْبَةَ، وَتُؤَدِّی الزَّكَاةَ الْمَفْرُوْضَةَ، وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ)) قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا اَزِیْدُ عَلٰی هٰذَا شَیْئاً وَ لَا اَنْقُصُ مِنْهُ۔ فَلَمَّا وَلّٰی، قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی هٰذَا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم:14	صحیح بخاری، رقم:1397
صحیح مسلم، رقم:107	اللؤلؤ والمرجان، رقم:8

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، فرض نماز ادا کرو، فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

وہ شخص بولا: اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان میں کوئی کمی بیشی نہ کروں گا۔ جب وہ روانہ ہونے لگا تو نبی ﷺ نے فرمایا:

جسے یہ پسند ہو کہ وہ کسی جنتی شخص کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے''۔

تشریح:

اس حدیث میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

1: وہ اعرابی (دیہاتی) جس نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا وہ مسلمان تھا۔

2: اگرچہ اس حدیث میں صرف چار چیزوں کا ذکر ہے۔ توحید کا اقرار، فرض نمازوں کی پابندی، زکوۃ کی ادائیگی اور رمضان کے روزے رکھنا، اور انہی چار اعمال پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین اسلام کے دوسرے فرائض چھوڑ دیے جائیں۔

3: اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے اُس وقت تک ابھی حج فرض نہ ہوا ہو۔

4: انبیائے کرام علیہم السلام معلم اور مربی ہوتے ہیں مصنف اور منطقی نہیں ہوتے۔ وہ بعض اوقات چند چیزیں بیان کر کے ان سے تمام چیزیں مراد لیتے ہیں۔ اس حدیث میں جن کاموں پر جنت کی بشارت دی گئی ہے اُن کے علاوہ بھی ایک مسلمان کے لیے دین اسلام کے احکام ہیں جن کی پابندی جنت میں داخلے کے لیے ضروری ہے۔

6۔ دین خیر خواہی کا نام ہے

6..... ((وَعَنْ تَمِيْمِ نِ الدَّارِيِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلٰثًا . قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم 4966 صحیح مسلم ، رقم:196 ابوداؤد ، رقم:4944
ترمذی ، رقم:1926 نسائی ، 4199

''حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تین بار فرمایا''دین خیر خواہی کا نام ہے'' ہم نے عرض کیا: کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا''اللہ کے لیے، اُس کی کتاب کے لیے، اُس کے رسول ﷺ کے لیے، مسلمان حکمرانوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔''

تشریح:

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جو حضرت محمد ﷺ کو عطاء فرمائے گئے۔ یہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مضمون بیان کرنے کی خوبی اور خصوصیت ہے جو نبوی فصاحت و بلاغت کا امتیاز ہے۔ صرف دو لفظوں میں پورے دین کی تعلیم کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس ایک حدیث کے اندر دین کے تمام مقاصد جمع ہیں۔

اس حدیث میں ''نصیحت'' کا لفظ آیا ہے جو اُن محدود معنوں میں نہیں ہے جس طرح اُردو زبان میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اُردو زبان میں نصیحت کے معنی اچھی بات سمجھانے ، یا اچھا مشورہ دینے ، کے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں نصیحت کا لفظ بہت جامع ہے اور اس کے مفہوم میں ، دوسروں کا بھلا چاہنا، اُن کی خیر خواہی کرنا، درد و محبت سے ہدایت دینا اور مخلص و وفادار ہونا، سب شامل ہیں۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ ''دین خیر خواہی کا نام ہے'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ کس کی خیر خواہی مقصود ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خیر خواہی اللہ کے ساتھ ہے ، اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہے ، مسلمان حکمرانوں کے ساتھ ہے اور عام لوگوں کے ساتھ ہے۔

اب ان کی تفصیل :

1: اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اُسی کی عبادت کی جائے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنایا جائے اور اس کے احکام کی پیروی کی جائے۔

2: کتاب کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سمیت تمام الہامی کتابوں پر ایمان لایا جائے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اُسے سمجھا جائے، اُس پر عمل کیا جائے اور اُس کی دعوت اور پیغام کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔

3: اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ دوسرے انبیاء سمیت آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے۔ آپ ﷺ کا احترام کیا جائے۔ آپ ﷺ سے محبت کی جائے اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی جائے۔

4: مسلم حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ معروف اور جائز کاموں میں اُن سے تعاون کیا جائے اور اُن کی اطاعت کی جائے۔ اُن سے نیک گمان رکھا جائے، اُن کی غلطیوں کی اصلاح کی جائے اور اُن کو اچھے مشورے دیے جائیں۔

5: عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اُن کو فائدہ پہنچایا جائے، اُن کو نقصان سے بچایا جائے۔ اُن کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے، اُن سے متعلق حقوق ادا کیے جائیں اور نیک کاموں میں اُن سے تعاون کیا جائے۔

اس تفصیل کے بعد ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ مذکورہ حدیث پورے دین کی کس قدر جامع ہے اور اس میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اسی مضمون سے ملتی جلتی ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضي الله عنه قَالَ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.))

صحیح بخاری، رقم:524 صحیح مسلم، رقم 199 نسائی، رقم:4180

"حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔

7۔ ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے

7......وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ، فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْیُنَصِّرَانِهٖ اَوْیُمَجِّسَانِهٖ ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَآءَ۔ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا مِنْ جَدْعَآءَ ؟ ثُمَّ یَقُوْلُ: ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ .))

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم:90 — صحیح بخاری ، رقم:6599,1385,1358
صحیح مسلم ، رقم:6758,6760,6755 — اللؤلؤوالمرجان ، رقم :1702

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسے ایک جانور بالکل صحیح وسالم جانور کو جنم دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کان کٹا جانور پیدا ہوتے دیکھا ہے؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ﴾

(الروم:30)

''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اس فطرت کو تبدیل نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے''

تشریح:

اس حدیث میں مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے ہر جانور کے پیٹ سے صحیح وسالم بچہ پیدا ہوتا ہے اور یہ اس کی فطرتِ سلیمہ ہے لیکن بعد میں جب اُس کے کان کاٹ دیے جاتے ہیں تو اس سے فطرت میں تبدیلی آجاتی ہے۔

بالکل اسی طرح کوئی انسان پیدائشی طور پر کافر، مشرک یا دہریہ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ایسی خالص فطرت لے کر آتا ہے جو صرف توحید کو جانتی، ایک ہی خالق ومعبود کو مانتی اور اسلامی تعلیمات سے مانوس ہوتی ہے۔ اگر

ماحول نے اُس کی فطرت میں بگاڑ پیدا نہ کیا ہو تو وہ دین اسلام کو ایسے قبول کرے گا جیسے پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔ وہ اسلام کی دعوت کو اپنے دل کی آواز سمجھے گا۔ گویا ؎

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

لیکن یاد رہے کہ انسان کے فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب اُسے دین اسلام بھی خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ نہیں، بلکہ دین اسلام کی ہدایت کے حصول کے لیے انبیائے کرام کا واسطہ ضروری ہے۔ اِس واسطے کے بغیر کوئی شخص نہ تو دین اسلام کا علم حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہدایت و رہنمائی پا سکتا ہے۔ ورنہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔

ابتداء ہی میں تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کا اعلان ہوا تھا کہ پیغمبرانہ ہدایت و رہنمائی کے بغیر منزلِ مقصود تک پہنچنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾

(البقرہ :38)

”پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے، اُنہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہونے کے باوجود ہر انسان نبیوں کی لائی ہوئی ہدایت کا محتاج ہے۔

8۔ دین کی سمجھ بوجھ

8......وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم:200 صحیح بخاری ، رقم 71 صحیح مسلم ، رقم 2389
دارمی ، رقم 224 ترمذی ، رقم 2645 ابن ماجه ، رقم:200
اللؤلؤوالمرجان ، رقم:615

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بہتری اور بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین میں تَفَقُّہ یعنی اُس کی سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔ میں تو (علم) تقسیم کرنے والا ہوں جب کہ (فہم) اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ تَفَقُّہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے اُسے گویا سب سے بڑی بھلائی اور نعمت مل جاتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ قرآن وسنت کے صحیح علم کا حاصل ہوجانا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے جو کسی شخص پر کیا جاتا ہے۔

آج مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اُن میں تفقہ فی الدین یعنی دین کی صحیح سمجھ بوجھ نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن کے عقیدے بگڑ چکے ہیں۔ اُن کی عبادت بے روح ہے، وہ توہم پرستی کا شکار ہیں، باہم نااتفاقی ہے، بدنظمی ہے، فرقہ پرستی ہے، تنگ نظری ہے، بداخلاقی ہے، منافقت ہے، بدمعاملگی ہے، قبر پرستی اور پیر پرستی ہے، بے دینی، مغرب زدگی اور اغیار کی غلامی ہے۔ حالت یہ ہے کہ ان کو اسلام اور غیر اسلام کا بلکہ اپنے دوست اور دشمن کا فرق بھی معلوم نہیں رہا۔

قرآن وسنت کا صحیح علم انسان کے ایمان کو مضبوط بناتا، اُسے عملی طور پر سچا مسلمان بناتا اور اعلیٰ اخلاق وکردار کا نمونہ بناتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کا پسندیدہ اور محبوب بندہ بن جاتا ہے اور جنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ نبی ﷺ کا کام علم کی حقیقت بتانا ہے لیکن علم کی صحیح سمجھ بوجھ عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نبی ﷺ کا کام لوگوں تک اللہ کا دین پہنچانا ہے آگے ایمان کی توفیق دینا اور دین کی سمجھ عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

بعض لوگ تفقہ فی الدین سے صرف فقہ کا علم مراد لیتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ علم فقہ کی اصطلاح حضور ﷺ کے زمانے میں رائج نہ تھی یہ بعد میں بنائی گئی ہے۔ دوسرے علم فقہ کا تعلق صرف قرآن وسنت کے عملی احکام سے ہے۔ عقائد واخلاق اس میں شامل نہیں جب کہ تفقہ فی الدین کا تعلق پورے دین اور اُس کے تمام عقائد واعمال کے فہم اور سمجھ بوجھ سے ہے۔

کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اس حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے یہ مشرکانہ عقیدہ بھی برآمد کرتے ہیں کہ لوگوں کو جو روزی ملتی ہے وہ پیدا تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے، رازق وہی ہے مگر اس رزق کو نبی ﷺ لوگوں میں بانٹتے ہیں، کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دیتے ہیں اور آپ ﷺ کے وسیلے کے بغیر نہ تو اللہ کی کوئی نعمت کسی انسان کو مل سکتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے وسیلے کے بغیر مانگی گئی کسی دعا کو قبول کرتا ہے کیونکہ دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے مگر اُس کی تقسیم کا کام نبی ﷺ کے سپرد ہے۔

9۔اسلام اور اعتدال پسندی

9......وَعَنْ اَنَسٍ ﷛ قَالَ: جَآءَ ثَلَاثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ ((یَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْابِھَا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا؛ فَقَالُوْا: اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ؟! فَقَالَ اَحَدُھُمْ: اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا، وَقَالَ الْاٰخَرُ: اَنَا اَصُوْمُ النَّھَارَ اَبَدًا، وَّلَا اُفْطِرُ۔ وَقَالَ الْاٰخَرُ: اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا، فَجَآءَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَیْھِمْ فَقَالَ: اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا؟! اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ، وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ، لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ، وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ، وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم:145 صحیح بخاری ، رقم 5063

صحیح مسلم ، رقم :3403 اللؤلؤوالمرجان، رقم:885۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس تین آدمی آئے تاکہ آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق معلوم کرسکیں۔ جب اُن کو اس بارے میں بتایا گیا تو اُن کو یہ کچھ کم لگی۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم کہاں اور نبی ﷺ کہاں؟ اُن کی تو اللہ تعالیٰ نے ساری اگلی پچھلی خطائیں معاف کردی ہیں۔

پھر اُن میں سے ایک بولا: میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں دن کو ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔

اس کے بعد نبی ﷺ ان کے پاس باہر تشریف لائے تو فرمایا:

تم لوگوں نے ابھی یہ باتیں کی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں۔ لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں۔ میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ تم میں سے جو میری سنت سے منہ موڑے گا وہ میرا ساتھی نہیں ہے۔''

تشریح:

اسلام ایک معتدل اور متوازن دین ہے اور اس میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔ وہ انتہا پسندی (Extremism) کے خلاف ہے اور اُس کی تمام تعلیمات اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں۔

مال خرچ کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ میانہ روی اور کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں:

1۔ ﴿وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَنفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝﴾ [الفرقان: 67]

''اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ کفایت شعاری اختیار کرتے ہیں۔''

سورۂ لقمان میں ہے کہ نہ زیادہ تیز چلو اور بالکل آہستہ بلکہ درمیانی چال چلو:

2۔ ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ [لقمان: 19]

''اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔''

اب اعتدال پسندی کے حوالے سے دو احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1۔ ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، صُمْ وَأَفْطِرْ، وَقُمْ وَنَمْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا. لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ. صَوْمُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ. صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَاقْرَءِ الْقُرْآنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ. قُلْتُ إِنِّيْ أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ. قَالَ: صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ: صِيَامُ يَوْمٍ، وَإِفْطَارُ يَوْمٍ. وَاقْرَءْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً، وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ.)) [بخاری ومسلم]

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! کیا مجھے بتایا نہیں گیا ہے کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کر۔ روزے رکھ اور افطار کر۔ قیام کر اور نیند بھی کر،

کیونکہ تجھ پر تیرے جسم کا بھی حق ہے، تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی کا تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اس شخص کا کوئی روزہ نہیں جس نے ہمیشہ روزے رکھے۔ ہر مہینے میں تین دن کے روزے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔ ہر ماہ تین روزے رکھ۔ ہر مہینے (ایک بار) قرآن کی تلاوت ختم کر۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم افضل روزہ رکھو۔ وہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، ایک دن روزہ، ایک دن ناغہ اور سات راتوں میں ایک بار قرآن کی تلاوت ختم کر اور اس پر اضافہ نہ کر۔''

مذکورہ بالا حدیث میں اعتدال پسندی کی تعلیم دی گئی ہے اور انتہا پسندی سے روکا گیا ہے۔

اب اسی سلسلے کی دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ ، فَسَأَلَ عَنْهُ . فَقَالُوا: أَبُوْ إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُوْمَ ، وَلَا يَقْعُدَ ، وَلَا يَسْتَظِلَّ ، وَلَا يَتَكَلَّمَ ، وَيَصُوْمُ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ .))

[صحيح بخاری، كتاب الايمان والنذور، حديث نمبر: 6704]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو لوگوں نے کہا: یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں، نہ سائے میں آئے گا۔ نہ کسی سے بات کرے گا، نہ کھائے پیے گا، بلکہ روزہ رکھے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کہو کہ یہ بات بھی کرے، سائے میں بھی بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرلے۔''

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے۔ اس میں انتہا پسندی نہیں۔ اس میں توازن ہے۔ کوئی افراط و تفریط نہیں۔

باب 3......توحید

10- صرف اللہ کو معبود جاننے والا جنت میں جائے گا

10......وَعَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)).

مشکوۃ المصابیح، رقم:37 صحیح مسلم، رقم:136

مسند احمد، رقم 464 کنز العمال 123، 216، 217

''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس حالت میں موت آئی جب کہ اُسے یقینی علم تھا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں تو وہ جنت میں جائے گا۔''

تشریح:

اسی مضمون سے ملتی جلتی چند اور احادیث بھی ہیں جیسے:

1: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ.))

[صحیح مسلم، رقم:142- ترمذی، رقم:2638]

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: جو شخص یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ اُس پر دوزخ حرام کردے گا۔''

2: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ.))

صحیح بخاری، رقم:5827 صحیح مسلم، رقم 273

''جس بندے نے یہ اقرار کیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر وہ اسی عقیدے پر فوت ہوگیا، تو

وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

3: ((وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى حِمَارٍ ، لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤَخِّرَةُ الرَّحْلِ ، فَقَالَ:يَا مُعَاذُ! هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ؟ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ:فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا . فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُبَشِّرُبِهِ النَّاسَ؟ قَالَ: ((لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا .))

صحیح بخاری، رقم :2856 صحیح مسلم، رقم:144 مشکوٰۃ المصابیح، رقم:24

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف کجاوے کا پچھلا حصہ یعنی پالان کی ایک لکڑی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اُسی کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو عذاب نہ دے جو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو۔ میں نے عرض کیا: کیا میں لوگوں کو اس کی خوش خبری نہ دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُنہیں خوش خبری نہ دو ورنہ وہ اسی بات پر بھروسا کرلیں گے۔"

4: وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِيْفُهٗ عَلَى الرَّحْلِ ، قَالَ: ((يَا مُعَاذُ!)) قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ۔ قَالَ: ((يَا مَعَاذُ!)) قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، وَسَعْدَيْكَ۔ قَالَ: ((يَامَعَاذُ!)) قَالَ: لَبَّيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، ۔ ثَلَاثًا۔ قَالَ: قَالَ: ((مَا مِنْ اَحَدٍ يَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ)) قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: ((اِذًا يَّتَّكِلُوْا)) فَاَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا .

صحیح بخاری ، رقم:128 صحیح مسلم، رقم:148 مشکوۃ المصابیح، رقم:25

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سواری پر تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: معاذ! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: معاذ! انہوں نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: معاذ! انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں۔ تین دفعہ ایسے ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ اُس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں اس کے متعلق لوگوں کو بتادوں تاکہ وہ خوش ہوجائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو وہ اسی پر بھروسا کر کے بیٹھ جائیں گے۔''

پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے (تبلیغ نہ کرنے) گناہ سے بچنے کی خاطر اس حدیث کو اپنی موت کے وقت کے قریب لوگوں کے سامنے بیان کیا۔''

(گویا حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ عام لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ محض زبانی کلمہ شہادت پڑھ لینے سے نجات لازم ہوجاتی ہے)

ان تمام احادیث (اور ان جیسی دوسری احادیث) میں توحید و رسالت کی گواہی پر یا توحید اختیار کرنے اور شرک چھوڑنے پر جو جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ دراصل تعبیر ہے پورے اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کی، فرائض ادا کرنے کی اور حرام چیزوں سے بچنے کی۔ پھر اگر کوئی گناہ بھی ہوگیا تو کفارے یا توبہ سے اس کی معافی ہوسکے گی اور وہ شخص دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

ایسی احادیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے آخرت میں نجات ہوجائے گی خواہ ساری زندگی فسق و فجور اور اللہ کی نافرمانی میں گزاری ہو۔

البتہ اس میں ایک صورت مستثنیٰ ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اسلام قبول کرے اور اُس کے بعد وہ جلد فوت ہوجائے۔ اُسے نیک اعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملے تو ایسا شخص یقیناً جنتی ہے۔ کیونکہ اسلام لانے سے اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوگئے اور بعد میں اُس نے نہ کوئی نیکی کی اور نہ گناہ کیا تو ایسا شخص جو ایمان لا چکا ہو اور اُس کا کوئی گناہ بھی نہ ہو تو وہ ضرور جنت میں جائے گا۔

11۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنٰی

11......عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ((إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) وَ فِي رِوَايَةٍ:((وَهُوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ.))

مشکوۃ المصابیح ، رقم:2287 — صحیح بخاری ، رقم :6410,2736
صحیح مسلم ، رقم:6810,6809 — اللؤلؤ والمرجان ، رقم:1714
صحیفه همام بن منبه ، رقم:34 — ترمذی ، رقم:3507
ابن ماجه ، رقم:3861

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کے ننانوے(99) نام ہیں، ایک کم سو(100) جو ان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں جائے گا۔
ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ (اللہ) وِتر (اکیلا) ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔''

تشریح:

اللہ تعالیٰ کو ایسے ناموں سے یاد کرنا چاہیے جو اس کے لائق ہیں۔ ایسے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرنا چاہیے جن میں کوئی عیب، نقص، گستاخی یا شرک کا پہلو پایا جاتا ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾

(بنی اسرائیل:۱۱۰)

''اے نبی (ﷺ)! آپ (ﷺ) کہہ دیں کہ لوگو! تم خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔''

احادیث میں ان 99 ناموں کی تفصیل ملتی ہے جن کو اسمائے حسنٰی کہا جاتا ہے۔ جامع ترمذی کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل (99) اسمائے حسنٰی بیان ہوئے ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

((هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِیُ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِیُ الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِیُ الْمُتَعَالُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ۔ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِیُ الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِیُ الْبَدِیْعُ الْبَاقِیُ الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ.))

علمائے اسلام نے اسمائے حسنیٰ کو صرف انہی (99) ناموں میں محدود نہیں مانا ہے۔ان کی رائے میں یہ تعداد زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔

آخر میں فرمایا: اللہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند فرماتا ہے۔ جیسے: 1، 3، 5، 7...... کا عدد۔ اللہ تعالیٰ کے طاق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، واحد ہے، احد ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ بے مثل ہے کوئی اُس جیسا نہیں۔ وتر یعنی طاق کو پسند کرنے کا یہ مفہوم بھی لیا گیا ہے کہ اسلامی عبادات اور اعمال میں طاق کے عدد کو فضیلت حاصل ہے۔ جیسے دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، تین قسم کی طہارتیں ہیں، خانہ کعبہ کے طواف میں سات چکر ہیں، سعی میں بھی سات چکر ہیں۔ منیٰ میں شیطان کو کنکریاں بھی سات سات کر کے ماری جاتی ہیں۔ ایام تشریق (ایام نحر) بھی تین ہیں۔ استنجا میں تین ڈھیلے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کفن میں تین کپڑے ہیں، زکوٰۃ میں چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ہے۔ کھجور میں عشر کے لیے پانچ وسق ہیں۔ اونٹوں کی زکوٰۃ پانچ سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح سات آسمان اور سات زمینیں بنائی گئیں۔ بڑے سمندر بھی سات ہیں اور ہفتے کے دن بھی سات ہوتے ہیں۔ گویا اس طرح طاق کا عدد پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز وتر بھی ایک،

تین، پانچ، رکعت کر کے پڑھی جاتی ہے۔ گویا ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت سے کوئی نسبت ہے وہ فضیلت رکھتی ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کو یاد رکھنے پر جنت کی جو بشارت دی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی پہچان اور معرفت ہو جانے کے بعد جو ذمہ داریاں ایک بندے پر عائد ہوتی ہیں اُن کو ادا کرنے سے جنت ملے گی۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے بغیر بھی اگر ان اسمائے حسنٰی کو زبانی طور پر یاد کر لے تو وہ جنت میں جائے گا۔

12- اللہ تعالیٰ کا ہاتھ خزانوں سے بھرا ہوا ہے

12...... وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((یَدُ اللّٰهِ مَلْاٰی لَا یَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ ، سَحَّآءُ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ ، اَرَاَیْتُمْ مَآ اَنْفَقَ مُذْخَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ؟ فَاِنَّه لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَدِهٖ ، وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ ، وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ ، یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ .

مشکوۃ المصابیح ، رقم:92 — صحیح بخاری ، رقم:7419,4684
صحیح مسلم ، رقم:2308,2309 — ترمذی ، رقم
ابن ماجه ، رقم — مسند احمد
صحیفه همام بن منبیه ، رقم:28 — اللؤلؤوالمرجان ، رقم:580۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کی سخاوت اسے کم نہیں کرتی۔ کیا تم نے غور کیا اُس نے زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت سے آج تک جو خرچ کیا اس سے اُس کے ہاتھ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئی۔
اُس کا عرش پانی پر تھا۔ میزان اُسی کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو پست بھی کرتا ہے اور بلند بھی کرتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں ''یَدُ اللّٰهِ'' (اللہ کا ہاتھ) آیا ہے جب کہ صحیح مسلم کی روایت میں ''یَمِیْنُ اللّٰهِ'' (اللہ کا دایاں ہاتھ) کے الفاظ آئے ہیں۔ تاہم اس سے مفہوم ایک ہی رہتا ہے۔

اس حدیث میں تین باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

1: اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ میں بے شمار خزانے موجود ہیں گویا یہ خزانے اُس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ ان میں سے اپنی مخلوقات پر چاہے جتنا خرچ کر ڈالے اِس سے اُس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ سے خرچ کرتا چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ خرچ کرتا رہے گا۔ اس کے باوجود اس کے خزانے ختم نہ ہوں گے۔ وہ بے انتہا خزانوں اور بے پایاں نعمتوں کا مالک ہے۔ وہ سخی اور مہربان ہے۔ وہ جب چاہے جتنا چاہے عطا کر دیتا ہے۔

2: آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ کائنات کے پیدا ہونے کے ذکر کے بعد یہ سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ اس سے پہلے کیا تھا؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ گویا اُس وقت جب کہ پانی موجود نہ تھا تو اُس پر بھی اللہ سبحانہٗ کی حکمرانی تھی۔ عرش کو مجازی طور پر بادشاہی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

3: یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کو عطا کرے یا نہ کرے۔ وہی کسی کو زیادہ روزی دیتا اور کسی کو کم دیتا ہے۔ عزت بھی وہی دیتا ہے اور ذلت بھی۔ اُس کی سخاوت اور اُس کے جود و کرم کا یہ حال ہے کہ ہمیشہ سے نہ اُس کا ہاتھ خرچ کرنے سے رُکتا ہے اور نہ اُس کے خزانوں میں کوئی کمی آتی ہے۔ ؎

خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

13- اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے بڑھ کر ہے

13......وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ: اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ؛ فَهُوَ مَكْتُوْبٌ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم:2364,5700 صحیح بخاری ، رقم:7554,7404,3194

صحیح مسلم ، رقم:6971,6969,6970 ابن ماجه ، رقم:4295

اللؤلؤوالمرجان ، رقم:1749 صحیفه همام بن منبه ، رقم:15

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سُنا کہ:
اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ایک تحریر لکھی کہ: میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی ہے۔ اور یہ تحریر اُس کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی ہے۔''

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اپنے ہاں لوحِ محفوظ میں یہ لکھ دیا کہ:
''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب سے زیادہ ہے اور اُس کی رحمت کی صفت اس کے قہر و غضب پر غالب ہے۔

بعض روایتوں میں ''غَلَبَتْ'' کی بجائے ''سَبَقَتْ'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ راوی کا احتمال ہوسکتا ہے تاہم اس سے نفسِ مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

انسان کے پیدا ہونے سے لے کر اُس کے جوان ہونے تک اللہ تعالیٰ اُس پر رحمت فرماتا رہتا ہے اور اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ پھر جب انسان عاقل بالغ ہو کر گناہ اور نافرمانی کے کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ لکھنا شروع کرتا ہے۔ اس طرح انسانوں پر اللہ کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ ہوتی ہے۔

دوسرے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے لیے کم سے کم دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جب کہ وہ کوئی

برائی کرتا ہے تو اُس کی صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے ۔اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اُس کے غضب سے زیادہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

تیسرے ایک انسان ساری عمر گناہ کرتا رہے لیکن جب وہ ان سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ سبحانہٗ اسے معاف کر دیتا ہے اور اُس کے عمر بھر کے گناہ بخش دیتا ہے ۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اُس کی رحمت کے سبب سے ہوتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ کی رحمت اُس کے غضب سے بڑھ کر ہے۔ یاد رہے کہ لوحِ محفوظ سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم کا خزانہ ہے۔

14- اللہ کی رحمت ہی سے جنت ملے گی

14...... وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((لَنْ يُنْجِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ عَمَلُهُ)). قَالُوْا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ؛ فَسَدِّدُوْا، وَقَارِبُوْا، وَاغْدُوْا، وَرُوْحُوْا، وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم:2371 — صحیح بخاری، رقم:6463,6464
صحیح مسلم، رقم: 7117، 7111، 7113، 1716، 1721، 7122
نسائی، رقم:5037 — ابن ماجه، رقم:4201
اللؤلؤ والمرجان، رقم:1793 — صحیفه همام بن منبه، رقم:136

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے۔ البتہ تم درست کام کرو۔ میانہ روی اختیار کرو۔ صبح و شام اور رات کے کچھ حصے میں عبادت کرو۔ میانہ روی اور اعتدال کی روش اختیار کرو۔ اس طرح تم منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

تشریح:

یہ ایک متفق علیہ حدیث ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بھی جنت میں صرف اپنے اعمال کی وجہ سے نہیں جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کا فضل ہوگا جس کی بدولت جنتی لوگ جنت میں جائیں گے۔ لیکن اس حدیث کو پوری طرح سمجھنے کے لیے درج ذیل نکات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عام طور پر جنت کو اعمال کا بدلہ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥﴾ (الاحقاف:13تا 14)

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر جمے رہے تو اُنہیں نہ کوئی خوف

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے، اپنے اُن اعمال کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔‘‘

1: نیک اعمال کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور یہ اُس کی رحمت کے سبب سے ہے۔ ورنہ انسان کے اختیار میں تو صرف ارادہ ہے۔ ارادے پر عمل کی توفیق تو اللہ ہی دیتا ہے۔

2: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ ایک نیکی کو کئی گنا بڑھا کر میزان میں تولے گا اور برائی کو صرف ایک برائی شمار کرے گا۔ اس طرح مومن اللہ کی رحمت ہی سے جنت میں جائے گا۔

3: ہماری فانی اور عارضی زندگی کے 60، 70 برسوں کی محنت کا صلہ نعمت بھری جنت کی دائمی زندگی نہیں ہوسکتی یہ تو اُس رحمٰن ورحیم ذات کا سراسر فضل وکرم ہوگا۔

4: ہم تمام عمر عبادت میں گزار کر بھی اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہیں، چہ جائے کہ اس محنت پر جنت کی اعلیٰ نعمتوں کے حق دار بن جائیں جو صرف رحمت خداوندی ہی سے ممکن ہے۔

5: حدیث میں حضور ﷺ کی اپنی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ اُن سے بڑھ کر نیک اعمال کسی اور کے نہیں ہوسکتے۔ جب وہ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاسکتے تو اوروں کی کیا حیثیت ہے؟

6: حضور ﷺ نے اس حدیث میں اعمال پر بھی زور دیا ہے۔ کیونکہ نیک اعمال کی اپنی اہمیت ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار بھی رہو، اعمال میں میانہ روی اختیار کرو اور ان کی کوشش بھی کرو۔

یاد رہے جن صحابہ کرام کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی، اُنہوں نے بھی نیک اعمال کرنے چھوڑ نہیں دیے تھے۔ حدیث میں آخر میں اچھے اعمال کرنے، فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل ادا کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام ایک معتدل اور متوازن دین ہے اور اس میں کوئی افراط وتفریط نہیں۔ وہ انتہا پسندی (Extremism) کے خلاف ہے اور اُس کی تمام تعلیمات اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 10 کی تشریح)

15۔ اللہ کی خاطر باہم محبت کرنے والوں کا درجہ

15......((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِىْ؟ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِىْ ظِلِّىْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّىْ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم:5006 — صحیح مسلم، رقم:5648

دارمی، رقم:2757 — مسند احمد، رقم:8436

موطا امام مالك، كتاب الشعر

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہیں میری عظمت و تعظیم کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والے؟ آج میں اُن کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دوں گا جب کہ اُس دن میرے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔

اسی مضمون کی حدیث جامع ترمذی میں بھی موجود ہے:

((عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِىْ جَلَالِىْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ.))

(جامع ترمذی، کتاب الزهد، حدیث رقم: 2390)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

میری عزت اور جلال کی خاطر آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور اُن کو دیکھ کر انبیائے کرام اور شہداء بھی رشک کریں گے۔''

مؤطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے اسی مضمون کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

میری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب ہوگئی جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ میری خاطر مل بیٹھتے ہیں۔ میری خاطر ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور میری خاطر مال خرچ کرتے ہیں۔''

پھر مذکورہ حدیث سے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل واقعہ روایت کیا ہے:

ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ:

میں دمشق کی (جامع) مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک چمک دار دانتوں والا نوجوان بیٹھا ہے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہیں۔ (ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے پاس بیس 20 صحابہ کرام بیٹھے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ تیس 30 صحابہ کرام بیٹھے ہیں۔) جب کسی بات میں ان کا اختلاف ہوتا ہے تو وہ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُن کے فیصلے کو مانتے ہیں۔ میں نے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ نوجوان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

دوسرے روز میں صبح سویرے ہی مسجد میں پہنچ گیا تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مجھ سے بھی پہلے وہاں موجود ہیں۔ میں نے دیکھا وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اُن کا انتظار کیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں اُن کے سامنے چلا گیا۔ اُن کو سلام کیا اور اُن سے عرض کیا:

''اللہ کی قسم! میں آپ سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرتا ہوں۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہی بات ہے؟''

میں نے ہر بار عرض کیا: ''اللہ کی قسم! یہی بات ہے۔''

پھر اُنہوں نے میری چادر کا کنارا (دوسری روایت میں ہے کہ میری چادر کے کنارے) پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچ کر فرمایا:

''تمہیں مبارک ہو، تم خوشخبری سن لو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوئی جو میری خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے، ساتھ بیٹھتے اور ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ میری خاطر ایک

دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں اور جانیں قربان کرتے ہیں۔“

یاد رہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر باہم محبت کرنے والے اُن سات قسم کے خوش نصیبوں میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے رحمت یا عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔

ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهِ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ: اِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ، مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ، وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتَ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمُ شِمَالُهٗ مَاتُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ.

صحیح بخاری، رقم: 660 — صحیح مسلم، رقم: 2380

ترمذی، رقم: 2391 — نسائی، رقم: 5380

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ایسے خوش نصیب ہیں جن کو اللہ اُس دن اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جب اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ عادل حکمران، وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا، وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے چاہے وہ مسجد سے نکلے یا وہاں واپس لوٹے۔ وہ دو شخص جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے اکٹھے ہوتے اور اسی وجہ سے جُدا ہوتے رہتے ہیں۔ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رویا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو نکلے۔ وہ آدمی جسے کسی خاندانی خوبصورت عورت نے برائی کی دعوت دی تو اُس کے جواب میں اُس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کرے کہ اُس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہیں کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔“

یہ جو حدیث کے شروع میں اَیْــنَ؟ (کہاں ہیں؟) کا لفظ آیا ہے تو اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے اوجھل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم، بصیر اور خبیر ہے۔ اُس سے کوئی چیز کہیں بھی چھپ

نہیں سکتی۔ دراصل یہ اندازِ خطاب اس لیے ہوگا کہ ایسے لوگوں کا اعلیٰ مقام و مرتبہ سب کے سامنے ظاہر کیا جائے اور تمام اہل محشر سُن لیں اور دیکھ لیں کہ اُن لوگوں کو کتنا اعزاز واکرام حاصل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے کتنے مقبول ومحبوب بندے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ کی رحمت کے سائے سے مراد اُس کے عرش کا سایہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض دوسری احادیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے۔

اللہ کے سائے سے اُس کی رحمت، شفقت اور حفاظت بھی مراد ہوسکتی ہے اور ہر طرح کی پریشانیوں اور گھبراہٹ سے نجات اور جنت کی خوش خبری بھی جو ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقبول ہے۔

پھر جب ایک شخص بغیر کسی دنیوی مفاد کے کسی دوسرے شخص سے محض رضائے الٰہی کے لیے محبت کرتا ہے تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بھی اُس سے محبت کرتا ہے اور قیامت کے روز خاص اعزاز کے ساتھ اُسے اپنی رحمت کے سائے میں لے لے گا۔ اس باہمی محبت کے نتیجے میں چونکہ اللہ کے دین کی خدمت بھی ہوتی ہے اس لیے اللہ کی خاطر آپس کی یہ محبت بہت اہم ہے۔

16۔ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میں بادشاہ ہوں

16...... ((عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَیَطْوِی السَّمَاءَ بِیَمِیْنِهٖ، ثُمَّ یَقُوْلُ: اَنَا الْمَلِكُ، اَیْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ؟.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5522 — صحیح بخاری، رقم: 7412,4812
صحیح مسلم، رقم: 7050 — اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1776
ابن ماجه، رقم: 4275 — مسنداحمد، روایت عبدالله بن عمرؓ، ج2، ص72-88

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا۔ پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔ اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کی مختلف روایات کو جمع کیا جائے تو ان سے درج ذیل مضمون واضح ہوتا ہے۔

(1)...... یہ حدیث نبی ﷺ نے اپنے ایک خطبے کے دوران میں سورہ الزمر کی درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمائی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ (الزمر: 67)

''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی، جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ حالاں کہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

(2)...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ یہ حدیث بیان فرما

رہے تھے تو اُس وقت آپ ﷺ پر ایسی کیفیت اور ایسا لرزہ طاری تھا کہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ ﷺ منبر سے گر نہ پڑیں۔

(3)...... گویا اُس دن دنیا کی وہ ساری مجازی اور جھوٹی بادشاہیاں ختم ہوجائیں گی جو انسان کو دھوکے میں ڈالتی ہیں اور وہ کبھی فرعون اور نمرود بن جاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اُس کے فریب میں آجاتے ہیں۔

(4)...... وہاں صرف ایک اللہ کی بادشاہی ہوگی جو اس کائنات کا حقیقی بادشاہ، حکمران، اور ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ہے۔ جو وہاں پکارے گا اور پوچھے گا کہ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (آج کس کی بادشاہی ہے؟) پھر جواب نہ آنے پر خود ہی فرمائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (اکیلے زبردست اللہ کی!)

[المومن: آیت 16]

(5)...... اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لینا اور سارے آسمانوں کو دائیں ہاتھ میں لپیٹ لینا ایک استعارہ اور تشبیہ بھی ہوسکتی ہے اور حقیقت واقعہ بھی کہ زمین و آسمان پر اللہ سبحانہٗ کا کامل اقتدار اور تصرف ہوگا۔ جیسے کسی شخص کا گیند کو مٹھی میں دبا لینا یا رومال کو لپیٹ کر ہاتھ میں رکھ لینا ایک معمولی کام ہے اور اس سے اُسے کوئی زحمت نہیں ہوتی بالکل اسی طرح وہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور کبریائی کا منظر لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

17۔ زمانے کو برا نہ کہو

17...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: يُؤْذِيْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ، وَاَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِیَ الْاَمْرُ، اُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 22،4763،4764 — صحیح بخاری، رقم: 4826

صحیح مسلم، رقم: 5862 — ابوداؤد، رقم: 5274

مسند احمد، رقم: 19818 — اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1449

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 118

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آدمی زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف پہنچاتا ہے جب کہ زمانہ تو میں خود ہوں۔ سارے معاملات میرے ہاتھ میں ہیں۔ دن رات کو میں ہی بدلتا ہوں۔''

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے جو تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ کئی کتب حدیث میں موجود ہے۔ دورِ جاہلیت میں عربوں کا حال یہ تھا کہ مصیبت کے وقت وہ زمانے کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ زندگی میں جو خوشی غمی بلکہ جو تبدیلیاں آتی ہیں اُن کا سبب بھی زمانے کی گردش ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ بارش ہونے اور کسی کے جینے مرنے کے سبب کو بھی گردشِ زمانہ کہتے تھے۔

قرآن مجید میں بھی اُن کے اس جاہلانہ تصور کا ذکر آیا ہے:

﴿وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ﴾

(الجاثیہ: 24)

''اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی صرف اِسی دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانے کی گردش ہلاک کرتی ہے۔''

پھر چونکہ اُن کا یہ تصور اسلام کے عقیدہ توحید کے خلاف تھا اس لیے اس کی تردید فرمائی گئی اور واضح کر

دیا گیا کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ زندگی اور موت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ نفع ونقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ وہی نعمتیں دیتا اور عذاب نازل کرتا ہے۔ وہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ روزی دیتا ہے۔ وہ جب چاہے دن رات کی گردش کو روک کر ختم کر دے۔ اب بھی اُسی کے حکم سے سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے اور دن رات کا نظام قائم ہے۔ اس طرح اسلام نے جاہلیت کے غلط مشرکانہ عقیدے کو ختم کر دیا اور اُس کی جگہ مسلمانوں کو توحید کا عقیدہ سکھا دیا۔

یاد رہے کہ اَلـدَّهْـرُ یعنی زمانہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ اَلـدَّهْـرُ (زمانے) کے بارے میں عربی کا ایک شعر ہے:

هَـلِ الـدَّهْـرُ اِلَّا لَيْـلَةٌ وَّنَهَـارُهَـا

وَاِلَّا طُـلُـوْعُ الشَّـمْـسِ ثُـمَّ غِيَـابُهَـا

”زمانہ کیا ہے؟ رات اور دن! یا سورج کا طلوع ہونا اور پھر چھپ جانا!“

باب 4......ایمان اور مومن

18۔ایمان کی شاخیں

18......وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً ، فَاَفْضَلُهَا: قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، وَاَدْنَاهَا: اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ .

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5 — صحیح مسلم، رقم: 152,153
صحیح بخاری، رقم: 9 — ابوداؤد، رقم: 4676
نسائی، رقم: 5005 — ترمذی، رقم: 2614
ابن ماجه، رقم: 57 — للؤلؤوالمرجان، رقم: 21

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
ایمان کی شاخیں ستر (70) سے کچھ اُوپر ہیں۔ان میں سب سے افضل یہ کہنا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سب سے ادنیٰ یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دی جائے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

تشریح:

یہ متفق علیہ حدیث ہے۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لیے درج ذیل اُمور قابل غور ہیں:

(1)......اس میں ایمان کی شاخوں کی تعداد کے بارے میں ''بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ان کے بارے میں علمائے اسلام کی دو رائیں ہیں:

1- اس سے ستتر (77) کا عدد (FIGURE) مراد ہے۔

2- یہ محاورے کی زبان ہے اور اس سے صرف کثرت مراد ہے۔گویا ایمان کی شاخیں بہت بڑی تعداد میں ہیں۔

(2)......ایمان کی شاخوں کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے انسان کے وہ تمام اعمال و اخلاق جو ایمان کے تقاضے اور نتائج و ثمرات ہیں۔گویا ایمان ایک درخت ہے اور تمام اعمالِ صالحہ اور اچھے اخلاق

اُس کی شاخیں ہیں۔

(3)......ایمان کی شاخوں میں بھی درجہ بندی ہے۔سب سے بڑی اور اعلیٰ شاخ (لَا اِلٰـهَ اِلَّا الـلّٰهُ) یعنی توحید کی گواہی ہے۔ پھر رسالتِ محمدیہ کی گواہی ہے اور سب سے چھوٹی اور ادنیٰ شاخ یہ ہے کہ راستے میں سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا جائے تاکہ وہاں سے گزرنے والوں کو کوئی زحمت نہ ہو۔ یہ گویا ٹریفک کا کام بھی ہے اور صفائی کا کام بھی۔

پھر ان دونوں ادنیٰ اور اعلیٰ درجوں کے درمیان میں بہت سے نیکی کے کام ہیں جو ایمان کی شاخیں ہیں۔ان میں سے بعض کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جیسے نماز پڑھنا اور بعض کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسے والدین کی خدمت کرنا۔ حدیث کے آخر میں ''حیا'' کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔اس سے اسلام میں حیا کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلام اور حیا:

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔شرم، غیرت، مروت اور ہر برائی سے جھجک کا نام حیا ہے۔ یہ ایک فطری اور اعلیٰ اخلاقی وصف ہے۔مردوں کے لیے حیا ضروری ہے مگر عورتوں کے لیے ان سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث موجود ہے کہ آپ ﷺ کنواری لڑکی سے زیادہ حیادار تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث ہے کہ ان سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے۔

حیا کی صفت میں خیر اور بھلائی ہے۔ بے حیائی ایسی برائی ہے جس سے اور بہت سی برائیاں جنم لیتی ہیں اور جو انسان کی شخصیت اُس کے خاندان اور پوری قوم کے لیے تباہ کن ہوتی ہے۔

ذیل میں شرم وحیا کے بارے میں چند قرآنی آیات اور چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1۔شرم وحیا کے بارے میں قرآنی آیات:

شرم وحیا، غضِ بصر یعنی نگاہیں نیچی رکھنا، عورتوں کے لیے پردے کا اہتمام، ان سب امور کے لیے ذیل میں چند قرآنی آیات دی جاتی ہیں:

1۔ ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ

خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ o وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ o﴾ (النور:30-31)

''(اے نبی ﷺ) آپ ﷺ مومن مردوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزہ طریقہ ہے۔ بے شک اللہ باخبر ہے اُس سے جو وہ کرتے ہیں۔ (اور (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ مومن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے خود بخود ظاہر ہو جائے۔ اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں......''

2۔ ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o﴾ (الاحزاب:59)

''اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہیں کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنی چادروں کے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ اس سے جلدی پہچان ہو جائے گی اور اُنہیں کوئی چھیڑے گا نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

3۔ ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ o﴾ (الاحزاب:53)

''اور جب تم اُن (ازواج نبی ﷺ) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی۔''

4۔ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ o﴾ (الاعراف:26)

''اے آدم علیہ السلام کی اولاد! ہم نے ایسا لباس پیدا کیا جو تمہارے جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور زینت بھی ہے۔ لیکن پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے۔''

2- شرم وحیا کے بارے میں احادیث:

صحیح احادیث میں بھی شرم وحیا کے بارے میں احکام اور ہدایات موجود ہیں۔

1۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ))
[صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث 16]

''حیا ایمان کا حصہ ہے۔''

2۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰی: اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ))
[صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث6120]

''لوگوں نے پہلے انبیاء کرام کے کلام میں یہ بات بھی پائی کہ: جب تو حیا نہ کرے تو پھر جو چاہے کر۔''

3۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ))
[صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث 6117]، [صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 156]

''حیا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔''

4۔ صحیح مسلم میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَمْشُوْا عُرَاةً))
[صحیح مسلم، کتاب الحیض، حدیث773]

''ننگے نہ چلو۔''

5۔ ابن ماجہ اور موطا (امام مالک) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَاِنَّ خُلُقَ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ))
[ابن ماجه، کتاب الزهد، حدیث 4181]، [موطا، کتاب حسن الخلق]

''ہر دین کی ایک خاص صفت اور خوبی ہے اور اسلام کی صفت اور خوبی حیا ہے۔''

6۔ جامع ترمذی میں ہے کہ:

((اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ: اَلْحَیَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ وَالنِّکَاحُ))
[جامع ترمذی، ابواب النکاح، حدیث 1]

''چار چیزیں پیغمبروں کی سنت میں سے ہیں: حیا، خوشبو، مسواک اور نکاح کرنا۔''

7۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ حَیِیٌّ سِتِّیْرٌ یُحِبُّ الْحَیَاءَ وَالسَّتْرَ......))

[سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، حدیث:4012، سنن نسائی، کتاب الغسل، حدیث:406]

”بے شک اللہ تعالیٰ حیادار اور پردہ دار ہے، وہ حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے۔“

حیا کو انسان کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں بڑا دخل ہے۔ حیا کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں سے بچتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے۔

19۔ ایمان کامل کا معیار

19......وَعَنْ اَنَسٍ ﷛، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَّوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 7	صحیح بخاری، رقم: 15
صحیح مسلم، رقم: 168,169	نسائی، رقم: 5013
ابن ماجه، رقم: 67	اللؤ لؤ والمرجان، رقم: 27

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اُس کے لیے اُس کے والدین، اُس کی اولاد اور دوسرے تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوجاؤں۔''

تشریح:

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے لیکن مضمون ایک جیسا ہی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ایمان سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔ یہ ایمان کی دولت نبی ﷺ کے واسطے کے بغیر کسی انسان کو نہیں مل سکتی۔ حضور ﷺ وہ واحد ذریعہ ہیں جس سے کوئی شخص ہدایت پا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں ایمان و ہدایت کی نعمت حاصل ہونے پر ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کے اس احسانِ عظیم کے بدلے میں آپ ﷺ پر ایمان لائے، اپنے والدین، عزیز و اقارب اور دوست احباب سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت رکھے۔ ہر حال میں آپ ﷺ کی اطاعت کرے۔ اور آپ ﷺ کے ہر فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (الاحزاب: 6)

''نبی ﷺ کا حق مومنوں پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ ہے۔''

مطلب یہ کہ اہل ایمان کو اپنی جان سے بڑھ کر نبی ﷺ سے محبت کرنی چاہیے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

''اے لوگوں! تمہارے پاس اللہ کے ایک رسول ﷺ آ گئے ہیں جو تمہیں میں سے ہیں۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اُن پر بہت دشوار اور شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے خواہش مند ہیں اور اہل ایمان پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ہر مسلمان کے لیے اُس کی اپنی ذات سے بڑھ کر اُس کے خیر خواہ، ہمدرد اور آسانی چاہنے والے ہیں۔ وہ اُس کے ماں باپ سے بڑھ کر شفیق و مہربان ہیں۔ لہٰذا ایسی محسن ہستی کا یہ حق ہے کہ اس سے دل و جان سے محبت کی جائے، دنیا کی ساری محبتوں پر اُس کی محبت کو ترجیح دی جائے اور آپ ﷺ کے احکام کی اطاعت کی جائے۔

20۔ ایمان کی حلاوت

20۔ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبّاً ، وَبِالْاِسْلَامِ دِيْناً ، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا .

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 9 — صحیح مسلم ، رقم: 151
ترمذی ، رقم: 2623 — مسند احمد ، رقم: 1778

''حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
وہ شخص ایمان کی لذت پا گیا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوگیا۔''

تشریح:

جس طرح ایک صحت مند شخص مادی غذاؤں کا ذائقہ اور اُن کی لذت محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک سچا اور مخلص مومن، جسے نفاست و لطافت عطا ہوئی ہو، ایمان کی لذت اور حلاوت محسوس کر سکتا ہے جب کہ وہ دل و جان سے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب، خالق اور معبود مانتا ہو، اسلام کو اپنا دین سمجھ کر اُس کے مطابق زندگی گزارتا ہو اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی و رسول مانتے ہوئے آپ ﷺ کی اطاعت کرتا ہو۔

لیکن جو شخص رسمی، رواجی اور نسلی مسلمان ہے، دینِ اسلام کو زندگی کا محض ایک ضمیمہ اور دم چھلا سمجھتا ہے، دین پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے، اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دیتا ہے وہ ایسا ہے جس کی قوتِ ذائقہ خراب ہے، اُسے ایمان کی لذت وحلاوت نصیب نہیں ہوسکتی۔ پھر جس طرح سچے اہلِ محبت ہی محبت میں ایک لذت محسوس کرتے ہیں، اسی طرح سچے اہلِ ایمان ہی ایمان کی لذت کو محسوس کر سکتے ہیں۔

ایک اور حدیث کے مطابق ایمان کی لذت کا درجہ پانے کے لیے درج ذیل تین شرطیں ضروری ہیں:

1: جب مومن کو اللہ و رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔

2: وہ جس اور کسی سے محبت کرے صرف اللہ ہی کی خاطر کرے۔

3: وہ کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا ناگوار سمجھے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔

(صحیح مسلم ، رقم: 165)

ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہی ایمان کی لذت نصیب ہوسکتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے قرآن نے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (اللہ اُن سے راضی اور وہ اُن سے راضی) اور انہی کے بارے میں ہے کہ:

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ (المجادلہ: 22)

''یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔''

اسی کیفیت کو ایک شاعر نے بھی محسوس کرنے کے بعد کہا تھا:

کیا غم ہے جو ہے ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

21۔ ایمان کی حلاوت اور لذت کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

21...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ، وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 8 — صحیح بخاری، رقم: 16
صحیح مسلم، رقم: 165 — نسائی، رقم: 4988
ترمذی، رقم: 2624 — ابن ماجه، رقم: 4033
مسند احمد، رقم: 12795 — اللؤ لؤ والمرجان، رقم: 26

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس شخص میں تین صفتیں ہوں گی وہ ان کے ذریعے ایمان کی حلاوت اور لذت پالے گا: ایک یہ کہ اُسے اللہ اور اُس کا رسول ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہوں، دوسری یہ کہ وہ کسی سے محض اللہ کی رضا کی خاطر محبت کرتا ہوں، اور تیسری یہ کہ اُسے کفر کی طرف پلٹنا اتنا ناگوار ہو جتنا اُسے آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں مومن کے لیے ایمان کی لذت وحلاوت حاصل ہونے کی تین شرطیں بیان کی گئی ہیں:

1: جس مومن کو اللہ و رسول ﷺ کی محبت ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔

2: جو کسی اور سے محبت کرے تو محض اللہ کی محبت کی خاطر اور اُس کے تحت کرے۔

3: جو کفر کی طرف پلٹنے کو اتنا ناگوار سمجھے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔

جو مومن درج بالا شرائط کو پورا کرے گا اور ان اوصاف کا مالک ہوگا ایمان کی حقیقی لذت وحلاوت کو پا لے گا۔ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 20 کی تشریح)

22۔ ایمان اور استقامت

22۔ ((عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّ رضي الله عنه ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ: غَيْرَكَ۔ قَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ ، ثُمَّ اسْتَقِمْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 15 صحیح مسلم، رقم: 159
ترمذی، رقم: 2415 ابن ماجہ، رقم: 3972
مسند احمد، رقم: 15494

''حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا:
یا رسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتادیں جس کے بعد مجھے کسی اور سے کچھ پوچھنا نہ پڑے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور سے نہ پوچھنا پڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:
کہو میں اللہ پر ایمان لایا۔ پھر اسی پر ثابت قدم رہو۔''

تشریح:

اس حدیث میں ایمان قبول کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کا مضمون نہایت مختصر انداز میں بیان ہوا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے اور پورے اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔ یہ دین کا مغز اور اس کی حقیقی روح ہے۔

اس میں اصل لفظ "اِسْتَقِمْ" استعمال ہوا ہے جو استقامت سے ہے جس کے لفظی معنی سیدھے رہنے، سیدھے چلتے رہنے اور قائم رہنے کے ہیں۔ لیکن اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسان جس بات کو حق سمجھے اُس پر ڈٹ جائے۔ کوئی مخالفت، لالچ یا دباؤ اُسے اُس کی راہ سے نہ ہٹا سکے۔ مشکل حالات کے باوجود وہ حق سے منہ نہ پھیرے۔ راہِ حق میں جو آزمائش آئے اُس کا خندہ پیشانی سے سامنا کرے اور ثابت قدم رہے۔

اصل بات یہ ہے کہ استقامت ہے بڑی چیز۔ آدمی جس بات کو حق مانے، جس اچھے اصول کو اپنائے،

اُس پر جمار ہے۔

استقامت میں حوصلہ ہے، بہادری ہے، ثابت قدمی ہے، اعتبار ہے اور صبر و استقلال ہے۔ جس شخص میں استقامت نہیں وہ بزدل ہے، کم حوصلہ ہے، نا قابل اعتبار ہے اور بے صبرا انسان ہے۔ وہ دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا کیونکہ استقامت کے بغیر دنیا میں کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔

دیکھیے ایک آدمی فوج میں بھرتی نہیں ہوتا تو یہ بری بات نہیں۔ لیکن اگر وہ فوج میں بھرتی ہوجانے کے بعد بھگوڑا (Deserter) ہوجاتا ہے تو یہ قابل مذمت ہی نہیں بلکہ ایسا جرم ہے جس پر اُس کا کورٹ مارشل ہوسکتا ہے اور اُسے سزا ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے رویے سے فوج کے نظم وضبط (Discipline) کو خراب کیا ہے اور اس میں استقامت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿اَنَّمَآ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِيۡمُوۡۤا اِلَيۡهِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ﴾ (حٰمٓ السجدہ : 6)

''کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے۔ لہٰذا تم اُسی کی طرف سیدھے رہو اور اُسی سے گناہوں کی معافی مانگو۔''

مطلب یہ ہے کہ عبادت ہو تو صرف ایک ہی معبود کے لیے۔ ہر حال میں استقامت اختیار کی جائے، توجہ کا مرکز ایک ہی ذات ہو اور گناہوں کی بخشش بھی اُسی سے مانگی جائے۔

پھر اس استقامت کا صلہ یہ بتایا گیا کہ:

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ○ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ○ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ﴾ (حٰمٓ السجدہ:30-32)

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ''اللہ ہمارا رب ہے'' پھر وہ ثابت قدم رہے تو یقیناً اُن پر فرشتے اُترتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ تم اندیشہ نہ کرو اور غم نہ کرو اور اُس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور

آخرت میں بھی، اور وہاں تمہارے لیے ہر چیز ہے جو تم چاہو گے اور تمہارے لیے وہاں ہر چیز ہے جو تم طلب کرو گے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہوگی جو بخشنے والا اور رحم والا ہے۔''

مراد یہ ہے کہ توحید پر قائم رہنے والون اور اس پر ثابت قدمی دکھانے والوں کے لیے دنیا میں فرشتوں کی زبان سے دلی اطمینان کی خوشی خبری ہے اور آخرت میں ہر غم اور پریشانی سے نجات ہے، دل کے لیے راحت وسکون ہے اور نعمت بھری جنت کی بشارت ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ راہِ حق کبھی بھی پھولوں کی سیج نہیں رہی بلکہ یہ ہمیشہ کانٹوں بھرا راستہ رہا ہے۔ یہاں ہر قدم پر آزمائشیں، اور مشکلات ہیں۔ جو ان کے باوجود ثابت قدم رہا، اُس کے لیے فلاح وکامرانی ہے۔

نوح علیہ السلام کی استقامت دیکھیے۔ صدیوں تک انہوں نے اپنی قوم میں دعوت وتبلیغ کا کام کیا۔

خود حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ پر نگاہ ڈالیے، کون سی مشکل، مصیبت اور آزمائش ہے جس سے آپ ﷺ کو سابقہ نہیں پڑا مگر آپ ﷺ نے تمام مشکل حالات میں اپنا مشن جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی استقامت دکھائی کہ ایک موقع پر جب مشرکین سے اصولوں پر سمجھوتے کی بات آئی تو اپنے پیارے چچا سے صاف صاف کہہ دیا:

چچا جان! یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی میں دین حق سے باز نہیں رہ سکتا۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پاکیزہ زندگیوں میں بھی استقامت کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

معلوم ہے کہ ابتدائی مکی دور میں اُن کو کتنا ستایا گیا اور اُن پر کتنے ظلم وستم ڈھائے گئے مگر اس کے باجود وہ ایمان پر قائم رہے، دین حق پر ثابت قدم رہے اور ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا۔

ایمانی استقامت کے ساتھ ساتھ عملی استقامت بھی ضروری ہے۔ اسے ''مداومت'' کہا جاتا ہے کہ جب نیکی اور بھلائی کا کوئی کام رضا کارانہ طور پر شروع کیا جائے تو پھر مرتے دم تک اُس پر قائم رہا جائے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔

(صحیح بخاری، رقم: 5861، صحیح مسلم، رقم: 1830)

23۔ مسلمان کی تعریف

23...... ((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّةُ اللّٰہِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِہٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 13 صحیح بخاری، رقم: 391 نسائی، رقم: 4997

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ ایسا مسلمان ہے جس کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی امان حاصل ہے ۔لہٰذا تم اللہ کی اس امان کو ہرگز نہ توڑو۔''

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے اس پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے جس میں یہ حدیث بیان فرمائی گئی۔
بات یہ تھی کہ جب اسلام کی دعوت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا اور لوگ اچھی خاصی تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے تو اُس وقت بعض حالات میں کوئی شخص اسلام قبول کر لیتا مگر اُس کے بارے میں یہ شبہ رہتا کہ شاید اس نے دل سے اسلام کو قبول کیا ہے یا نہیں۔ ایسے مشکوک قسم کے لوگوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہماری طرح نماز پڑھتا اور اُس میں ہمارے قبلے کی طرف رُخ کرتا ہے، ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے اور اُس میں اسلام کی یہ چند موٹی نشانیاں پائی جائیں تو اُسے مسلمان سمجھا جائے اور اُس کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ اُس کے لیے اللہ کی طرف سے امان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے بھی امان ہے۔
لہٰذا تم اللہ کے اس عہد کو نہ توڑو جو اُس کی امان کے بارے میں ہے۔ محض بدگمانی کی بنیاد پر ایسے شخص کو غیر مسلم نہ سمجھا جائے اور نہ اُس کے خلاف کوئی کاروائی کی جائے۔
بعض گمراہ اور جاہل لوگ اس حدیث سے یہ مطلب نکالتے ہیں کہ مسلمان کی تعریف یہی ہے کہ وہ

مسلمانوں کی طرح نماز پڑھے، اُن کے قبلے کو اپنا قبلہ مانے اور مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا جانور کھالے تو وہ پورا مسلمان ہے۔

لیکن ایسے لوگ یہ غور نہیں کرتے کہ اس حدیث میں نہ تو ایسے شخص کے ایمان لانے کا ذکر ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو مانتا بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ اللہ اور اُس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ مسلمان کیسے کہلا سکتا ہے؟ ظاہر ہے اسلام میں پہلی اہمیت عقیدے کی ہے جو شخص درج ذیل امور میں سے کسی ایک پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے:

(1)......اللہ تعالیٰ پر ایمان

(2)......اُس کے فرشتوں پر ایمان

(3)......اُس کی کتابوں پر ایمان

(4)......اُس کے رسولوں پر ایمان

(5)......آخرت کے دن پر ایمان

المسلم من سلم المسلمون من لسانه
ويده
والمهاجر من هجر ما

24۔ مسلمان کون اور اصلی مہاجر کون؟

24...... ((عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُهَاجِرُمَنْ هَجَرَمَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ.
هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ۔ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ: اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ:مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 6 — صحیح بخاری، رقم: 10
صحیح مسلم، رقم: 161 — ابو داؤد، رقم: 2481
نسائی، 4996 — مسند احمد، 6753
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 25

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور اصلی مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو بھی چھوڑ دے۔ یہ صحیح بخاری میں ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا مسلمان بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

تشریح:

اس حدیث میں دو مضامین بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ اصلی مسلمان وہ ہے جو اسلام لانے کے بعد ایسا ہوجائے کہ اُس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں کیونکہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے دہشت گردی کا نہیں۔ دوسرا یہ کہ اصلی مہاجر وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑنے کے بعد اللہ کی خاطر ان چیزوں کو بھی چھوڑ دے جس سے اُس نے منع فرمایا ہے۔

چونکہ زیادہ تر زبان اور ہاتھ ہی کے ذریعے سے دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور وہ ظلم وزیادتی کا شکار ہوتے ہیں اس لیے ان دونوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ورنہ مقصود تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے

دوسرے مسلمان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ مومن کو ایذا دینا حرام ہے۔ لیکن افسوس آج یہ صورت حال ہے کہ مسلمان جتنے خود اپنے مسلمانوں کے ہاتھوں غیر محفوظ ہیں اتنے شاید غیروں کے ہاتھوں سے نہیں۔ ؎

خود مسلمان نہیں دوست مسلمانوں کے

ہجرت اور مہاجر ایسی دینی اصطلاحیں ہیں جن کا خاص مفہوم ہے۔ اللہ کے دین کی خاطر اپنا وطن چھوڑ دینا ہجرت ہے اور جو مسلمان یہ ہجرت کرتا ہے مہاجر کہلاتا ہے۔

لیکن اس حدیث میں اعلیٰ درجے کے مہاجر کا یہ وصف بتایا گیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے دین کی خاطر اپنا گھر بار اور وطن ترک کر دیتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر وہ اُن برائیوں کو بھی ترک کر دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

حدیث کے الفاظ "اَلْمُسْلِمُ اور سَلِمَ" (سلامت اور محفوظ رہیں) اور "اَلْمُهَاجِرُ" اور هَجَرَ (چھوڑ دے) میں جو لفظی و معنوی مناسبت ہے وہ نبوی فصاحت و بلاغت ہی کا نمونہ ہو سکتی تھی۔

25۔ مومن گناہ کرتے وقت مومن نہیں ہوتا

25...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَزْنِی الزَّانِیْ، حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَنْتَهِبُ نُهْبَةً یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْهِ فِیْهَا اَبْصَارَهُمْ حِیْنَ یَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا یَغُلُّ اَحَدُکُمْ حِیْنَ یَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، فَاِیَّاکُمْ اِیَّاکُمْ .))

مشکوٰۃالمصابیح، رقم: 53 — صحیح بخاری، رقم: 5578,2475
صحیح مسلم، رقم: 208,202 — ابوداؤد، رقم: 4689
ترمذی، رقم: 2625 — نسائی، رقم: 4870
ابن ماجه، رقم: 3936 — اللؤلؤوالمرجان، رقم: 36
صحیفه همام بن منبه، رقم: 90

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
زانی جب زنا کرتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ چور جب چوری کرتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ شرابی جب شراب پیتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ ڈاکو جب مال لوٹتا ہے اور لوگ اُسے دیکھ رہے ہوتے ہیں تو اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور جب خیانت کرنے والا خیانت کرتا ہے تو اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ لہٰذا تم بچ جاؤ، بچ جاؤ!''

تشریح:

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ جب کوئی قاتل کسی کو ناحق قتل کرتا ہے اُس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں جن گناہوں کے کرنے والے کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ مومن نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کامل مومن نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جو شخص یہ گناہ کرے گا وہ کافر اور مُرتد ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

چوری، زنا، شراب نوشی، خیانت اور لوٹ مار وغیرہ بڑے بڑے گناہ ہیں جن میں سے بعض پر حد بھی جاری ہوتی ہے لیکن ان کے کرنے سے آدمی فاسق و فاجر اور گناہ گار ضرور ہوتا ہے مگر کافر نہیں ہو جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان نام ہے یقین کا اور کوئی مومن اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ لیکن ان حالتوں میں ہوتا یہ ہے کہ انسان جذبات کی رَو میں بہہ جاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لیے وہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پھر جب جذبات کا نشہ ہرن ہوتا ہے تو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سچے، نیک اور صالح مسلمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ ایسے بڑے بڑے گناہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ اُسے بہر حال گناہ، نافرمانی اور ظلم و زیادتی سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ ایمان کے تقاضے کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾ (الحجرات : 11)

''ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام ہی برا ہے۔''

26۔مومن ایک سوراخ سے دوبار ڈسا نہیں جاتا

26......((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5053 صحیح بخاری، رقم: 6133
صحیح ملسم، رقم: 7498 ابو داؤد، رقم: 4862
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1887

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
''مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا''

تشریح:

اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ مومن سمجھ دار اور عقل مند ہوتا ہے اور اپنے تجربے اور مشاہدے سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ابو غرہ نامی ایک اسلام دشمن شاعر تھا جو نبی ﷺ کی ہجو کہتا تھا اور عام لوگوں کو بھی اسلام سے روکنے کے لیے شعر کہتا تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اُسے قید کر لیا گیا تو اُس نے اپنی برائیوں پر ندامت کا اظہار کیا۔ آیندہ اپنی اصلاح کا وعدہ کیا اور حضور ﷺ سے عفو و درگذر کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے اُسے معاف کر دیا اور رہا کر دیا۔ مگر غزوۂ اُحد میں وہ پھر مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آ گیا۔ اتفاق سے وہ پھر گرفتار ہو گیا اور دوبارہ اپنی غلطیوں اور گناہوں پر نادم ہو کر معافی مانگنے لگا تو اب حضور ﷺ نے اسے معاف نہیں کیا بلکہ اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے اُس کی سفارش بھی کی تھی کہ اسے ایک دفعہ اور معاف کر دیا جائے مگر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔''

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی برے شخص کو ایک بار تو معاف کیا جا سکتا ہے مگر جب وہ دوبارہ جان بوجھ کر وہی حرکت کرے تو اُسے معاف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں اس کے ذریعے معاشرے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اُسے ایسی سزا دینی چاہیے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

27۔رائی برابر ایمان والے کو بھی دوزخ سے کال لیا جائے گا

27...... عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى:
مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجُوْهُ، فَيُخْرِجُوْنَ قَدِ امْتُحِشُوْا وَعَادُوْا حُمَمًا۔ فَيُلْقَوْنَ فِیْ نَهْرِ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحَبَّةُ فِیْ حَمِيْلِ السَّيْلِ، اَلَمْ تَرَوْا اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً.

مشكوة المصابيح، رقم: 5580 صحيح بخاري، رقم: 6560
صحيح مسلم، رقم: 457 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 116

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:
''جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اُسے دوزخ سے نکال لو۔''
جب اُن کو نکالا جائے گا تو وہ سیاہ کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ پھر اُن کو نہر حیات (زندگی کے دریا) میں ڈالا جائے گا تو وہ اس طرح نمودار ہو جائیں گے جیسے سیلابی خس و خاشاک اور تنکوں میں دانہ اُگ آتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ وہ کس طرح زرد رنگ کا لپٹا ہوا پودا نکل آتا ہے!''

تشریح:

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا اُسے اس کے گناہوں کی سزا پانے کے بعد آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

اُس وقت اُس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ سیاہ کوئلے کی طرح ہو چکے ہوں گے۔ پھر اُن کو نہرِ حیات میں ڈالا جائے گا جہاں سے ایسے تروتازہ ہو کر نکلیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے کچرے اور خس وخاشاک میں زرد رنگ کا لپٹا ہوا تروتازہ پودا نکلتا ہے۔ یہ اُن لوگوں کا حال ہے جنھوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی اور اُن کا ایمان سب سے کم درجے کا ہوگا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایمان والے شخص کے لیے ہمیشہ دوزخ کی سزا نہیں ہے خواہ اُس نے ایک بھی نیکی نہ کی ہو، جب کہ کافر کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ اس حدیث سے ایمان کی فضیلت اور برکت بھی ثابت ہوتی ہے۔

باب 5......ایمان کے منافی اُمور

28۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے

28۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَيُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَنْ تَدْعُوَلِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ)) قَالَ: ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ((اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ)) قَالَ: ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ((اَنْ تُزَانِيَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ. فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَهَا: وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ، وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 49	صحیح بخاری، رقم: 6861
صحیح مسلم، رقم: 257	ترمذی، رقم: 3182
نسائی، رقم: 4013	ابوداؤد، رقم: 231
مسند احمد، رقم: 3612	اللؤلؤ والمرجان، رقم: 53

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ! اللہ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کہ تو اللہ کا شریک بنائے حالاں کہ اُس نے تجھے پیدا کیا۔ اُس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کہ تو اس ڈر سے اپنے بچے کو قتل کردے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا۔ اُس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا

بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ (الفرقان : 68)

''اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ جو کسی ایسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اور وہ بدکاری نہیں کرتے۔''

تشریح:

اس حدیث میں تین کبیرہ گناہوں کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے، پھر قتل ناحق اور پھر شادی شدہ شخص کا زنا کرنا پھر ساتھ ہی ان گناہوں کی کچھ وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ ساتھ ہی قرآن مجید کی آیت سے دلیل بھی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کبیرہ گناہوں کی یہی ترتیب ہے۔

(1) شرک:

ان میں سب سے بڑا گناہ شرک کو قرار دیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ قرآن میں شرک کو ''ظلم عظیم'' کہا گیا ہے۔

سورہ لقمان میں ہے کہ:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان : 13)

''بے شک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔''

مشرک اگر شرک کی حالت میں مرجائے تو اس کے لیے بخشش اور نجات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(النساء : 48)

''بے شک اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ مشرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾

''جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اُس کے لیے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اُس کا

ٹھکانہ دوزخ ہے۔''

شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اختیارات میں کسی اور کو بھی شریک مانا جائے۔ کسی مخلوق کو خالق کے برابر سمجھا جائے۔

شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک جلی اور شرک خفی

(2) ناحق قتل:

شرک کے بعد دوسرا بڑا گناہ کسی کو ناحق قتل کر دینا ہے۔ اور یہ قتل اُس وقت اور بھی سنگین ہو جاتا ہے جب والدین مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں لوگ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔

(3) زنا:

اسلام میں زنا کو تیسرا کبیرہ گناہ شمار کیا گیا ہے۔ کنوارے زانیوں کے لیے سو (100) کوڑوں کی سزا مقرر ہے اور شادی شدہ زانیوں کے لیے رجم یعنی سنگ ساری کی حد مقرر ہے۔ اور یہ گناہ اُس وقت سنگین تر ہو جاتا ہے جب کوئی ہمسایہ شادی شدہ شخص اس جرم کا ارتکاب کرے۔

زنا کے جرم میں درج ذیل خرابیاں اور قباحتیں ہیں:

1: زنا بے پردگی اور بے حیائی ہے جو اسلام میں منع ہے۔

2: اسلام میں نسب کی بڑی اہمیت ہے اور زنا سے نسب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ناجائز اولاد کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔

3: زنا کے نتیجے میں بعض اوقات خودکشی کے واقعات جنم لیتے ہیں۔ فریقین میں فتنہ و فساد اور انتقام کی وہ آگ بھڑک اُٹھتی ہے جو بجھائے نہیں بجھتی۔

4: زنا سے نکاح کا تقدس پامال ہوتا ہے۔

5: شادی شدہ کا زنا اپنے زوج سے بے وفائی ہے۔

6: زنا سے خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جب کہ اسلام میں خاندانی نظام کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

29۔شرک اور مشرک

29...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِیْ غَيْرِیْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ. وَفِیْ رِوَايَةٍ: فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5315 صحیح مسلم، رقم: 7475
ترمذی، رقم: 3154 ابن ماجه، رقم: 4203,4202

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمام شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہوں۔ جس نے شرک کیا تو اُس شخص سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''میں ایسے شخص سے بیزار ہوں۔ اس کا مشرکانہ کام اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے کیا۔''

تشریح:

یہ حدیث تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ مذکورہ بالا کتب حدیث میں آئی ہے تاہم ان سب کا مضمون ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا شرک سے اور مشرک سے بیزار ہونا اور بے نیاز ہونا۔

1۔شرک کا مفہوم:

شرک، توحید کا متضاد لفظ ہے۔ شرک اسلام میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ:

''اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالاں کہ تیرا خالق تو اللہ ہے......''

مشرک اگر شرک کی حالت میں مرجائے تو اس کے لیے بخشش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(النساء:48)

''بے شک اللہ شرک کا گناہ معاف نہیں کرے گا۔اس کے سوا باقی گناہوں میں سے جو چاہے گا بخش دے گا۔''

شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی اور کو بھی شریک مانا جائے۔

شرک اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔کسی مشرک کے لیے استغفار اور بخشش کی دعا مانگنا جائز نہیں۔

2- شرک کی قسمیں:

شرک کی دو قسمیں ہیں:

1: شرک اکبر یا شرک جلی

2: شرک اصغر یا شرک خفی

1۔شرک اکبر یا شرک جلی:

شرک اکبر یا شرک جلی بالکل واضح شرک کو کہتے ہیں۔اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی، جیسے کسی بت کو سجدہ کرنا۔شرک اکبر یا شرک جلی اور کفر برابر ہیں۔مشرک کے لیے جنت حرام اور دوزخ واجب ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُo﴾ (المائدہ:72)

''جو شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے گا تو اُس کے لیے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔''

صحیح حدیث میں ہے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ لَقِيَهٗ يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ)) [صحيح مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ حديث 270]

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں جائے گا اور جو شرک کی حالت میں مرا وہ دوزخ میں جائے گا۔''

شرک اکبر یا شرک جلی کی پھر درج ذیل قسمیں ہیں:

1۔شرک فی الذات:

شرک فی الذات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک ٹھہرایا جائے۔ایک خدا کی بجائے دو یا دو سے

زیادہ خداؤں کے ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

2۔ شرک فی الصفات:

شرک فی الصفات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت مثلاً علم اور تخلیق وغیرہ صفاتِ الٰہیہ میں دوسروں کو بھی شریک مانا جائے کہ کسی اور میں بھی یہی صفات موجود ہیں۔ جیسے کسی اور کو بھی خالق، رازق، رب، عالم الغیب اور حاضر ناظر وغیرہ مان لیا جائے تو یہ شرک فی الصفات ہے۔ دنیا میں عام طور پر جو شرک رائج رہا ہے وہ اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ حرام ہے۔

3۔ شرک فی العبادت:

شرک فی العبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معبود مانتے ہوئے اُس کے ساتھ کسی اور کو بھی معبود تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اوروں کی بھی عبادت کی جائے۔ اسے شرک فی العبادات کہا جاتا ہے اور یہ بھی حرام ہے۔ اس میں غیر اللہ کی عبادت، اُس کے نام کی قربانی، نذر، نیاز، قسم وغیرہ سب شامل ہیں۔

4۔ شرک فی التصرف:

شرک فی التصرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کائنات میں کسی اور کو بھی دخیل اور متصرف سمجھنا۔ رزق میں کمی بیشی، استعانت، بارش کا ہونا، اولاد، زندگی، موت، مشکل کشائی اور حاجت رَوائی وغیرہ میں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو بھی بااختیار سمجھنا کہ وہ بھی یہ کام کرسکتے ہیں اور خدائی کاموں میں اُن کو بھی تصرف اور اختیار حاصل ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے اختیارات اور تصرفات میں دوسروں کو شریک بنانا ہے اور یہ بھی حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات میں تصرف اور تدبیر اُمور کرنے والا کوئی اور نہیں۔

2۔ شرکِ اصغر:

شرکِ اصغر (چھوٹا شرک) ایسا ہے جو مومن سے بھی سرزد ہوسکتا ہے۔ یہ اتنا چھوٹا اور غیر محسوس ہوتا ہے کہ آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور وہ شرک کا ارتکاب کرچکا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اَلشِّرْكُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ)) [مسند احمد]

''شرک اس امت میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔''

ریاکاری کو بھی شرکِ اصغر میں شمار کیا گیا ہے۔

حدیث نبوی ہے کہ: ''میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا ڈر مجھے تم پر سب سے زیادہ ہے، وہ

شرکِ اصغر ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریا کاری۔

اسی طرح احادیث میں ریا کاری کی نماز اور دکھاوے کے صدقے وغیرہ کو بھی شرک (اصغر) کہا گیا ہے نبی کریم ﷺ نے ایسے فقرے بولنے سے بھی منع فرمایا: جیسے 'مَا شَاءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ' کہ جو اللہ چاہے اور جو تم چاہو، کہنا۔

اسی طرح یوں کہنا کہ: "مَا لِیْ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنْتَ۔"

''میرا اللہ کے سوا اور تیرے سوا کوئی نہیں۔''

کیونکہ ان فقروں میں بھی شرک کا پہلو پایا جاتا ہے اس کے علاوہ اس طرح کہنا بھی منع ہے کہ:

''مجھے دوا کھانے سے شفا ملی''، یا یوں کہنا کہ: ''مجھے ڈاکٹر سے شفا ملی ہے۔''

کیونکہ ایسا کہنے میں بھی شرک کا شائبہ موجود ہے اور یہ سب شرکِ اصغر کی مثالیں ہیں۔ اور شرکِ اصغر کرنے سے صغیرہ گناہ ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ احادیث میں ریا کاری کو بھی شرک شمار کیا گیا ہے۔

30۔ سات مہلک گناہ

30...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:((اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ)) قَالُوْا: وَمَا هُنَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَكْلُ الرِّبَآءِ، وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 52
صحیح بخاری، رقم: 2766
صحیح مسلم، رقم: 262
ابوداؤد، رقم: 2874
نسائی، رقم: 2874
نسائی، رقم: 3671
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 56

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سات مہلک چیزوں سے بچو۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ سات مہلک چیزیں کون کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی ایسی جان کو قتل کر دینا جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، سُود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دوران میں میدانِ جہاد سے بھاگنا اور بھولی بھالی، پاک دامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔

تشریح:

اس حدیث میں سات مہلک گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

1: شرک، جو اسلام میں سب سے بڑا گناہ اور توحید کی ضد ہے۔

2: جادو، جو اسلام میں حرام ہے اور جادوگر کی سزا قتل ہے۔

3: ناحق قتل، یہ اسلام میں شرک کے بعد دوسرا سب سے بڑا گناہ ہے۔

4: سود کھانا، جو اسلام میں حرام ہے۔ سودی معیشت میں برکت نہیں۔

5: یتیم کا مال کھانا، یہ بھی اسلام میں حرام ہے اور اس پر دوزخ کی وعید ہے۔

6: جنگ کے وقت میدانِ جہاد سے بھاگنا بھی حرام ہے۔

7: بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں پر قذف (زنا کی تہمت) لگانا یہ بھی اسلام میں حرام ہے اور اُس کی سزا اسی (80) کوڑے ہے۔

کسی حدیث میں ان سات گناہوں کو ''مُہلِکات'' اور کہیں ''مُوْبِقات'' کہا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی جیسے ہیں۔

یہ ساتوں گناہ کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اگر ان سے توبہ نہ کر لی جائے تو آخرت میں آدمی کو یہ دوزخ میں لے جانے کا سبب بن جائیں گے۔ لہٰذا ان سے بہر حال بچنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں تاکید کی گئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی کبیرہ گناہ ہیں جیسے جھوٹ بولنا، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی قسم کھانا یا جھوٹی گواہی دینا۔ ان سے بھی بچنا ضروری ہے۔

کبیرہ گناہ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں صرف وہی گناہ کبیرہ ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی حد (سزا) بیان کی گئی ہے۔ بعض کے نزدیک کبیرہ گناہ وہ ہے جس سے قرآن و سنت میں تاکید کے ساتھ منع کیا گیا ہو۔ بعض کے ہاں جس گناہ کے ارتکاب پر عذاب کی وعید آئی ہے صرف وہی کبیرہ گناہ ہیں۔ بعض نے کبیرہ گناہوں کی فہرست ایک سو (100) تک گنائی ہے اور اُن کے نزدیک صغیرہ گناہ پر اصرار بھی اُسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔

31۔ایک غلط سوال کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟

31...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ: هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئاً؛ فَلْیَقُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 76,66 — صحیح بخاری، رقم: 7296,3276,
صحیح مسلم، رقم: 350,347,345,343 — ابوداؤد، رقم: 4721
مسند احمد، رقم: 8358 — اللؤلؤوالمرجان، رقم: 83,82
صحیفہ همام بن منبه، رقم: 94

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لوگ ہمیشہ آپس میں سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ اس ساری مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پھر جو ایسا خیال پائے تو اُسے یہ کہنا چاہیے کہ: میں اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔''

تشریح:

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ آئی ہے تاہم اس کا مضمون ایک ہی ہے۔

شیطان کی طرف سے انسان کے دل و دماغ میں ڈالے جانے والے وسوسوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ یہ سوال کرنے لگ جاتا ہے کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟

جب کسی کے دل میں ایسا وسوسہ پیدا ہو تو اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر اپنا ایمان پختہ رکھے، شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگے، تعوذ پڑھے اور اپنی توجہ کسی اچھی بات کی طرف کرلے۔ اس طرح کی فضول چیزوں پر دھیان نہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اُس کے سوا کوئی اور خالق نہیں۔

اصل بات یہ نہیں کہ ہر چیز کا خالق ہونا چاہیے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہر مخلوق کے لیے کوئی خالق ہونا چاہیے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں ہے اس لیے اُس کے خالق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے ہم جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں وہ بہر حال مخلوق ہوتی ہے اور ایسی تمام چیزوں کا ایک ہی خالق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی اشارہ نکلتا ہے کہ دین میں فضول سوالات کرنے کی ممانعت ہے۔

32۔ دل میں وسوسے اور بُرے خیالات آنے پر گناہ نہیں

32......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا، مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ .))

مشکٰوۃ المصابیح، رقم: 63	صحیح بخاری، رقم: 2528
صحیح مسلم، رقم: 332	ابوداؤد، رقم: 2209
نسائی، رقم: 3434	ترمذی، رقم: 1183
ابن ماجه، رقم: 2040	اللؤلؤوالمرجان، رقم: 79

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بے شک اللہ نے میری اُمت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے اُس وقت تک درگزر فرمایا ہے جب تک وہ ان پر عمل کرلیں یا اُن کے بارے میں بات نہ کرلیں۔''

تشریح:

انسان کے دل میں کئی برے خیالات آتے ہیں اور وسوسے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان پر اُس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کی وجہ سے بندہ گناہ گار نہیں ہوتا اور یہ اللہ تعالیٰ کا سراسر فضل واحسان ہے۔

لیکن جب کوئی شخص اپنے دل و دماغ میں آنے والے ان برے خیالات اور وساوس کو عملی جامہ پہنائے اور ان کو اپنے قول وفعل کا حصہ بنالے تو پھر اس کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث یہ ہے کہ:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَیْهِ .

(ابن ماجه، رقم: 2043۔ مشکٰوۃ المصابیح، رقم: 6293)

''اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی خطا (بے ارادہ غلطی)، نسیان (بھول چوک) اور اِکرہ (جان کے خطرے کی مجبوری) سے کیے گئے کاموں کو معاف کر دیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ جو کام بغیر ارادے کے ہوجائے، یا بھول چوک سے ہوجائے، یا جان کے ڈر سے کیا جائے اُس میں مواخذہ نہیں۔ اُسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے۔ اور یہ اِس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تین قسم کے شخص مرفوع القلم ہیں یعنی اُن سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا:

1: سویا ہوا شخص جب تک بیدار نہ ہو۔

2: نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہوجائے۔

3: بے ہوش جب تک ہوش میں نہ آجائے۔

ترمذی، رقم: 1423 ابوداؤد، رقم: 4403 ابن ماجه، رقم: 2042,2041

33۔قیامت کے دن منافق سب سے بُرا شخص ہوگا

33...... ((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَأْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 4822 صحیح بخاری، رقم: 3494,6058 صحیح مسلم، رقم: 6630

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم قیامت کے دن سب سے بُرے حال میں اُس شخص کو پاؤ گے جو دو چہروں والا دو رُخا ہے۔ اِدھر ایک چہرے کے ساتھ لوگوں کے پاس آتا ہے اور اُدھر دوسرے چہرے کے ساتھ۔

تشریح:

اس حدیث میں ایسے شخص کا بُرا انجام بتایا گیا ہے جو دوسروں کے سامنے اُن کی تعریف اور خوشامد کرے اور اُن سے ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرے مگر بعد میں اُن کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرے۔ ایسے شخص کو اُردو میں دُورخا، یا 'دوغلا' کہا جاتا ہے اور عربی میں اسے ذُوالْـوَجْهَیْنِ (دو چہروں والا۔ دو منہ والا) کہتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی حرکت منافقت ہے اور ایک قسم کا دھوکا ہے۔ ؎

ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

ایسے دو رُخے شخص کا آخرت میں کیا انجام ہوگا۔ اس سلسلے میں ابوداؤد میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا میں جو شخص (منافقوں کی طرح) دو رُخا ہوگا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔'' (ابوداؤد، رقم:4873)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا ثواب وعذاب دنیا کے اچھے برے اعمال واخلاق کے مطابق اور مناسب رکھا ہے۔ اور منافقت اور دو رُخا پن کی یہ سزا رکھی ہے کہ اس شخص کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ یاد رہے کہ بعض جانوروں مثلاً کچھ سانپوں کی بھی دو زبانیں ہوتی ہیں۔ لوگ عام طور پر اس بری عادت (دو رُخا پن) کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ بہت سنگین اور خطرناک ہے جس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

34۔ پکا منافق کون؟

34......عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((اَرْبَعٌ مَّنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقاً خَالِصاً، وَّمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنْھُنَّ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا: اِذَا ائْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 56	صحیح بخاری، رقم: 34
صحیح مسلم، رقم: 210	ابوداؤد، رقم: 4688
نسائی، رقم: 5020	ترمذی، رقم: 2632
مسند احمد، رقم: 6768	اللؤلؤوالمرجان، رقم: 37

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ جس میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو وہ منافقت کی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''

تشریح:

نفاق دو قسم کا ہے، ایک اعتقادی، دوسرا عملی۔

اعتقادی نفاق یہ ہے کہ کوئی شخص دل سے اسلام کو قبول نہ کرے مگر زبان سے اپنے آپ کو مومن ظاہر کرے۔

عقیدے کا یہ نفاق نہایت ذلیل، گھٹیا اور بدترین قسم کا کفر ہے اور اس طرح کے منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: 145]
''بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے۔''

عملی نفاق یہ ہے کہ آدمی ہو تو مسلمان مگر اُس کے اعمال سچے مسلمانوں جیسے نہ ہوں بلکہ منافقوں جیسے اعمال ہوں۔

پھر جیسا کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعتقادی نفاق یعنی کفر و شرک کی گندگی سے بچے اسی طرح اُس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منافقوں جیسے اعمال نہ کرے۔

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے عملی نفاق کی چار خصلتوں یا نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جس شخص میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے اور جس میں اُن میں سے کوئی ایک پائی جائے گی تو وہ اسی نسبت سے اتنا عملی منافق ہوگا، جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ ایک خصلت یا نشانی والا ایک چوتھائی (1\4) عملی منافق ہے۔ دو والا آدھا (1/2) اور تین خصلتوں یا نشانیوں والا تین چوتھائی (3/4) عملی منافق ہے۔

اس حدیث میں عملی نفاق کی درج ذیل چار خصلتیں یا نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

1: امانت میں خیانت کرنا

2: جھوٹ بولنا

3: وعدہ خلافی کرنا

4: بدزبانی کرنا

شریعت میں یہ چاروں کام گناہ کے کام ہیں اور ان سے بچنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ عملی نفاق کی چار ہی خصلتوں اور نشانیوں کا ذکر ہے اور ان کا مجموعہ بھی کسی شخص کو پکا منافق بنا دینے کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے، تاہم قرآن مجید اور بعض دوسری احادیث میں عملی نفاق کی کئی اور خصلتیں اور نشانیاں بھی بیان ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

1: نماز میں سستی کرنا (النساء، آیت: 142)

2: نیکی سے روکنا اور برائی کا حکم دینا (التوبہ، آیت: 67)

3: اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا (التوبہ آیت 54، المنافقون آیت 7)

4: جہاد سے جی چرانا (التوبہ آیت 81،45)

35۔ کافروں کے خلاف جہاد وقتال کا حکم

35...... عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((أُمِرْتُ اَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ۔ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ.))

مشكوة المصابيح، رقم: 1709,12 صحيح بخارى، رقم: 2946,25
صحيح مسلم، رقم: 129,128,126,125,124 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 15
صحيفه همام بن منبه، رقم: 51

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مجھے لوگوں سے اُس وقت تک جنگ وقتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پھر جب وہ ایسا کرلیں تو انہوں نے سوائے اسلامی حدود کے معاملے کے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو مجھ سے بچالیا۔ اور اُن کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔''

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

1: اسلام میں کافروں سے جہاد وقتال کرنے کا حکم ہے۔

2: مسلمانوں کے خلاف جہاد وقتال جائز نہیں۔

3: جہاد وقتال ہر کافر کے خلاف نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اسے ذمی بن کر رہنے کی بھی اجازت ہے۔

4: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے سے مراد پورا کلمہ طیبہ پڑھنا ہے۔ جس میں حضور ﷺ پر ایمان لانا شامل ہے۔

5: اسلامی جہاد وقتال صرف کافر حکومت اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف ہوگا۔

6: جب تک پوری دنیا میں اسلام غالب نہیں ہو جاتا اس وقت تک بلکہ ایک حدیث کے مطابق قیامت تک جہاد جاری رہے گا۔

7: کسی مسلمان پر بھی بعض جرائم پر حد جاری ہو سکتی ہے۔ جیسے قاتل سے قصاص، زانی کو سنگسار کرنا اور مرتد کو موت کی سزا دینا شامل ہے۔

8: بعض احادیث میں "اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ" بھی آیا ہے کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں جہاد کروں اور بعض روایات میں ہے کہ جب تک لوگ کلمہ اسلام نہ پڑھ لیں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کر لیں اس وقت تک ان کے خلاف جہاد ہوگا۔

36۔ بدعت کی مذمت

36..... ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 140
صحیح بخاری، رقم: 2697
صحیح بخاری، رقم: 2697
صحیح مسلم، رقم: 4492
ابوداؤد، رقم: 4606
ابن ماجہ، رقم: 14
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 120

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی، جو اس میں سے نہیں تو اسے رَدّ کر دیا جائے گا۔

تشریح:

چونکہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے (المائدہ آیت 3) اس لیے اب اس میں کسی اضافے اور کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا اضافہ اور کمی بیشی بدعت کہلائے گی جو کہ گمراہی ہے۔

1- بدعت کا مفہوم:

'بدعت' کے لفظی معنی ہیں: نئی بات، نئی چیز، نیا طریقہ، اصطلاح میں 'بدعت' اس سے مراد دین میں ایسی چیز داخل کرنا ہے جو دین میں سے نہ ہو۔

دین میں ہر بدعت حرام ہے اور گمراہی ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ عیسائیوں نے اپنے مذہب میں رہبانیت کی بدعت ایجاد کر لی تھی:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحدید: 27)۔

''اور رہبانیت (ترکِ دنیا) انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی جس کا حکم ہم نے نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے اسے خود اختیار کر لیا۔ مگر پھر انہوں نے جیسا اُس کو بنالینا چاہیے تھا وہ نہ

نباہ سکے۔''

صحیح احادیث میں ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

((اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ، فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

(سنن ابی داؤد۔ حدیث:3991)

''تم لوگ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو۔ اس لیے کہ ہر نئی بات (جو دین میں سے نہ ہو) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ:

((......وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

(صحیح مسلم، حدیث:1434)

''اور سب سے بری چیز وہ ہے جو اسلام میں نئی نکالی گئی اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

2- بدعت کے بارے میں ایک غلط فہمی کی اصلاح:

بعض لوگ بدعت کی دو قسمیں کر دیتے ہیں کہ ایک بدعت حسنہ (اچھی) ہوتی ہے اور دوسری سیۂ (بری) مگر یہ تقسیم غلط فہمی ہے اور اُس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ہر قسم کی بدعت کو ضلالت و گمراہی قرار دیا گیا ہے۔

((......كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) (صحیح مسلم، حدیث:1434)

''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

بعض لوگ بدعت کی مذکورہ تقسیم کے حق میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت نماز تراویح کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

((نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ))

''یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔''

حالاں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر 'بدعت' کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال کیا تھا، نہ کہ اصطلاحی معنوں میں۔ بات یہ تھی کہ صحابہ کرام پہلے الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں نماز تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو باجماعت ایک ساتھ نماز تراویح شروع کرانے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ:

''یہ نیا کام کتنا اچھا ہے۔''

دوسرے یہ کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اس کے اصطلاحی معنوں میں لیا جائے تو پھر ان کا قول ایک صحیح حدیث کے خلاف ہوجائے گا جس میں ہر بدعت کو گمراہی قرار دیا گیا ہے اور جب قول صحابی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوگا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس کے مقابلے میں حدیث کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کا قول حجت نہیں ہوسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی بدعت ایجاد کی جائے جب کہ دین میں اُس کی کوئی اصل یا کوئی مرجع موجود نہ ہوتو وہ گمراہی ہوتی ہے، خواہ یہ گمراہی اعتقادی ہو یا عملی اور یہی اصطلاحی یا شرعی بدعت کہلاتی ہے۔

لیکن جب کسی نئی چیز کی کوئی اصل یا مرجع شریعت میں موجود ہوتو وہ وہاں بدعت کا لفظ محض لغوی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اُس وقت اس کے شرعی یا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوتے۔

جیسے صحابہ کرام نے قرآن مجید کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا تو یہ اس لیے بدعت نہیں کہ اس کی اصل شریعت میں موجود تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید لکھنے کا حکم دیا تھا۔ وہ پہلے متفرق طور پر الگ الگ لکھا گیا لیکن صحابہ کرام نے حفاظت کی خاطر اُسے ایک مصحف میں جمع کر دیا۔

یہی معاملہ تراویح کی نماز کا ہے۔ اسے بھی شرعی طور پر بدعت اس لیے نہیں کہا جاسکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو چند راتیں تراویح کی نماز باجماعت پڑھائی تھی۔ پھر اُس کے فرض ہونے کے خوف اور اندیشے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھائی۔ لیکن عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیقی میں صحابہ کرام الگ الگ ٹولیوں میں نماز تراویح پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ عہد فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پھر ایک امام کی اقتداء میں اسے باجماعت پڑھنے پر جمع کر دیا جیسے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند دن باجماعت پڑھی گئی تھی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نماز تراویح کے فرض ہوجانے کا خوف اور اندیشہ باقی نہ رہا تھا۔

اسی طرح حدیث کی کتابت کا مسئلہ ہے۔ اس کی اصل بھی شریعت میں موجود تھی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کو کچھ احادیث لکھنے کی اجازت دی تھی، اگرچہ عام لوگوں کو حدیث کی کتابت سے منع فرمایا تھا۔ اس عمومی ممانعت کا سبب یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن اور احادیث آپس میں خلط ملط نہ ہوجائیں۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور قرآن بھی مکمل ہوگیا تو اب قرآن اور احادیث کے خلط ملط ہونے کا

اندیشہ ختم ہو گیا تو احادیث کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ان کی بھی کتابت اور تدوین کی گئی۔

یاد رکھیے، ہر بدعت، خواہ وہ کسی قسم کی ہو یا کسی شکل میں ہو، گمراہی ہے۔ صرف قرآن وسنت کی راہ ہی ہدایت اور نجات کی راہ ہے۔

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ (الانعام:153)

''اور یہ کہ یہی میری سیدھی شاہراہ ہے۔ اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔''

اسی بات کی وضاحت ایک حدیث میں اس طرح کی گئی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، خَطًّا، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا سَبِیْلُ اللّٰهِ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ، وَقَالَ: هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰی كُلِّ سَبِیْلٍ مِنْهَا شَیْطَانٌ یَدْعُوْا اِلَیْهِ وَقَرَءَ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ.الآیة﴾)) (نسائی، دارمی، مسند احمد)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں دین اسلام کے بارے میں سمجھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر آپ ﷺ نے اس خط کے دائیں اور بائیں اس کے ساتھ ملتے ہوئے کئی خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ بھی راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو اپنے راستے کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے آیت پڑھی۔'' (جس کا ترجمہ اُوپر موجود ہے)

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''بدانکه ہر بدعت سیئه باشد''

''جان لو کہ ہر بدعت بری ہوتی ہے۔''

3- بدعت کے اسباب:

ہمارے ہاں بے شمار بدعتیں پھیلی ہوئی ہیں جن کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ عرس، تیجا، چالیسواں، میلاد، شب برات کا حلوہ اور آتش بازی سب بدعات ہیں۔ ان کا ایک بڑا سبب ہندو معاشرت

کے اثرات ہیں۔ اس کے علاوہ بدعت کے درج ذیل اسباب ہیں:

1- جہالت:

بدعات کے پیدا ہونے اور پھیلنے کا سب سے بڑا سبب لوگوں کی عام جہالت اور دین سے دوری ہے۔ ہمارا معاشرہ اسلامی تعلیمات، اسلامی زندگی، اسلامی تہذیب و معاشرت سے کوسوں دور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں ایسی بدعات و محدثات ہیں جو دوسرے مسلم ممالک میں نہیں پائی جاتیں۔

پھر جوں جوں قیامت کا زمانہ قریب آتا جارہا ہے، دین سے دوری بڑھتی جارہی ہے۔ دین کا علم اور عمل کم ہورہا ہے۔ مذہبی اختلافات زیادہ بڑھ رہے ہیں۔

بدعات کا خاتمہ صرف صحیح دینی علم سے ممکن ہے اور دین کا صحیح علم علمائے حق کے پاس ہے۔ جب علمائے حق کم ہورہے ہیں تو دین کا علم بھی کم ہورہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعتوں کو زیادہ فروغ حاصل ہورہا ہے۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

((إِنَّ اللّٰهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا ، يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ . وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ . حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا ، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا ، فَسُئِلُوا ، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا .))

(بخاری و مسلم، اللؤلؤ والمرجان حدیث:1712)

''اللہ تعالیٰ بندوں سے علم چھین کر ختم نہیں کرے گا بلکہ علماء کو ختم کر کے علم کو ختم کردے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ علماء ختم ہوجائیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

2- خواہشات کی پیروی:

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص دین سے منہ موڑے گا وہ خواہشات کی پیروی میں لگ جائے گا اور جب وہ خواہشات کی پیروی کرے گا تو بدعات کو جنم دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ﴾ (القصص:50)

''پھر اگر یہ لوگ آپ ﷺ کو جواب نہ دیں تو آپ ﷺ یقین کر لیں کہ یہ اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے؟ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً﴾ (الجاثیہ:23)

''کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے! اور اللہ نے اس کے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں ڈال دیا۔ اُس کے کان پر اور اُس کے دل پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔''

3- اندھی تقلید اور گروہی تعصب (Sectarian Prejudice):

اندھی تقلید اور گروہی تعصب کے نتیجے میں بھی معاشرے میں بدعتیں پیدا ہوتی اور پھیلتی ہیں۔ جب لوگ اندھی اور جامد تقلید میں مبتلا ہوں گے تو قرآن و سنت کی پیروی باقی نہیں رہے گی اور اس کے بعد صرف بدعات ہی کا ظہور ہوگا۔

قرآن مجید میں اندھی تقلید کے بارے میں ہے کہ:

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرہ:170)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس پر چلو، تو جواب دیتے ہیں ہم تو اسی راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے دیکھا ہے تو کیا اس صورت میں بھی جب ان کے باپ دادا نہ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اندھی تقلید کے نتیجے میں اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا لیا تھا۔

﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.....﴾ (التوبہ:31)

''انہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنا لیا تھا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بدعات و محدثات سے بچائے اور قرآن و سنت کی ٹھیک پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

37۔بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

37......عَنْ جَابِرٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 141
صحیح مسلم، رقم: 2005

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حمد وثنا اور صلوٰۃ وسلام کے بعد''

سب سے بہترین کلام، اللہ کی کتاب ہے۔بہترین طریقۂ ہدایت محمد ﷺ کا ہے۔سب سے برے کام بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

تشریح:

حضور ﷺ کے خطبے کا ایک حصہ ہے کیونکہ اس میں ''اَمَّا بَعْدُ'' کے بعد الفاظ آئے ہیں یہ حدیث جو آپ ﷺ کے اپنے خطبوں کے آغاز میں فرمایا کرتے تھے۔

اس حدیث کے چند امور بیان ہوئے ہیں۔

1۔بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا کلام باقی ہر کلام سے افضل ہے اور یہ کہ لوگوں کے لیے بھی سب سے بہتر اور رہنما کلام قرآن مجید ہی ہے جو کہ مکمل دستور حیات ہے۔انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے بہترین رہنما ہے۔ جس کی پیروی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

2۔بہترین ہدایت حضور ﷺ کی ہدایت ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے طریقے سے بڑھ کر ہدایت کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بڑھ کر انسانی زندگی کے لیے کوئی اور نمونہ عمل نہیں ہے جس کی پیروی میں دنیا اور آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

3۔دین میں نئی باتیں نکالنا سب سے بُری چیز ہے:

دین میں نئی باتیں نکالنا محدثات ہے جو بدعات کے ہم معنیٰ لفظ ہے۔مُحدَث اور بدعت ایک ہی چیز

ہے۔ اور سب سے برے کام بدعتیں ہیں۔

4۔ ہر بدعت گمراہی ہے:

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اب جو لوگ بدعت کی دو تقسیمیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کر کے پہلی کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس صحیح حدیث کے بالکل خلاف بات کرتے ہیں۔

البتہ بدعت شرعی اور بدعت لغوی ہوتی ہے۔ بدعت شرعی وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی دلیل موجود نہ ہو اور بدعت لغوی ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا۔

(بدعت کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے حدیث نمبر 36 کی تشریح)

باب 6......نبوت ورسالت

38۔ حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان نہ لانے والا دوزخی ہے

38...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ، لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ، یَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ، ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ، اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ.)) صحیح مسلم رقم 386

مشکوۃ المصابیح، رقم: 386 مسند احمد، ج 2، ص 250, 317 کنزالعمال ج2، ص 268

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، جو میری رسالت کی خبر سنے اور اس پیغام کو جو میں لایا ہوں، نہ مانے اور پھر دوزخیوں میں شامل نہ ہو۔''

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خواہ وہ یہودی ہو، یا عیسائی ہو، یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو، جو بھی ہو اُس تک جب نبی ﷺ کی دعوت اور پیغام پہنچ جائے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو نہ اپنائے اور اسی حالت میں مرجائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی کیے بغیر کوئی بندہ آخرت میں نجات نہیں پا سکے گا، وہ دوزخ میں جائے گا، جنت میں نہیں جا سکتا۔

البتہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جس تک نبی ﷺ کی دعوت اور پیغام نہ پہنچے تو یہ اُس کے لیے عذر ہے اور ایسے شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چاہے اُسے بخش دے اور چاہے عذاب دے۔

بعض لوگ صرف خدا پر ایمان لانے کو آخرت میں نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور آج کل بعض دوسرے لوگ صرف خدا اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کو نجات کے لیے کافی قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ یہ بات بنیادی اور اصولی ہے کہ جب تک کوئی شخص ایمان کے جملہ اُمور (Package) کو نہ مانے وہ ایمان والا ہی نہیں اور کوئی شخص ایمان کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ کسی ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے اور کسی ایک نبی کو نہ ماننے والے کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ جیسا کہ کسی ایک آسمانی کتاب کا انکار تمام آسمانی کتب کا انکار ہے بلکہ قرآن کی ایک سورت یا آیت کا انکار بھی پورے قرآن کے انکار کے مترادف ہے۔

39۔ بعثت نبوی ﷺ کی ایک مثال

39...... وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهَا، جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ يَقَعْنَ فِيْهَا، وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَقَحَّمْنَ فِيْهَا، فَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِيْهَا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 149
صحیح بخاری، رقم: 3426,6483
صحیح مسلم، رقم: 5958,5957
اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1473
صحیفه همام بن منبه، رقم: 4

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میری مثال ایسے آدمی کی ہے جس نے آگ جلائی۔ پھر جب اِردگرد کی جگہ روشن ہوئی تو پتنگے پروانے اور بعض کیڑے مکوڑے جو آگ میں آکر گرتے ہیں، وہاں گرنے لگے۔ وہ آدمی ان سب کو گرنے سے روکے، مگر وہ زبردستی آگ میں گھستے جائیں۔ اس طرح میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں لیکن تم لوگ اس میں گھستے جا رہے ہو۔''

تشریح:

اس حدیث میں ایک مثال کے ذریعے سمجھایا گیا ہے کہ لوگ اپنی جہالت اور نفسانی خواہشات کے سبب گناہوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ وہ کسی اچھائی برائی یا حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں اور نہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتے ہیں۔ اس طرح وہ گمراہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے آپ کو تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہی اور بربادی سے بچانے اور راہِ ہدایت پر چلانے کے لیے ہر زمانے میں انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔

دوسرے پیغمبروں کی طرح حضرت محمد ﷺ بھی اپنی امت کو جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ مگر لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف لپکتے

جاتے ہیں اور حضور ﷺ اُن کو جہنم سے بچانے کی کوشش فرماتے ہیں، اُن کو ایمان کی طرف بلاتے اور نیک اعمال کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

البتہ نبی ﷺ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینے کی ہے، آگے ایمان لانے یا نہ لانے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ملتی ہے اور وہ صرف اُنہی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں اور وہ کسی کو زبردستی سے نہ ہدایت دیتا ہے اور نہ جبراً گمراہ کرتا ہے۔

40۔ حضور ﷺ کی بعثت بارش کی طرح ہے

40...... عَنْ اَبِیْ مُوسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضاً، فَکَانَتْ مِنْھَا طَآئِفَۃٌ طَیِّبَۃٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ، فَاَنْبَتَتِ الْکَلَا وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ، وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَآءَ، فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ، فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا، وَاَصَابَ مِنْھَا طَائِفَۃً اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَآءً، وَلَا تُنْبِتُ کَلَا. فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقُہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعُ بِذٰلِکَ رَاْسًا، وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 150 — صحیح بخاری، رقم: 79

صحیح مسلم، رقم: 5953 — مسند احمد، رقم: 19802

اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1471

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اُس کی مثال ایک موسلا دھار بارش کی طرح ہے جو زمین پر برسی۔ پھر زمین کا جو ٹکڑا بہت زرخیز تھا اُس نے پانی کو جذب کرلیا اور گھاس اور سبزہ اُگایا۔ زمین کا دوسرا ٹکڑا سخت تھا۔ اُس نے پانی کو روک کر جمع کرلیا جس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا، انہوں نے خود پانی پیا، اپنے جانوروں کو پلایا، آب پاشی کی اور کھیتی پیدا کی۔ لیکن زمین کا جو ٹکڑا بالکل صاف چٹیل تھا اُس نے نہ پانی کو روک کر جمع کیا اور نہ سبزہ اُگایا۔ پہلی دو مثالیں ان لوگوں کی ہیں جن کو اللہ کے دین مین سمجھ بوجھ حاصل ہوئی اور میرے لائے ہوئے پیغام سے فائدہ پہنچا۔ انہوں نے خود اسے سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔ تیسری مثال ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اس کی پروانہ کی اور میرے پیغام کو قبول نہ کیا۔''

تشریح:

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اپنے لائے ہوئے علم وہدایت کو بارش سے تشبیہ دی ہے۔ پھر اس سے

زیادہ فائدہ اٹھانے والوں کو زمین کے ایسے قطعے سے تشبیہ دی ہے جو بارش کے پانی کو اچھی طرح جذب کر لیتا ہے اور اُس میں غلہ، چارہ، پودے اور درخت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جنہوں نے اس سے کم فائدہ اٹھایا اُن کی مثال زمین کے ایسے ٹکڑے سے دی گئی ہے جو نشیب میں واقع تھا اور اُس میں گڑھے تھے جنہوں نے بارش کے پانی کو اپنے اندر جمع کر لیا۔ وہاں تالاب بن گیا جس کے پانی سے انسانوں اور جانوروں کو اپنی ضروریات کے لیے پانی میسر آ گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبوی علم و ہدایت کی کتابیں لکھیں اور دوسروں نے ان سے استفادہ کیا۔

لیکن تیسری قسم ایسے لوگوں کی تھی جو چٹیل میدان کی طرح تھے، جس نے نہ تو پانی کو جذب کیا کہ اُس سے پیداوار اُگتی، اور نہ پانی کو جمع کر کے رکھا کہ دوسرے اس سے فائدہ اُٹھاتے بلکہ وہ چکنا گھڑا ثابت ہوئے یا پتھر کی چٹان بن گئے۔ انہوں نے نبوی علم وہدایت سے نہ تو خود فائدہ اُٹھایا اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ یہ آخری قسم کے لوگ بیکار زمین کی طرح نکلے تھے۔

اس حدیث میں انسانوں کی پہلی دونوں قسمیں ایمان والوں کی ہیں اور تیسری قسم کافروں کی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت اور پیغام کو ٹھکرا دیا اور ایمان نہیں لائے۔

41۔ نبی ﷺ کا کام اُمت کو خبر دار کرنا ہے

41......عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا ، فَقَالَ: يَاقَوْمِ! اِنِّیْ رَاَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَیَّ ، وَاِنِّیْ اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ! فَالنَّجَآءَ النَّجاءَ ، فَاَطَاعَهٗ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ، فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰى مَهْلِهِمْ ، فَنَجَوْا ، وَكَذَّبَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاَهْلَكَهُمْ . وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهٖ ، وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَكَذَّبَ مَاجِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 148 — صحیح بخاری، رقم: 7283

صحیح مسلم، رقم: 5954 — للؤلؤوالمرجان، رقم: 1472

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری اور مجھے اللہ کی طرف سے دیے گئے پیغام کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور اُس سے کہنے لگا: اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے حملہ آور لشکر دیکھا ہے اور میں واضح اور کھُلا ڈرانے والا ہوں۔ لہٰذا تم جلدی سے اپنا بچاؤ کر لو۔ اُس قوم کا ایک گروہ اس کی بات مان کر رات شروع ہوتے ہی اطمینان کے ساتھ کہیں روانہ ہوگیا اور بچ نکلا۔ مگر دوسرے گروہ نے اس شخص کی بات کو جھٹلایا اور اپنی جگہ پڑے رہے۔ پھر صبح ہوتے ہی حملہ آور لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور اُن کو تہس نہس کر دیا۔ پہلی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے میری اطاعت کی اور میرے لائے ہوئے پیغام کی پیروی کی۔ دوسری مثال اُن کی ہے جنہوں نے میری نافرمانی کی اور میرے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلایا۔''

تشریح:

اس حدیث ''اَلنَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ'' کے الفاظ آئے ہیں جن کے معنی ''ننگا ڈرانے والا'' کے ہیں۔

عربوں میں رواج تھا کہ جب کوئی شخص کسی لشکر کو اپنے قبیلے پر حملہ آور ہوتے دیکھ لیتا تو فوراً اپنے کپڑے اُتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل ننگا ہو کر اپنے قبیلے کی طرف بھاگتا تا کہ لوگ خبر دار ہو جائیں اور دشمن

کے اچانک حملے سے بچنے کی تدبیر کریں۔ایسے شخص کو ''نذیر عریان'' یعنی ننگا ڈرانے والا کہا جاتا تھا۔

لیکن نبی ﷺ نے اپنے لیے مذکورہ الفاظ محض عرب محاورے کے طور پر استعمال فرمائے جن کا مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ واضح الفاظ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والے اور لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کو ''نذیر مبین'' یعنی کھلا ڈرانے والا کہا گیا ہے۔سورہ الحج میں ہے:

﴿قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الحج : 49)

''آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔''

پھر حضور ﷺ کے ڈرانے اور خبردار کرنے سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں تو اُن کے لیے دوزخ سے نجات ہے اور وہ جنت میں جائیں گے۔مگر جن لوگوں نے آپ ﷺ کی پکار پر کان نہ دھرا اور آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو ایسے لوگ آخرت میں نجات نہیں پاسکیں گے اور وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

42۔حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں

42......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُهٗ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ، فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ، یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِهٖ، اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ، فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ، خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ)).

وَفِیْ رِوَایَةٍ: ((فَاَنَا اللَّبِنَةُ، وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیِّیْنَ.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5745 — صحیح بخاری، رقم: 3535
صحیح مسلم، رقم: 5959 — رمذی، رقم: 3613
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1473 — صحیفه همام بن منبه، رقم: 2۔

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوب صورت محل تعمیر کیا گیا ہو لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو۔ دیکھنے والے اُس کے گرد چکر لگا کر دیکھتے ہوں اور اُس کے حسنِ تعمیر پر تعجب کا اظہار کرتے ہوں۔ پھر وہ ایک اینٹ کی خالی جگہ پر حیران ہوتے ہوں۔ تو وہ میں ہوں جس نے اب اُس ایک اینٹ کے خلا کو پر کر دیا ہے۔ اب وہ عمارت مکمل ہو چکی ہے اور میرے ساتھ ہی رسالت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

”ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں وہی اینٹ اور آخری نبی ہوں۔“

تشریح:

عقیدۂ ختم نبوت قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ جو شخص حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتا ہے وہ کافر اور غیر مسلم

ہے۔اسی عقیدے اور حقیقت کو مذکورہ حدیث میں ایک سادہ لیکن عمدہ اور بلیغ مثال کے ذریعے بیان کر دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ انبیائے کرام کی شاندار عمارت کی آخری اینٹ ہیں جس کے بعد اب یہ عمارت مکمل ہوگئی ہے اور اس میں مزید کسی اضافے کی ضرورت اور گنجائش باقی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاتم النّبیین (الاحزاب: آیت 40) کا لقب دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ، لَانَبِيَّ بَعْدِيْ . (ابوداؤد ، رقم: 4252)

''میں خاتم النّبیین ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ . (صحیح مسلم ، رقم: 6105)

''میں وہ عاقب (بعد میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں''

43۔ نبی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے

43......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِیَ مِنَ الْاٰیَاتِ مَا مِثْلُهٗ آمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ، وَاِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُ وَحْیًا اَوْحَی اللّٰهُ اِلَیَّ، وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ .

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5746 — صحیح بخاری، رقم: 4981

صحیح مسلم، رقم: 385 — اللؤلؤوالمرجان، رقم: 93

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزے دیے گئے جن کے مطابق بعض انسان ان پر ایمان لائے۔ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی یعنی قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل کیا۔ مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن اُن (انبیائے کرام) کے مقابلے میں میرے پیروکاروں کی اکثریت ہوگی۔''

تشریح:

ہر نبی کو اُس کے حسب حال اور اُس کی قوم پر اتمامِ حُجت کے لیے کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا جو اُس نبی کے سچے ہونے کی دلیل بھی تھی۔

ان معجزوں کو دیکھ کر سلیم الفطرت انسان ایمان لاتے رہے لیکن پہلے تمام انبیائے کرام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے جو اُن کے رخصت ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔

البتہ حضرت محمد ﷺ کو جو معجزہ عطا ہوا وہ اللہ کی وحی اور اُس کا کلام ہے جو قرآن مجید کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے اور قیامت تک باقی رہے گا ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

''پہلوں کے سورج غروب ہو گئے مگر ہمارا سورج کبھی غروب نہ ہوگا ہمیشہ بلند اُفق پر چمکتا رہے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ اتنے طویل عرصے میں اس سے متاثر ہو کر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔

اس لیے قیامت کے دن اکثریت اُن اہل ایمان کی ہوگی جو حضور ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان رکھنے والے اور آپ ﷺ کے زندہ جاوید معجزے، قرآن مجید کو ماننے والے ہوں گے۔

اعجاز القرآن یعنی قرآن مجید کے معجزہ (Miracle) ہونے کے کئی پہلو ہیں۔ ذیل میں اس کی چند نمایاں خصوصیات بیان کی جاتی ہیں:

1۔کلامِ الٰہی (Word of God):

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام (Word of God) ہے۔ اس کی دلیل خود قرآنِ میں موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ o﴾ (التوبۃ:6)

”اور اگر کوئی مشرک آپؐ سے پناہ طلب کرے، تو اسے پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امان کی جگہ پہنچادیں۔“

آج دنیا میں کوئی اور ایسا کلام نہیں جو کلام الٰہی کہلانے کا مستحق ہو اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو اللہ کی کتاب ہو۔ یہ اعزاز آج صرف اور صرف قرآنِ مجید کو حاصل ہے کہ وہ اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی۔

2۔محفوظ کلام:

قرآنِ مجید سے پہلے کئی الہامی کتب نازل ہوئیں، لیکن آج وہ اپنی اصلی صورت میں کہیں موجود نہیں۔ امتدادِ زمانہ، مذہبی پیشواؤں کی خواہشات نفسانی اور شرارت کے باعث آج کوئی الہامی کتاب اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہی۔ یہ خصوصیت صرف قرآنِ عزیز کو حاصل ہے کہ وہ اول روز سے آج تک اپنی اصلی صورت میں بالکل محفوظ ہے اور اِن شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔ قرآن اہل ایمان کے سینوں میں اور تحریری طور پر مصاحف کی شکل میں سوا چودہ سو برس سے محفوظ ہے اور اس میں آج تک کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس حقیقت کو اپنے اور بیگانے سب تسلیم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ o﴾ [الحجر:9]

''بے شک ہم نے اِس ذکر یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔''

3۔ معجزہ کلام:

قرآن ایک ایسا معجزہ (Miracle) ہے جس کی زبان، جس کا اسلوب (Style)، جس کا نظم، جس کی فصاحت و بلاغت اور جس کی اثر انگیزی (Effectiveness) سب معجزہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو یہ مستقل اور ابدی (Permanent and Eternal) معجزہ عطا فرمایا ہے اس کے علاوہ قرآن عربی زبان کا بھی شاہکار (Masterpiece) ہے۔

قرآن نے اپنے منکرین اور مخالفین (Opponents) کو چیلنج دیا ہے کہ وہ اگر اسے اللہ کا کلام نہیں مانتے تو اس جیسا کوئی اور کلام پیش کریں۔ اس جیسی دس سورتیں لا کر دکھائیں، یا کم سے کم ایک ہی سورت اس جیسی بنا کر لے آؤ۔ مگر کوئی شخص بھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکتا اور کوئی بھی اس جیسا کلام پیش کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا کہ:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾ [بنی اسرائیل:88]

''کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس جیسا قرآن لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''

4۔ کامل ہدایت (Complete Guidance):

قرآنِ مجید پوری انسانیت کے لیے مکمل ہدایت نامہ ہے۔ انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق قرآنی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن کے علاوہ دوسری ہر الہامی کتاب اس طرح زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں کامل ہدایت دینے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ [البقرة:185]

''رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں ایسا قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔''

اور یہ قرآنی ہدایت انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔

5۔ عالمگیر کتاب:

قرآن سے پہلے کی تمام الہامی کتب کسی خاص علاقے ،قوم یا نسل کے لیے ہدایت بن کر آئی تھیں کیونکہ وہ جن پیغمبروں پر نازل ہوئی تھیں وہ بھی کسی خاص علاقے، قوم یا نسل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ لیکن قرآن عالمگیر کتاب ہے۔ یہ اللہ کے جس رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا وہ سارے جہان کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔

قرآن کا ایک عالمگیر کتاب ہونا خود قرآنِ مجید سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وَمَا هُوَ اِلاَّ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ o﴾ [القلم:52]

''اور یہ قرآن سارے جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔''

اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا عالمگیر ہونا درج ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے:

1.....﴿ قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [الاعراف:158]

''کہہ دیجیے، اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسولؐ ہوں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا کہ:

2 .....﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ o﴾ [الانبياء:107]

''اور ہم نے آپؐ کو سارے جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

6۔ فصیح و بلیغ کلام:

قرآنِ مجید ایک فصیح و بلیغ کلام ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کی نظیر لانا مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کے الفاظ کی فصاحت ، اس کے معانی کی بلاغت اور اس کا اندازِ بیان (Style) ، سب معجزہ ہیں۔ قرآنِ کا اندازِ بیان نظم یا شاعری (Poetry) کا بیان نہیں ہے، لیکن اس میں اعلیٰ درجے کی شعریت موجود ہے۔ اس کا اندازِ بیان نثر (Prose) کا بھی نہیں کیونکہ اس میں جو سجع اور آہنگ (Rythm) پایا جاتا ہے وہ کسی اور نثر میں نہیں۔

دورِ جدید کے نامور مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اس حوالے سے کیسی عمدہ بات کہی ہے:

((اَلْقُرْاٰنُ لَا نَظْمٌ وَّ لَا نَثْرٌ بَلْ هُوَ الْقُرْاٰنُ))

''قرآن نہ تو نظم ہے، اور نہ نثر، بلکہ قرآن قرآن ہے۔''

7۔تضاد (Contradiction) سے پاک:

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کا علم ہر شے پر محیط اور حاوی ہے۔اس کے لیے ماضی، حال اور مستقل سب ایک جیسے ہیں۔ اس لیے قرآنِ مجید کی تعلیمات (Teachings) میں کوئی تضاد اور باہم اختلاف نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے مضامین میں مکمل آہنگی (Harmony) اور ارتباط (Integrity) پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝﴾ [النساء:82]

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس کے اندر بڑا اختلاف اور تضاد پاتے۔''

اس کے برعکس دنیا کے فلسفیوں اور دانشوروں کے افکار و نظریات میں ہمیشہ تضاد پایا جاتا ہے۔

8۔پرتاثیر (Effective) کلام:

قرآنِ مجید ایک پرتاثیر کلام ہے۔اس کی اثر انگیزی مسلم ہے۔یہ انسان کے دل و دماغ پر اثر کرتا ہے۔ جب کوئی قاری قرآن پڑھتا ہے، تو اسے سننے والا شخص خواہ قرآن کو سمجھے یا نہ سمجھے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قرآن کا یہی وہ اعجاز تھا، جس نے کفار اور مشرکین کی نیندیں حرام کردی تھیں۔ وہ اس کی اثر انگیزی کو جادو سے تعبیر کرتے تھے اور صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نعوذ باللہ جادوگر کہتے تھے۔

صحابہ کرام کی ایک تعداد صرف قرآن سن کر مسلمان ہوئی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ اپنی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے قرآن سن کر اسلام لائے تھے۔ اسی طرح عرب کا سب سے مشہور شاعر لبید بھی قرآن سن کر ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوا تھا۔

44۔ حضرت محمد ﷺ کے خصائص

44......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ: اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّةً، وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5748 صحیح مسلم، رقم: 1167 مسند احمد، رقم: 9326

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مجھے چھ چیزوں میں دوسرے نبیوں پر فضیلت عطا کی گئی: مجھے جوامع الکلم (مختصر الفاظ اور معانی زیادہ) دیے گئے۔ دشمن پر رُعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ میرے لیے مالِ غنیمت حلال ہوا۔ میرے لیے ساری زمین سجدہ گاہ اور پاک قرار دی گئی۔ مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔''

تشریح:

اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنی وہ خصوصیات بیان فرمائی ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔ یہ گویا آپ ﷺ کے خاص فضائل ہیں، عام فضائل کی تو کوئی حد نہیں ہے۔

1۔ جوامع الکلم:

نبی ﷺ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو مختصر مگر جامع کلمات سے نوازا گیا۔ آپ ﷺ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرماتے تھے۔ چند الفاظ میں بڑے سے بڑا مضمون ادا کر سکتے تھے۔ عربی زبان میں ویسے ہی فصاحت و بلاغت ہے۔ اہل عرب اپنی زبان پر فخر کرتے تھے اسی مناسبت سے آپ ﷺ کو قرآن مجید کا معجزہ بھی عطا ہوا اور جوامع الکلم کی فضیلت اور خصوصیت بھی عطا ہوئی۔

2۔ دشمن پر رُعب:

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت اور فضیلت بھی عنایت فرمائی کہ دشمن پر آپ ﷺ کا رعب طاری ہو جاتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ابھی ایک مہینے کے سفر کے برابر دُور ہوتے تو بھی دشمن پر آپ ﷺ کا رعب طاری ہو جاتا اور اُس کا حوصلہ پست ہو جاتا۔ یہ حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا

اور غیبی تائید تھی۔

3۔ مالِ غنیمت کا حلال ہونا:

حضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لیے مالِ غنیمت حلال ہے۔ یہ بھی نبی ﷺ کی خصوصیات اور فضائل میں سے ہے ورنہ پہلے تمام انبیائے کرام میں سے کسی کے لیے بھی مالِ غنیمت حلال نہ تھا۔

4۔ ساری زمین مسجد بن گئی اور پاک کر دی گئی:

حضور ﷺ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی اُمت کے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا۔ دنیا کے کسی حصے اور جگہ میں بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے خشکی، تری پر اور فضا میں بھی نماز ہو سکتی ہے۔ پہلی امتوں کے لیے جگہ مخصوص تھا جہاں وہ عبادت کر سکتے تھے اور ہر جگہ عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ اور زمین کے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی سے تیمّم کرنے کی اجازت ہے۔

5۔ عالمگیر نبوت:

حضور ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا۔ پہلے انبیاء کرام کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور اُن کی نبوت وقتی اور عارضی تھی جب کہ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔

6۔ ختم نبوت:

حضور ﷺ کی ایک اہم خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کو "خاتم النّبیین" (الاحزاب آیت :40) کا لقب دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

((أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ، لَانَبِيَّ بَعْدِيْ . (ابوداؤد، رقم: 4252)

"میں خاتم النّبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا:

((اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ .)) (صحیح مسلم، رقم: 6105)

''میں وہ عاقب (بعد میں آنے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

لیکن یاد رہے حضور ﷺ کی بعض دیگر خصوصیات اور فضائل کا ذکر بھی قرآن اور احادیث میں موجود ہے۔مثال کے طور پر:

1: آپ ﷺ کو شفاعت کبریٰ کا حق دیا گیا۔

2: آپ ﷺ کے پیروکاروں کی تعداد دوسرے تمام پیغمبروں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوگی۔

3: آپ ﷺ کو قرآن مجید کا دائمی معجزہ عطا ہوا۔

4: آپ ﷺ کے ذریعے دینِ اسلام کی تکمیل ہوئی۔

تاہم اس سب کچھ کے باوجود آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہی نکلا کہ مجھے دوسرے انبیاء کرام پر فضیلت نہ دی جائے:

......لَا تُخَیِّرُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ .

(صحیح مسلم، رقم: 2412۔ صحیح مسلم، رقم: 6156۔ ابوداؤد، رقم: 4668)

''انبیاء کو ایک دوسرے پر برتری یا ترجیح نہ دو۔''

نیز فرمایا:

......مَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَّقُوْلَ: اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی . (صحیح مسلم، رقم: 6160)

''کسی بندے کے لیے جائز نہیں کہ وہ میرے بارے میں کہے کہ میں یونس بن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔''

تو یہ حضور ﷺ کی عاجزی اور انکساری کا اظہار تھا۔حقیقت یہ ہے جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تمام انبیائے کرام منصب نبوت میں برابر ہیں۔ پھر اولوالعزم رسول ہونے کے لحاظ سے بعض کا درجہ دوسروں سے بلند تر ہے اوران میں بھی سب سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں۔

45۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ

45......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِاَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ، فَمَکَثَ بِمَکَّۃَ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ سَنَۃً یُوْحٰی اِلَیْہِ ، ثُمَّ اُمِرَ بِالْھِجْرَۃِ ، فَھَاجَرَ عَشْرَ سِنِیْنَ ، وَمَاتَ وَھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَۃً .

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 5837 — صحیح بخاری ، رقم: 3851
صحیح مسلم ، رقم: 6096 — ترمذی ، رقم: 3652
اللؤلؤوالمرجان ، رقم: 1516

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس برس کی عمر میں مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ تیر(13) سال مکے میں رہے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ دس سال تک (مدینے میں) قیام فرمایا اور تریسٹھ (63) سال کی عمر میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔

تشریح:

بظاہر یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی صحابی نبی ﷺ کے احوال و کیفیات میں سے کوئی چیز بیان کرے تو اصطلاح میں یہ بھی حدیث کہلاتی ہے۔

اس حدیث میں نہایت ہی مختصر انداز میں نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت چالیس برس کی عمر میں ہوئی۔ اس کے بعد آپ تیرہ (13) سال مکے میں رہے۔ پھر مدینہ ہجرت فرمائی۔ وہاں دس برس رہے اور تریسٹھ (63) برس کی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ کی تفصیل جاننے کے لیے سیرت پر لکھی گئی بہت سی کتب موجود ہیں۔

46۔ نبی ﷺ کی شان میں مبالغہ نہ کرو

46..... ((عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
لا تُطْرُوْنِی کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارَی بْنَ مَرْیَمَ ، فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ ، فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 4897 صحیح بخاری ، رقم: 3445
دارمی ، رقم: 2784 مسند احمد ، رقم: 154

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میری شان بیان کرنے میں حد سے نہ بڑھو، جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں حد سے بڑھ گئے۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم بھی مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ﷺ کہو۔''

تشریح:

اس حدیث میں ''لاتُطْرُوْنِیْ'' کے الفاظ آئے ہیں جو ''اَطْرٰی یُطْرِیْ اِطْرَاءً ا'' سے ہیں۔ مشہور ومستند عربی لغت 'لسان العرب' میں ''اِطْرَاءٌ'' کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں:

''مُجَاوَزَۃُ الْحَدِّ فِی الْمَدْحِ وَالْکَذِبُ فِیْہِ .

''کسی کی تعریف میں حد سے بڑھ جانا اور اس میں جھوٹ شامل ہونا''

پھر اس لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے 'صاحب لسان العرب' نے لکھا ہے:

اَطْرٰی فُلَانٌ فُلَانًا: اِذَا مَدَحَہٗ بِمَالَیْسَ فِیْہِ . (لسان العرب ، لابن منظور ، مادہ 'طری')

''فلاں نے فلاں کی 'اِطراء' کی کا مطلب ہے اُس نے اُس کی ایسی خوبی بیان کی جو اُس میں نہیں پائی جاتی۔''

اِطْرَاءٌ سے ملتا جلتا لفظ ''غُلُوٌّ'' بھی ہے۔ جس کے لفظی معنی حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنے کے ہیں۔ یہ دونوں لفظ 'افراط' کے معنوں میں آتے ہیں۔ قرآن مجید میں 'غلو فی الدین' یعنی دین میں افراط کے فتنے سے روکا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ (النساء: 171)

''اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں صرف حق بات کہو۔''

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

...... اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ، فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ.

(نسائی رقم: 3057۔ ابن ماجه، رقم: 3029۔ ابن خزیمه، رقم: 2867۔ الصحیحه، رقم: 1283)

''دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگ غلو فی الدین کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔''

'غلو فی الدین' کا مطلب یہ ہے کہ دین میں کسی چیز کو اُس کے اصل درجے اور مقام سے بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دینا۔

مثال کے طور پر نفل کو فرض اور واجب کا درجہ دینا۔ کسی اُمتی کو امام معصوم بنا دینا۔ کسی نبی کو خدا بنا لینا، یا خدا کا بیٹا بنا لینا، یا خدائی میں شریک سمجھنا، جس چیز کا ادب اور احترام کرنا چاہیے اُسے سجدہ کرنا اور اُس کی پوجا شروع کر دینا یہ سب غلو فی الدین ہے جو گمراہی ہے، بدعت ہے اور فتنہ ہے۔

حدیث میں ''نصاریٰ'' یعنی عیسائیوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ 'اِطراء' غلو، اور 'اِفراط' کے فتنے میں سب سے زیادہ مبتلا ہوئے۔ اُنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ کے بندے اور اُس کے رسول تھے، خدا کا بیٹا بنا دیا اور پھر اُن کو خدائی اور اُلوہیت کا درجہ دے دیا۔ اُنہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو جو عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں، نعوذ باللہ خدا کی ماں بنا دیا۔ انہوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو، جو اللہ کے بندے اور فرشتے ہیں، خدائی کی تثلیث (Trinity) میں شامل کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو زہد و تقویٰ کی تعلیم دی تھی مگر اُنہوں نے اس میں غلو کر کے رہبانیت کی بدعت کا پورا کا خانہ بنا لیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو 'اِطراء' 'غلو' اور افراط کے جس فتنے میں خبردار کیا تھا، افسوس ہماری اُمت بھی اُسی کا شکار ہوگئی۔

آج بھی بعض لوگ حضرت محمد ﷺ کو حاضر و ناظر، سمیع و بصیر، مشکل کشا، حاجت روا اور عالم الغیب مانتے ہیں حالانکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی الصفات کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح کئی عاشقانِ رسول ﷺ، ایسے بھی ہیں جو حضور ﷺ کو ''نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ'' یعنی اللہ کے نور کا ٹکڑا قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

47۔ حضور ﷺ اور قربِ قیامت

47......عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ.))

مشکٰوۃ المصابیح، رقم: 5509 صحیح بخاری، رقم: 6504
صحیح مسلم، رقم: 7405,7404 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1863

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''میں اور قیامت ان دونوں (انگلیوں) کی طرح بھیجے گئے ہیں۔''

تشریح:

یہ حدیث قیامت کے قرب کو ظاہر کرتی ہے۔اس میں نبی ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کلمہ شہادت والی اُنگلی اور اُس کے برابر والی اُنگلی کو ملا کر یہ فرمایا ہے کہ: میری بعثت اور قیامت ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب ہے جتنی یہ دو انگلیاں ایک دوسرے کے قریب اور ساتھ ساتھ ہیں۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تاریخی اعتبار سے ہر نبی اور اُس کی اُمت کا دور ختم ہو چکا۔اب حضور ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی اُمت کا دَور شروع ہوگیا ہے جو قیامت پر جا کر ختم ہوگا۔اس تمام عرصے کے دوران میں نہ کوئی دوسرا نبی آئے گا اور نہ کوئی اور اُمت برپا ہوگی۔اب یہ آخری نبی اور اُس کی آخری امت کا زمانہ ہے جو جلد ختم ہوجائے گا۔لہٰذا قیامت کو دُور سمجھ کر اُس سے بے فکر نہ ہوجاؤ بلکہ اُسے قریب جان کر اُس کے لیے تیاری کرو۔

اس حدیث میں اُنگلیوں کے اشارے سے جہاں حضور ﷺ کے سمجھانے کا ایک انداز ملتا ہے وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی امانت و دیانت اور حدیث کی حفاظت کے سلسلے میں اُن کا احساسِ ذمہ داری بھی ظاہر ہوتا ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی بات کو اُسی طرح امت تک پہنچایا جس طرح کہ دیکھا تھا اور انہوں نے آپ ﷺ کی حرکات و سکنات کو بھی محفوظ رکھا۔دو انگلیوں کی اس حالت کو صحیح مسلم کی حدیث رقم، 1705 میں راویوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔

48۔ نبی ﷺ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریبی تعلق

48......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((اَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فِی الْاُوْلٰی وَالْآخِرَةِ، اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ، وَاُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی۔، وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ، وَلَیْسَ بَیْنَنَا نَبِیٌّ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5722 صحیح بخاری، قم: 3443,3442

صحیح مسلم، رقم: 6132,6131,6130 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1526

صحیفہ همام بن منبه، رقم: 134

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دنیا اور آخرت میں دوسرے لوگوں کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام سے میرا زیادہ قریبی تعلق ہے،

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیسے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تمام انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں۔ اُن کی مائیں الگ الگ ہیں۔ سب کا دین ایک ہے، اور میرے اور عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔''

تشریح:

حضرت محمد ﷺ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو خاص نسبت اور قریبی تعلق ہے وہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

(1)...... ان دونوں کے درمیان میں کوئی اور نبی نہیں بھیجا گیا۔ ان دونوں کا درمیانی عرصہ پانچ (500) برس کے لگ بھگ ہے۔ گویا انبیائے کرام کی صف میں یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہیں۔

(2)...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہایت واضح الفاظ میں حضور ﷺ کی آمد کی بار بار پیش گوئی فرمائی جیسا کہ انجیلوں سے ثابت ہے۔ خود قرآن مجید میں اُن کی طرف سے حضور ﷺ کے بارے میں یہ پیش گوئی موجود ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ (الصف: 6)

''اور ایک ایسے رسول کے آنے کی خوش خبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے، اُن کا نام احمد ﷺ ہوگا۔''

اور سب جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کا ایک نام 'احمد' بھی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں تین مقامات پر نبی ﷺ کا یہ قول روایت کیا گیا ہے:

......اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَنَا اَحْمَدُ . . . (صحیح مسلم، رقم: 6108,6106,6105)

''میں محمد ﷺ ہوں اور میں احمد ﷺ ہوں۔''

(3)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانے میں امت محمدیہ ﷺ کے درمیان دوبارہ تشریف لائیں گے۔ سب لوگوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کریں گے، دجال کو قتل کریں گے اور اسلامی شریعت نافذ کریں گے۔

پھر اس حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ ''تمام انبیائے کرام آپس میں علاّتی بھائی ہیں جن کا باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہیں'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیائے کرام صاحبِ وحی ہونے میں برابر ہیں اور منصبِ نبوت کی ذمہ داری گویا باپ ہے جس کے تحت سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی الگ الگ شریعتیں گویا الگ الگ مائیں ہیں البتہ سب کا دین ایک ہی ہے جو توحید کا دین ہے جس میں شرک نہیں ہے۔ سب کے ہاں بنیادی تعلیم ایک جیسی ہے جیسے عقیدہ نبوت و رسالت، عقیدۂ آخرت، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، ایک اللہ کی عبادت جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ، حقوق العباد جیسے والدین سے حسنِ سلوک اور اچھے اخلاق جیسے سچ بولنا، دیانتداری وغیرہ۔ (البتہ اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر فضیلت حاصل ہے)

اس حدیث کی روشنی میں مسلمانون کو چاہیے کہ وہ آج کل کے عیسائیوں کو یہ پیغام دیں اور اُن پر یہ حقیقت واضح کریں کہ:

1: حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ہی اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔

2: ان دونوں کا دین ایک ہی ہے۔

3: اسلام صرف مسلمانوں کا دین نہیں ہے بلکہ یہ عیسائیوں کا بھی دین ہے جسے وہ غلطی سے غیروں کا دین

سمجھ بیٹھے۔

4: حضرت محمد ﷺ صرف مسلمانوں کے لیے رہنما، ہادی اور پیغمبر نہیں ہی بلکہ آپ ﷺ عیسائیوں کے لیے بھی رہنما، ہادی اور پیغمبر ہیں۔

5: قرآن صرف مسلمانوں کے لیے کتاب ہدایت نہیں ہے بلکہ وہ عیسائیوں کے لیے بھی کتابِ ہدایت ہے۔

49۔ حضرت ایوب علیہ السلام اور سونے کی ٹڈیوں کا واقعہ

49۔۔۔۔۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((بَیْنَا اَیُّوْبَ یَغْتَسِلُ عُرْیَانًا ، فَخَرَّ عَلَیْهِ جَرَادٌ مِنْ ذَهَبٍ ، فَجَعَلَ اَیُّوْبُ یَحْثِیْ فِیْ ثَوْبِهٖ ، فَنَادَاهُ رَبُّهٗ: یَا اَیُّوْبُ! اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَیْتُكَ عَمَّا تَرٰی؟ قَالَ: بَلٰی وَعِزَّتِكَ ، وَلٰكِنْ لَا غِنًی بِیْ عَنْ بَرَكَتِكَ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 5707 صحیح بخاری ، رقم: 279 نسائی ، رقم: 409

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک دفعہ حضرت ایوب علیہ السلام (غسل خانے میں) برہنہ حالت میں غسل کر رہے تھے کہ اُن پر سونے کی ٹڈیاں کا ایک دَل گرنے لگا۔ انہوں نے ان کو اپنے کپڑوں میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس پر اُن کے رب نے اُن کو پکارا: ایوب علیہ السلام! کیا میں نے تمہیں مال عطا کر کے ان ٹڈیوں سے بے نیاز نہیں کر دیا؟

انہوں نے عرض کیا:

تیری عزت وعظمت کی قسم! کیوں نہیں، لیکن میں تیری برکت سے کیسے بے نیاز ہو سکتا ہوں؟

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہو گزرے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر درج ذیل چار (4) مقامات پر آیا ہے

سورہ النساء آیت: 163، سورہ الانعام آیت: 84، سورہ الانبیاء آیت: 83، سورۃ ص آیت: 41۔

ایک بار آپ سخت بیمار ہو گئے تھے لیکن آپ نے نہایت صبر و ہمت سے کام لیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو صابر اور "نِعْمَ الْعَبْدُ" (اچھا بندہ) کا خطاب دیا ہے۔ (سورہ ص آیت: 44)

اپنی بیماری سے شفا پانے کے لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾

”اے میرے راب! مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے“
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفائے کامل عطا فرما دی۔

اس حدیث میں حضرت ایوب علیہ السلام کا جو واقعہ بیان ہوا ہے اُس سے درج ذیل مسائل نکلتے ہیں:

1: کسی ایسی جگہ ننگے ہو کر نہا لینا، جہاں دوسرے لوگ نہ دیکھ سکیں، بالکل جائز ہے۔

2: غربت اور تنگ دستی کی زندگی سے خوش حالی کی زندگی بہتر ہے۔

3: اس حدیث سے حلال روزی حاصل کرنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔

4: اس میں مال و دولت اور خوش حالی کو ”برکت“ کہا گیا ہے، قرآن مجید میں بھی حلال روزی کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورہ الجمعہ آیت 10 میں ہے کہ:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

’پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔“

5: مال و دولت بجائے خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک نعمت بھی ہے اور آزمائش بھی۔ بندہ اسے جائز طریقے سے مصرف میں لائے تو اس میں بھلائی ہی بھلائی ہے لیکن اگر وہ اسے ناجائز طور پر خرچ کرے۔ فضول خرچی، اسراف اور تبذیر سے کام لے تو یہ فتنہ اور وبالِ جان بھی ہے اور آخرت میں اس کا حساب دینا پڑے گا۔

باب 7......سنت کی پیروی

50۔سنت کی پیروی لازمی ہے

50...... عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْ کَرِبَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَلا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ؛ اَلا یُوْشَكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ: عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْآنِ، فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ، وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ، وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کَمَا حَرَّمَ اللّٰہُ؛ اَلا لَا یَحِلُّ لَکُمُ الْحِمَارُ الْاَھْلِیُّ، وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِّنَ السَّبَاعِ، وَلَا لُقَطَۃُ مُعَاھِدٍ اِلَّا اَنْ یَّسْتَغْنِیْ عَنْھَا صَاحِبُھَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ، فَعَلَیْکِمْ اَنْ یَّقْرُوْہُ، فَاِنْ لَّمْ یَقْرُوْہُ، فَلَہٗ اَنْ یُّعْقِبَھُمْ بِمِثْلِ قِرَاہُ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 163 ابوداوٗد، رقم: 4604
دارمی، رقم: 586 ابن ماجہ، رقم: 12
مسند احمد، رقم: 17326

''حضرت مقدام بن مَعْدِی کَرِب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
یاد رکھو، مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کی مثل عطا کی گئی ہے۔سنو! ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کوئی شکم سیر خوشحال آدمی اپنی مسند پر بیٹھے ہوئے یہ کہے گا کہ:

''تم اس قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال بتایا گیا ہے اسے حلال سمجھو اور اس میں جو چیز حرام قرار دی گئی ہے اُسے حرام جانو۔''

حالانکہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے اُسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ یاد رکھو! پالتو گدھا، کچلی والے (نوکیلے دانتوں والے) درندے اور ذمی کی گری پڑی چیز یہ سب تمہارے لیے حرام ہے۔ البتہ اگر خود ذمی کو اس گری پڑی چیز کی حاجت نہ ہو تو پھر وہ چیز تمہارے لیے جائز ہے۔ اگر کوئی مسافر شخص کسی قوم کا مہمان ہو تو اُن کو چاہیے کہ اُس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ اس کی ضیافت

نہیں کریں گے تو مہمان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اُن سے ضیافت کی چیزیں خود لے لے۔"

تشریح:

یہ حدیث ابو داؤد سے لی گئی ہے لیکن الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہی حدیث دارمی اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے تاہم ان سب کا مضمون ایک ہی ہے۔

اس حدیث میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو قرآن کے علاوہ اسی جیسی اور چیز بھی عطا کی گئی ہے جسے حدیث وسنت کیا جاتا ہے۔

پھر یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آئندہ میری امت کے کچھ خوش حال اور دولت مند لوگ صرف قرآن کو مانیں گے اور حدیث وسنت کا انکار کریں گے۔

آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوچکی ہے۔ دورِ قدیم میں خوارج اور بعض معتزلہ نے حدیث کا انکار کیا تھا اور ہمارے زمانے میں جدید منکرینِ حدیث بھی پائے جاتے ہیں۔

پھر اس حدیث میں آگے چل کر کچھ ایسی باتیں بتائی گئی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے مگر حدیث نے ان کے بارے میں احکامات دیے ہیں تاکہ اس دعوے کی تصدیق ہوجائے کہ نبی ﷺ کو قرآن کے علاوہ اس جیسی اور چیز بھی عطا ہوئی اور وہ بھی وحی ہے جو حدیث وسنت کی صورت میں موجود ہے اور جس کے احکام بھی قرآن احکام کی طرح شرعی احکام ہیں:

1: پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے۔

2: کچلی والے (نوکیلے دانتوں والے) درندوں کا گوشت بھی حرام ہے۔

3: ذمی یعنی غیر مسلم اقلیت کی گری پڑی چیز اُٹھالینا بھی حرام ہے۔ سوائے اس صورت کے جب اس کے مالک کو اس کی کوئی ضرورت نہ ہو۔

4: مہمان کی مہمان نوازی ضروری ہے۔ اگر اُس کی مہمان نوازی سے انکار کیا جائے گا تو مہمان کو حق حاصل ہوگا کہ وہ لوگوں کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کوئی چیز لے لے۔

حدیث بھی وحی ہے:

اس پر اجماع ہے کہ قرآنِ مجید کے علاوہ حدیث وسنت بھی وحی کا درجہ رکھتی ہے اور رسول اللہ ﷺ پر

قرآن کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔

لیکن ماضی کے خوارج اور کچھ معتزلہ کی طرح بعض جدید دور کے منکرین حدیث نے بھی حدیث وسنت کے وحی ہونے کا انکار کیا ہے اور ایک غلط اور گمراہ کن موقف اختیار کیا ہے کہ حضور ﷺ پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ اگر ہوتی بھی تھی تو اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

((أَلا إِنِّيْ أُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ .))

(ابوداؤد، ابن ماجه، دارمی، عن مقدام بن معدیکرب رضی الله عنه)

''سنو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی اور چیز بھی دی گئی ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے رسول اللہ ﷺ پر ہونے والی وحی کی دو اقسام کی ہیں۔ ایک وحی متلو: جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ قرآن ہے۔ اور دوسری وحی غیر متلو: جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور وہ حدیث کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے اور اسی پر تمام فقہاءِ اسلام کا اجماع ہے۔ پھر جس طرح ہر مسلمان قرآن کی وحی (وحی متلو) کا پابند ہے، اسی طرح وہ حدیث کی وحی (وحی غیر متلو) کے احکام کا بھی پابند ہے۔

51۔ سنت کی پیروی کرنا اور بدعت سے پرہیز کرنا

51......عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضي الله عنه قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ، ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً، ذَرِفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا، فَقَالَ: ((اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَاِنْ كَانَ عَبْداً حَبَشِيًّا، فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا؛ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتُ الْاُمُوْرِ؛ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 165 مسند احمد، رقم: 17272
ابوداوٗد، رقم: 4607 ترمذی، رقم:2676
ابن ماجه، رقم: 42 دارمی، رقم: 95

”حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ پھر اپنا رُخ انور ہماری طرف کیا اور اتنے بلیغ اور موثر انداز میں ہمیں وعظ و نصیحت فرمائی کہ سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل ڈر گئے۔
اس موقع پر ایک شخص نے عرض کیا:
یارسول اللہ ﷺ! یہ تو الوداعی شخص کی نصیحتیں معلوم ہوتی ہیں، ہمیں کچھ اور بھی تاکید فرمائیں۔
پھر آپ ﷺ نے فرمایا:
میں تم لوگوں کو تاکید کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی اور اپنے حکمرانوں کا حکم سننے اور اُسے ماننے کی، خواہ وہ امیر کوئی حبشی غلام ہو۔ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا۔ اُس وقت تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ اس سے چمٹے رہنا اور داڑھوں کے ساتھ اسے پکڑے رکھنا۔ دیکھو، دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے بچنا کیونکہ ایسی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر

بدعت گمراہی ہے۔''

تشریح:

نبی ﷺ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنے خطبوں اور اپنی تقریروں کے ذریعے دین کی تعلیم دیتے اور اُن کو وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔

اس حدیث میں کسی خاص خطبے کی طرف اشارہ ہے جو اس قدر بلیغ اور اثر انگیز تھا کہ سامعین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اُن کے دلوں پر رقت طاری ہوگئی اور اُن کو یوں محسوس ہوا جیسے حضور ﷺ ایک ایسے شخص کی طرح ارشاد فرمارہے ہیں جو آخری وقت وصیت کے انداز میں دوسروں سے باتیں کر رہا ہو۔ اسی کیفیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور ﷺ سے مزید ارشادات سننے کی فرمائش کی تو آپ ﷺ نے اُن کو درج ذیل اُمور کی تلقین فرمائی:

1: اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا تاکہ گناہوں سے بچے رہو۔

2: مسلمان حکمرانوں کی معروف میں اطاعت کرنا خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہو، تاکہ تم متحد رہو اور بڑی قوت بنو۔

3: اختلاف کی صورت میں سنت کو اور خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اس سے اختلاف ختم کرنے میں مدد ملے گی۔

4: بدعت سے بچنا کیونکہ یہ گمراہی ہے (بدعت کی وضاحت حدیث نمبر 37,36 میں کی گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے)

52۔ حضور ﷺ کی اطاعت نہ کرنے والا دوزخی ہے

52...... وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی)) قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی؟ قَالَ: ((مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی.))

مشکٰوة المصابیح، رقم: 143　　صحیح بخاری، رقم: 7280　　مسند احمد، رقم: 8713

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میری ساری اُمت جنت میں جائے گی سوائے اُن کے جنہوں نے انکار کیا۔
عرض کیا گیا: کس نے نکار کیا؟
آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے گویا انکار کیا۔

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے والے اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والے نیک اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

2: اُمتِ دعوت میں سے جو لوگ حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے وہ کافر ٹھہرے اس لیے وہ جنت میں نہیں جاسکتے۔ بلکہ وہ دوزخ میں جائیں گے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی شخص حضور ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں پاسکتا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انکار کی شکل ہے۔

3: ایسے لوگ جو نام کے مسلمان ہیں مگر اُن کی ساری عمر نبی ﷺ کی اطاعت کی بجائے سرکشی، انحراف اور بغاوت میں گزری، ایسے نافرمان لوگ بھی جنت میں نہیں جاسکیں گے۔ اُن کے لیے بھی دوزخ کا عذاب ہوگا۔

غرض اس حدیث میں حضور ﷺ کی اعتقادی اور عملی نافرمانی کرنے والوں کا انجام دوزخ بتایا گیا ہے اور آپ ﷺ کی اعتقادی اور عملی اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

باب 8......قرآنِ مجید

53۔تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے

53...... ((عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 2109 صحیح بخاری، رقم: 5027
ابو داوٗد، رقم: 1452 ترمذی، رقم: 2909

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔"

تشریح:

اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ پہلے خود قرآن سے تعلیم وہدایت حاصل کریں اور پھر اسے دوسروں تک پہنچانے کا کام کریں وہی مسلمانوں کے اندر بہترین انسان ہیں۔

اگر کوئی شخص اللہ کی ہدایت پا کر اپنی زندگی کی اصلاح کر لیتا ہے تو بے شک وہ بھی ایک اچھا انسان ہے لیکن اس سے اور باقی تمام انسانوں سے بہتر وہ انسان ہے جو اللہ کی ہدایت پانے کے بعد نہ صرف اپنی اصلاح کر لے بلکہ دوسرے لوگوں تک بھی اس ہدایت کو پہنچانے کی کوشش کرے تا کہ اُن کی بھی اصلاح ہو سکے۔

پھر چونکہ دنیا میں سب سے اعلیٰ تعلیم قرآن کی تعلیم ہے اس لیے اُس کا متعلّم (سیکھنے والا) اور اُس کا مُعلم (سکھانے والا) بھی دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔

54۔قرآن پڑھنے والا مومن کی مثال

54......وَعَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مِثْلُ الْاُتْرُجَّةِ، رِیْحُهَا طَيِّبٌ، وَ طَعْمُهَا طَيِّبٌ؛ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ، لَا رِيحَ لَهَا وَ طَعْمُهَا حُلْوٌ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ، رِیْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.))

مشكوة المصابيح، رقم: 2114 — صحیح بخاری، رقم: 5427
صحیح مسلم، رقم: 1860 — ابوداوٗد، رقم: 4829
ترمذی، رقم: 2865

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قرآن کی تلاوت کرنے والا مومن نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہے۔ جو مومن قرآن نہ پڑھے وہ کھجور کی طرح ہے جس کی کوئی خوشبو نہیں البتہ ذائقہ میٹھا ہے۔ وہ منافق جو قرآن نہ پڑھتا ہو وہ حنظل یعنی تُمے کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں اور ذائقہ کڑوا ہے۔ جو منافق قرآن پڑھتا ہے وہ نازبو کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی مگر ذائقہ کڑوا ہے۔''

تشریح:

قرآن مجید کی عظمت اور شان بیان کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے کتنی عمدہ مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ گویا قرآن ایک خوشبو کی طرح ہے۔ اگر مومن اسے پڑھتا ہے تو بھی اس کی خوشبو پھیلتی ہے اور اگر منافق بھی اسے پڑھے تو اس کی خوشبو پھیلتی ہے۔

لیکن چونکہ مومن اور منافق میں ایمان اور نفاق کا فرق ہوتا ہے، اس لیے مومن اگر قرآن پڑھتا ہے تو وہ ترنج یعنی نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہے۔ لیکن جو مومن نہ پڑھے تو اس کی خوشبو تو نہیں پھیلتی لیکن اس کی شخصیت بہرحال اُس پھل (یعنی کھجور) کی طرح ہے جو خوش ذائقہ ہو۔ لیکن

جو منافق قرآن نہیں پڑھتا تو اُس کی خوشبو بھی نہیں پھیلے گی اور اُس کی شخصیت بھی بد مزہ اور کڑوے پھل حنظل یعنی ایلوے یا تُمّے کی طرح ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اُس کے مطابق عمل بھی کرتا ہے تو اس کی مثال ترنج یعنی نارنگی کی سی ہے۔اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا مگر اُس کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کی مثال کھجور کی طرح ہے۔

ان دونوں روایتوں میں بس اتنا فرق ہے کہ ایک روایت میں قرآن پڑھنے اور اُس پر ایمان رکھنے کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے اور دوسری روایت میں قرآن پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔

اصولی طور پر دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

55۔قرآن کے ماہر کی فضیلت

55...... عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ ﷺ :

((اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ ، وَالَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَ يَتَتَعْتَعُ فِيْهِ ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ ، لَهُ أَجْرَانِ .))

مشكوة المصابيح ، رقم: 2112 صحيح بخاري ، رقم: 4937

صحيح مسلم ، رقم: 1862 ابو داؤد ، رقم: 1454

اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 461

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قرآن کا ماہر شخص اُن فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو معزز اور فرماں بردار ہیں۔ جو شخص اٹک اٹک کر قرآن کو مشکل سے پڑھتا ہو، اُس کے لیے دوہرا اجر ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کا علم حاصل کرتا ہے، اس میں سمجھ اور بصیرت پیدا کرتا ہے اور اس میں مہارت و کمال کے درجے تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے وہ آخرت میں اُن فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو قرآن لکھنے والے، معزز اور پاکیزہ ہیں۔

قرآن مجید میں اُن فرشتوں کا ذکر اس طرح آیا ہے:

﴿فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ. مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ. بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ. كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾

(عبس: 13تا16)

''یہ (قرآن) اُن صحیفوں میں درج ہے جو تعظیم کے لائق ہیں، بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں۔ وہ لکھنے والے ایسے فرشتوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں جو معزز اور نیک ہیں۔''

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا انسان ان فرشتوں جیسا بن جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ اُسے فرشتوں جیسا مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے گا۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی کہ اگر معمولی عقل کا کوئی شخص جس کی زبان بھی صحیح نہ چلتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر بڑی مشکل سے قرآن مجید پڑھنے کی کوشش اور محنت کرتا ہے تو اُسے دوہرا اجروثواب ملے گا۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن کو سمجھے بغیر پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اُسے ہر حرف کے بدلے دس (10) نیکیاں ملتی ہیں اور اسی حدیث میں جن الفاظ کی مثال دی گئی ہے وہ الٓمّٓ کی دی گئی ہے کہ یہ تین الگ الگ حرف ہیں اور ان کے پڑھنے سے گویا تیس (30) نیکیاں ملتی ہیں۔ حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ الٓمّٓ کے معنی کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

وہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لاَ أَقُوْلُ: (الٓمٓ) حَرْفٌ. أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلاَمٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ.))

ترمذی، رقم: 2910 مشکوۃ المصابیح، رقم: 2137 دارمی، رقم: 3356

”جو شخص اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھتا ہے اُس کے بدلے میں اسے ایک نیکی ملتی ہے اور (یہ قرآنی اصول ہے کہ) ہر نیکی کا بدلہ دس (10) نیکیاں ملتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ 'الف' ایک حرف ہے، 'لام' ایک حرف ہے اور 'میم' ایک حرف ہے۔“

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں اور اسے صرف تلاوت تک محدود رکھیں۔ قرآن مجید کے ہم پر جو درج ذیل پانچ (5) حقوق ہیں اُن کو بہرحال پورا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے:

1: یہ کہ اُس پر ایمان لایا جائے۔

2: یہ کہ اُس کی تلاوت کی جائے۔

3: یہ کہ اس کو سمجھا جائے۔

4: یہ کہ اُس پر عمل کیا جائے۔

5: اس کی دعوت دوسروں تک پہنچائی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ قرآنی حقوق پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے!

56۔سورۃ اخلاص قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے

56......عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ)) قَالُوْا: وَ كَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ؟ قَالَ:
((﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ يَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 2127 صحیح مسلم، رقم: 1886 ترمذی، رقم: 2896

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
کیا تم میں سے کوئی یہ بھی نہیں کرسکتا کہ وہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لے؟
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا:
ایک تہائی قرآن ایک رات میں کیسے پڑھا جاسکتا ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا:
سورہ اخلاص ایک تہائی 1\3 قرآن کے برابر ہے۔

تشریح:

سورہ اخلاص قرآن مجید کی ایک سو بارھویں (112) سورت ہے۔اس کی کل چار آیتیں ہیں۔
اس سورت کے مضمون میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی ذات وصفات کا ذکر ہے، توحید کا اثبات کیا گیا ہے اور ہر قسم کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔
مضامین ومطالب کے لحاظ سے قرآن مجید کو تین جامع عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: توحید، رسالت اور آخرت۔
پھر چونکہ سورۂ اخلاص میں توحید کا مضمون جامع طریقے سے بیان ہوا ہے اس لیے مذکورہ حدیث میں اس سورت کو قرآن کے ایک تہائی 1/3 کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ گویا اسے ایک بار پڑھنے سے ایک تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص اس سورت کو تین بار پڑھ

لے، اُسے پورا قرآن پڑھنے کا ثوب مل جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کو سوتے وقت اس سورت کا پڑھنا ایک مسنون وظیفہ ہے۔

اس سورت کے کچھ اور فضائل بھی بعض دوسری احادیث سے ثابت ہیں۔

اس سورت کا ایک اور نام سورۂ توحید بھی ہے۔

57۔ حضور ﷺ کا ایک صحابی سے قرآن سن کر رونا

57......عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: ((اقْرَأْ عَلَيَّ)) قُلْتُ: أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: ((إِنِّیْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِیْ)) فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ قَالَ: ((حَسْبُكَ الْآنَ)) فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 2195
صحیح بخاری، رقم: 5050
صحیح مسلم، رقم: 1867
ابوداؤد، رقم: 6368
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 463

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، مجھے ارشاد فرمایا کہ: مجھے قرآن سناؤ۔

میں نے عرض کیا: کیا میں آپ ﷺ کو قرآن سناؤں حالاں کہ وہ آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ میں دوسروں سے قرآن سنوں۔

اس پر میں نے سورہ النساء پڑھنی شروع کی۔ جب میں اس آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء:41) پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اب بس کرو۔''

پھر جب میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔''

تشریح:

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: نبی کریم ﷺ منبر پر بیٹھ کر ایک صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن سننے کی فرمائش کرتے ہیں۔

2: وہ صحابی بڑے ادب واحترام سے عرض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ یہ قرآن تو خود آپ ﷺ پر اترا ہے

۔آپ ﷺ سے بہتر تو میں اسے نہیں پڑھ سکتا۔

3: اس پر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''دوسروں سے قرآن سننا بھی مجھے پسند ہے۔''

4: محبوب کی باتیں دوسروں کی زبانی سننے میں بھی ایک طرح کی لذت ہوتی ہے۔

5: ادب پر حکم غالب آجاتا ہے اور وہ صحابی آپ ﷺ کے سامنے سورہ النساء کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔

6: جب وہ اس آیت پر پہنچتے ہیں کہ:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾

(النساء: 41)

''پھر اُس دن کیا حال ہوگا جب سب لوگ جمع ہوں گے اور ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک نبی کو گواہ لائیں گے اور اے نبی ﷺ! ہم آپ ﷺ کو ان پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔''

تو رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور آپ ﷺ اُس صحابی کو تلاوت روک دینے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

7: وہ صحابی تلاوت ختم کر کے جب آپ ﷺ کی طرف نگاہ اُٹھاتے ہیں تو اُن کو حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو جھلملاتے نظر آتے ہیں۔

8: اس موقع پر حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے کا سبب کیا تھا؟ اُس نازک اور عظیم ذمہ داری کی جوابدہی کا احساس کہ کیا آپ ﷺ نے پیغمبرانہ حیثیت سے اُمت کے سامنے دین اسلام کی قولی و عملی شہادت دی اور اس کی دعوت کو دوسروں تک صحیح طور پر پہنچایا۔ دوسرے یہ تصور کرتے ہوئے کہ معلوم نہیں اُمت کے اعمال کیسے ہوں گے اور اُن کا انجام کیا ہوگا؟

9: آپ ﷺ کی اُمت دو طرح کی ہے، ایک امت دعوت، جو آپ ﷺ کی تبلیغ کی مخاطب ہے اور دوسری وہ جو آپ ﷺ پر ایمان لائی اور اُمتِ مسلمہ کہلاتی ہے۔

10: اس حدیث سے نبی ﷺ کی اپنی امت پر شفقت و محبت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

11: حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام تر بشری جذبات و احساسات رکھتے تھے اور غم انگیز موقع پر غمگین ہو جاتے تھے اور مسرت آمیز لمحات میں مسکراتے اور کبھی ہنستے بھی تھے۔

58۔ قرآن کو یاد کرتے رہو کیونکہ جلد بھول جاتا ہے

58......عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 2187 — صحیح بخاری ، رقم: 5033
صحیح مسلم ، رقم: 1844 اللؤلؤ والمرجان ، رقم: 545

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
قرآن کا خاص خیال رکھو، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ قرآن سینوں سے نکل جانے میں اُس اُونٹ سے زیادہ تیز ہے جو رسی کھل جانے سے جلد بھاگ جاتا ہے۔''

تشریح:

یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ ایک ہی جیسے مضمون میں بیان ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا قرآن یاد کیا جائے اُسے یاد رکھنے کی کوشش بھی کی جائے۔ اگر اُسے بار بار تکرار کے ذریعے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ جلد بھول جاتا ہے اور ذہن سے نکل جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حفاظ ہمیشہ قرآن کو دہراتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک کی نمازِ تراویح میں قرآن سنانے کے لیے اُن کو پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے (جسے وہ منزل یاد رکھنا کہتے ہیں)۔ اگر کوئی شخص قرآن یاد کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے کا اہتمام نہ کرے تو یہ بہت جلد بھول جاتا ہے۔

59۔قرآن مجید، اُمت کے عروج وزوال کا پیمانہ

59......عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 2115 صحیح مسلم، رقم: 1897 ابن ماجه، رقم: 218

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ اِس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب یعنی قرآن کی دعوت پر لبیک کہیں اور اس کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو عروج، عزت اور ترقی دے گا اور دنیا اور آخرت میں سر بلندی عطا فرمائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ اس قرآن کی دعوت کو ٹھکرا دیں گے اور اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے یا اسے رَدکر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن پر ذلت وزوال مسلط کرے گا اور اُن کو پستی میں گرا دے گا۔ ان کے لیے نہ تو دنیا کی سربلندی ہے اور نہ آخرت کی کامیابی۔

گویا قرآن مجید کسی قوم کی پستی و بلندی اور عروج وزوال کے لیے ایک پیمانہ اور معیار ہے جو لوگ اس پر پورا اتریں اُن کے لیے بلندی اور عروج ہے اور جو اس پر پورے نہ اُتریں اُن کے لیے پستی اور زوال ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں یہ دعویٰ ایک ایسی حقیقت ہے جو مسلمانوں کی تاریخ سے سچی ثابت ہوئی ہے۔

جب تک امت مسلمہ قرآن کی دعوت پر عمل پیرا رہی اُسے عروج حاصل رہا اور یہ عرصہ ابتدائی چار سو برس تک محیط ہے۔ پھر جس قدر قرآن کی دعوت سے انحراف ہوتا گیا اُمت مسلمہ زوال کا شکار ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ آٹھویں صدی ہجری میں غیر مسلم تاتاریوں نے مسلمانوں کے سیاسی مرکز بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے بعد ابھی چند صدیاں نہیں گزری تھیں کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں کے تمام ممالک اور مقبوضات کو فتح کر کے اُن کی رہی سہی قوت کا خاتمہ کر دیا۔

باب 9...... تقدیر

60۔ انسانی تقدیر کیا ہے؟

60...... عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ: ((اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً نُطْفَةً ، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ ، وَ اَجَلَهٗ وَ رِزْقَهٗ ، وَ شَقِيٌّ اَوْسَعِيْدٌ ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ ، فَوَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا۔ وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا .

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 82
صحیح بخاری ، رقم: 3208
صحیح مسلم ، رقم: 6723
ابوداؤد ، رقم: 4708
ترمذی ، رقم: 2137
ابن ماجه ، رقم: 76
اللؤلؤوالمرجان ، رقم: 1695

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا:
تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں اس طرح مکمل ہوتی ہے کہ وہ چالیس (40) دن تک نطفے کی حالت میں رہتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت تک وہ جما ہوا خون ہوتا ہے۔ پھر اتنی ہی مدت تک وہ گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ پھر اللہ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو چار باتیں لکھتا ہے اُس کے اعمال، اُس کی عمر، اُس کی روزی اور اس کا بدنصیب یا خوش نصیب ہونا۔ پھر اُس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے شک تم میں سے کوئی شخص جنتیوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر اُس پر تقدیر غالب آجاتی ہے تو وہ دوزخیوں جیسا کوئی عمل کرتا ہے اور اُسے دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

اسی طرح تم میں سے کوئی شخص دوزخ والوں جیسے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر اُس پر تقدیر غالب آتی ہے اور وہ جنت والوں جیسا کوئی عمل کرتا ہے اور اُسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

تشریح:

اس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان رحمِ مادر میں چالیس (40) دن تک نطفے کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر عَلَقہ (جما ہوا خون) بن جاتا ہے جو مزید چالیس (40) دنوں تک اسی حالت میں رہتا ہے۔ پھر وہ مُضغہ (گوشت کا لوتھڑا) بنتا ہے اور مزید چالیس (40) اسی حالت پر گزر جاتے ہیں۔ پھر 120 دن پورے ہو جانے پر اللہ تعالیٰ اُس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس شخص کے اچھے برے اعمال، اُس کی عمر، اُس کی روزی اور اس کا جنتی یا دوزخی ہونا لکھ دیتا ہے۔ یہی تقدیر ہے جو اللہ نے ہر انسان کے لیے پہلے سے لکھ دی ہے۔

1- تقدیر کیا ہے؟

تقدیر سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ قواعد وضوابط ہیں جو اُس نے کائنات کی ہر چیز کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ یہی وہ تدابیر الٰہی ہے جس کے مطابق دنیا کا یہ سارا نظام چل رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ صرف خالق اور مدبر ہی نہیں ہے بلکہ وہ علم والا اور قدرت رکھنے والا بھی ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ اُسے ابتدا سے انتہا تک، ازل سے ابد تک، زندگی، موت، عالم برزخ، محشر اور اس کے بعد کے حالات کا بخوبی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی علم اور اندازہ ہے جو لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ اسی پر یقین رکھنا تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ دوسرے یہ کہ خیر وشر اور بھلائی برائی کا خالق بھی صرف اللہ ہی ہے۔

2- بے عملی اور بد عملی کا بہانہ:

بعض لوگ تقدیر کو اپنی بے عملی اور بدعملی کا بہانہ بنا لیتے ہیں کہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے، سب کچھ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے، پھر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ایسے لوگ تقدیر کو اپنے گناہوں اور برائیوں کا بہانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے لوگ لوحِ محفوظ میں اپنی تقدیر پڑھ کر برائی یا گناہ کرتے ہیں ؎

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں، بنا کے تقدیر کا بہانہ

(اقبال)

یہ وہی عذرِ لنگ (Lame Excuse) ہے جو عرب کے مشرکین بھی اپنے شرک کے جواز میں پیش کرتے تھے۔

﴿سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْشَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ﴾ (الانعام:148)

''عنقریب وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کر لیتے۔''

تقدیر کو اپنی بے عملی یا بدعملی کا بہانہ بنانے والے اس لیے بھی اپنی بات میں سچے نہیں ہیں کہ وہ روزمرہ کی زندگی میں بیماری، بھوک پیاس، کھانے پینے اور دوسرے بہت سے اُمور میں تقدیر کا بہانہ نہیں بناتے۔ صرف دینی کاموں اور ذمہ داریوں سے بچنے کے لیے یہ عذر تراشتے ہیں۔

3- ثواب اور عذاب:

عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب ہر بات پہلے سے لکھی ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ہے اور اللہ کا قانون بدلا بھی نہیں جاسکتا تو پھر آخرت میں عذاب وثواب کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو کے لحاظ سے انسان آزاد اور خودمختار ہے اور دوسرے پہلو کے لحاظ سے وہ مجبورِ محض ہے۔

انسان اس پہلو سے آزاد و مختار ہے کہ وہ اپنی عقل سے اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔ پھر اپنے آزاد ارادے سے نیکی یا برائی کرتا ہے۔ وہ اپنے ارادے سے نماز پڑھتا ہے اور اپنے ارادے سے چوری بھی کرسکتا ہے۔

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو انسان اپنی اس آزادی وخودمختاری کے باوجود مجبور بھی ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جن میں وہ بے بس اور بے اختیار ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ کا انتخاب نہیں کرسکتا، وہ اپنے آپ کو بھوک پیاس سے بری نہیں کرسکتا۔ وہ موت سے اپنے آپ کو نہیں بچاسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ثواب وعذاب کا تعلق ہماری زندگی کے اس پہلو سے ہے جس میں ہم اپنے ارادے اور اختیار کے مالک ہیں۔ گویا ہم سے صرف ان اُمور کا حساب لیا جائے گا جن کے کرنے یا نہ کرنے کا ہمیں ارادہ واختیار دیا گیا ہے۔

4۔ مشیت اور رضا:

لوگ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کی رضا کا فرق نہیں سمجھتے جس کی وجہ سے وہ اکثر غلط فہمی اور گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی مشیت یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہوتا ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (التکویر:29)

''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جب تک سارے جہانوں کا رب اللہ نہ چاہے۔''

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ مشیت کا یہ وہ دائرہ ہے جس میں انسان بالکل بے اختیار ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں اُس سے آخرت میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اللہ کی رضا یہ ہے کہ بعض کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور بعض ناپسند۔ جب کوئی شخص اپنے ارادے اور اختیار سے نماز پڑھتا ہے تو اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جب کوئی شخص اللہ کے اس حکم پر عمل کرتا ہے تو وہ بندے کے اس کام پر راضی ہوتا ہے۔

لیکن جب کوئی شخص چوری کرتا ہے۔ اس میں اس کا اپنا ارادہ اور اختیار شامل ہوتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی کیونکہ اُس نے چوری نہ کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ وہ شخص اپنے اس فعل کا خود ذمہ دار قرار پاتا ہے اور اس پر اس سے مواخذہ بھی ہوگا۔

5۔ اللہ تعالیٰ کا پیشگی علم اور جبر:

تقدیر کے حوالے سے ایک اور غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم کو اُس کا جبر سمجھ لیتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور چیز ہے اور اُس کا جبر اس سے مختلف چیز ہے۔

یوں کہا جاتا ہے کہ جب ہر کام کی تقدیر پہلے سے لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہے تو اب بندہ وہ کام کرنے پر مجبور ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔

لوحِ محفوظ میں پہلے سے ہر چیز کی تقدیر لکھے جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے ہر چیز کے بارے میں علم ہے۔ کیونکہ اُس کا علم ماضی، حال اور مستقبل پر حاوی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بندہ وہ کام کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ کسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا پیشگی علم بندے کو وہ کام کرنے پر ہرگز مجبور نہیں کرتا۔ ورنہ دوزخ اور جنت کا تصور بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ بلکہ دنیا کی کوئی عدالت بھی اس تصور کو قبول

نہیں کرسکتی۔

6۔ تقدیر مبرم اور تقدیر معلق:

تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ تقدیر مبرم یعنی اٹل اور تقدیر معلق یعنی قابل تغیر۔

تقدیر مبرم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فیصلے اٹل ہیں جن میں بندہ بالکل بے اختیار اور مجبورِ محض ہے۔ وہ کس خاندان میں پیدا ہو، وہ کتنی عمر پائے، اُسے کب موت آئے، یہ ایسے اُمور ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اٹل فیصلے ہیں اور ان میں بندہ مجبور ہے۔

تقدیر معلق یہ ہے کہ انسان سے گناہ سرزد ہوں گے تو اس کے نتیجے میں اللہ اُسے سزا دے گا۔ لیکن اگر بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلے یا صدقہ کرے تو اس سے وہ سزا ٹل سکتی ہے۔ اس کی واضح مثال قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس قوم کے گناہوں کی پاداش میں اُن پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ لیکن جب قوم نے اپنے کفر اور گناہوں سے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر سے عذاب اُٹھالیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہے۔ اس میں زیادہ کھوج کرید کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجیے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ خلق بھی اُسی کے لیے ہے اور امر بھی اُسی کے لیے اور انسان آزاد و خودمختار ہونے کے باوجود مجبور بھی ہے۔ جن چیزوں میں وہ مجبور ہے اُن میں اُس سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اور جن امور میں اُسے آزادی اور خودمختاری حاصل ہے صرف ان کے بارے میں اُس سے حساب لیا جائے گا۔

باب 10...... موت، قبر اور عالم برزخ

61...... موت کی تمنا نہ کرو

61...... عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((لا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ، فَإِنْ كَانَ لا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ احْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ، وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 1600 صحیح بخاری، رقم: 5671

صحیح مسلم، رقم: 6814 ترمذی، رقم: 970

ابوداؤد، رقم: 3108 نسائی، رقم: 1821

ابن ماجه، رقم: 4265 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1717

صحیفه همام بن منبه، رقم: 77

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر ایسا ناگزیر ہو جائے تو پھر یہ دعا کرنی چاہیے کہ ''اے اللہ! مجھے اُس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرا زندہ رہنا بہتر ہے اور مجھے دنیا سے اُٹھا لے اگر وفات میرے لیے بہتر ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں اپنے لیے موت مانگنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے یہ باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں:

1: اپنے لیے موت کی تمنا کسی حال میں نہیں کرنی چاہیے خواہ کیسی ہی مشکل اور مصیبت آن پڑی ہو۔ ایسا کرنا کم ہمتی، بے صبری اور ایمان کی کمزوری ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو سکتا ہے اور اگر وہ برا ہے تو اُسے توبہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔

2: لیکن اگر کوئی زیادہ ہی لاچار اور بے بس ہو جائے تو اسے یہ دعا کرنی چاہیے:

"اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ ."

"اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے، مجھے اس وقت تک زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو اُس وقت مجھے دنیا سے اُٹھا لینا۔"

3: مرنے کے ساتھ ہی ہر شخص کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا ہے اور اس کے لیے نیکی کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے، سوائے صدقہ جاریہ کے۔ اور مومن کے لیے عمر کا زیادہ ہونا اُس کی نیکیوں میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

62۔قبر کا عذاب

62...... عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ، اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا ، فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ ، فَقَالَتْ لَهَا: اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ، فَسَاَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ فَقَالَ: ((نَعَمْ ، عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ)) قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعْدُ صَلّٰى صَلَاةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

مشکوۃ المصابیح، رقم:128 — صحیح بخاری، رقم: 1372
صحیح مسلم، رقم: 1319، 1321 — نسائی، رقم: 2067
مسند احمد، رقم: 25933 — اللؤلؤوالمرجان، رقم: 343

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی تو اُس نے قبر کے عذاب کی بات کی اور اُن سے کہا: اللہ آپ کو قبر کے عذاب سے بچائے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، قبر کا عذاب برحق ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس کے بعد آپ ﷺ جب بھی نماز پڑھتے تو عذابِ قبر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔"

تشریح:

قبر کی زندگی آخرت کی پہلی منزل ہے اور یہ عالم برزخ کا مقام ہے جو اس مقام سے سلامتی سے گزر گیا وہ آخرت کے باقی مقامات میں بھی امن وسلامتی میں رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ ، اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ .))

(جامع ترمذی، رقم: 2460)

"قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا پھر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔"

قبر کا عذاب برحق ہے۔ قرآن مجید سے بھی قبر کے عذاب کا ثبوت ملتا ہے کہ قومِ فرعون کو عالم برزخ میں

صبح وشام آگ کے سامنے لایا جاتا ہے اور اس کے بعد دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (المومن:46)

''ان لوگوں کو (برزخ میں) صبح وشام دوزخ کی آگ کے سامنے کھڑا کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ قومِ فرعون کو سخت عذاب میں ڈالا جائے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر کے عذاب سے خود پناہ مانگا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ قبر میں منکر نکیر فرشتوں کا آکر مردے سے سوالات کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

63۔ قبر میں ثواب وعذاب

63...... عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ ، اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ، وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 127	صحیح بخاری، رقم: 1379
صحیح مسلم، رقم: 7211	نسائی، رقم: 2070
ابن ماجه، رقم:4270	اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1822

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے جب کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے تو صبح وشام اُسے اُس کا آخری ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں میں سے ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں سے ہے۔ پھر اُسے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا آخری ٹھکانا ہوگا اُس وقت جب اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے گا۔''

تشریح:

اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں ہر شخص کو اُس کی آخری قیام گاہ دکھائی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو اُسے جنت دکھائی جاتی ہے کہ یہ تمہارا نیک انجام ہوگا اس سے اُسے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ دوزخی ہے تو اُسے دکھایا جاتا ہے کہ یہ دوزخ تمہارا برا ٹھکانا ہوگا۔ اس سے وہ غمگین اور خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے برزخی زندگی اور عذابِ قبر کا ثبوت ملتا ہے۔

64۔ مرنے کے بعد بھی صدقہ جاریہ

64...... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْيَآءَ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، اَوْعِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهٖ، اَوْوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 203 — صحیح مسلم، رقم: 4223

ابوداؤد، رقم: 2880 — نسائی، رقم: 3651

ترمذی، رقم: 1376

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، ایک صدقہ جاریہ، دوسری چیز وہ علم ہے جس سے فائدہ اُٹھایا جائے، اور تیسری وہ نیک اولاد ہے جو اس کے حق میں دعا کرے۔''

تشریح:

حدیث میں 'انسان' کا لفظ آیا ہے لیکن اس سے مراد مسلمان ہے جس کے مرنے کے ساتھ ہی اُس کے اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے۔ البتہ تین قسم کے اعمال کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی اُسے ملتا رہتا ہے۔

1: صدقہ جاریہ

2: صحیح اور مفید علم

3: نیک اولاد

1۔ صدقہ جاریہ:

وہ عمل ہے کہ مرنے والا اپنی زندگی میں کوئی ایسا صدقہ کرگیا جس سے بعد میں بھی دوسرے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں۔ جیسے کسی نے مسجد بنوادی، ڈسپنسری یا ہسپتال قائم کردیا، یا دینی مدرسہ بنایا، یا مسافروں کے لیے راستے میں درخت لگوائے یا اُن کے پانی کے لیے کنواں کھدوادیا۔ جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی ان کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا رہے گا۔

2۔ صحیح اور مفید علم:

اس سے مراد وہ صحیح اور مفید علم ہے جو مرنے والا شخص اپنی زندگی میں دوسروں کو سکھا گیا اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں۔ یہ بھی اُس کا ایک عمل تھا جس میں اُس کی دینی کتابیں اور وہ شاگرد بھی شامل ہیں جن کو اُس نے دین کا علم سکھایا تھا۔ اب جب تک اُس کی دینی کتب سے لوگ فائدہ اُٹھاتے رہیں گے اُسے ثواب ملتا رہے گا اور جب تک اُس کے شاگردوں کا سلسلہ جاری رہے گا اُسے اجر پہنچتا رہے گا۔

3۔ نیک اولاد:

اولاد، اولاد کی پرورش اور اُس کی صحیح اخلاقی تعلیم و تربیت بھی انسان کا کسب اور عمل ہے۔ اولاد نیک ہوگی تو وہ اپنے والدین کے حق میں بخشش اور مغفرت کی دعا کرتی رہے گی۔ جس کا فائدہ فوت شدہ والدین کو پہنچے گا۔ بلکہ اولاد جو نیک کام بھی کرے گی اُس کا ثواب خود اسے بھی ملے گا اور اتنا ہی ثواب والدین کو بھی ملتا رہے گا جنہوں نے اُس کی اچھی تربیت کی تھی۔

اس حدیث سے ہمیں ان تینوں کاموں کے کرنے کی ترغیب ملتی ہے جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ہمیں مل سکتا ہے۔

باب 11......قربِ قیامت کے فتنے

65۔ دجال کا فتنہ

65......عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((اَ لَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهٖ نَبِیٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ، وَاِنَّهٗ يَجِیْءُ مَعَهٗ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَالَّتِیْ يَقُوْلُ: اِنَّهَا الْجَنَّةُ، هِیَ النَّارُ، وَاِنِّیْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ بِهٖ نُوْحٌ قَوْمَهٗ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5472 صحیح بخاری، رقم: 3338

صحیح مسلم، رقم: 7372 للؤلؤوالمرجان، رقم: 1857

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سنو! دجال کے بارے میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی۔ وہ یہ ہے کہ دجال کانا ہوگا۔ وہ جب آئے گا تو اس کے ساتھ جنت اور دوزخ کی تمثیل ہوگی۔ وہ جس کے بارے میں کہے گا کہ یہ جنت ہے وہ دراصل دوزخ کی آگ ہوگی۔ میں تم لوگوں کو اُس کے فتنے سے اسی طرح ڈراتا ہوں جس طرح نوح علیہ السلام نے اس کے بارے میں اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔"

تشریح:

قیامت کی ایک نشانی دجال کے فتنے کا ظاہر ہونا ہے۔ اس فتنے سے ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے اس فتنے کو اپنی احادیث میں زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا اور مسلمانوں کو اس سے ڈرایا ہے۔

دجال قربِ قیامت میں ایک یہودی سردار ہوگا جو بائیں آنکھ سے کانا ہوگا۔ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر، کا لفظ لکھا ہوا ہوگا۔ وہ ہر طرف فتنہ وفساد پھیلائے گا مگر مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔ دجال کا فتنہ مسلمانوں کے ایمان کے لیے انتہائی سخت آزمائش ہوگی۔ وہ اپنی مصنوعی جنت دکھائے گا جو حقیقت میں دوزخ کی آگ ہوگی۔ احادیث میں اُس کے بارے میں اور بھی کئی علامتیں بتائی گئی ہیں۔ آخرکار وہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لُدّ (موجودہ اسرائیل کا ایک شہر جو ہوائی اڈہ بھی ہے) کے مقام پر قتل ہوگا۔

66۔ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کریں گے

66...... عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((لَتَتْبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَکُمْ شِبْرًا شِبْرًا، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْھُمْ۔ قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی؟ قَالَ: فَمَنْ .))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5361 — صحیح بخاری، رقم: 3456، 7320
صحیح مسلم، رقم: 6781 — اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1708
ابن ماجہ، رقم: 3994

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم اپنے سے پہلے لوگوں کی پوری پوری نقل اور پیروی کرو گے اور اُن کے پیچھے چلو گے جیسے بالشت بالشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ (یعنی سانڈے) کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔
عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا اُن لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی لوگ ہیں؟
آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور کون؟

تشریح:

اس حدیث میں وارد لفظ ''سُنَن'' کو بخاری اور مسلم میں 'سَنَن' لکھا گیا ہے اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی 'یعنی طور طریقے' اسی مضمون کی ایک حدیث ترمذی میں اس طرح روایت ہوئی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَرْکَبُنَّ سُنَّۃَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ ." (ترمذی، رقم: 2180)

''قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ بھی پہلی اُمتوں کے طور طریقے اختیار کرلو گے۔''

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَتَتَّبِعُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، بَاعًا بِبَاعٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، وَشِبْرًا بِشِبْرٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا فِيْ جُحْرِ ضَبٍّ، لَدَخَلْتُمْ فِيْهِ. قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ: فَمَنْ، إِذًا؟.)) (ابن ماجه، رقم: 3994)

''تم لوگ بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلو گے جیسے بازو کے بازو برابر اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے اور بالشت بالشت کے برابر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ (یعنی سانڈے) کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی اُس میں داخل ہوگے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا پہلے لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں؟ فرمایا: تو پھر اور کون؟

زیرنظر حدیث میں نبی ﷺ نے پیش گوئی فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ میری امت کے لوگ بھی یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اپنالیں گے جس کے نتیجے میں وہ اپنی دنیا بھی برباد کرلیں گے اور اپنی عاقبت بھی خراب کرلیں گے۔

چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے غیرقوموں کے بالعموم اور مغربی اقوام یہود ونصاریٰ کے طور طریقے اور فیشن اختیار کرلیے ہیں جس سے اُن کا اپنا ملی تشخص مجروح ہوچکا ہے۔ اُن کے ہاں کھانے پینے میں، لباس میں، اُٹھنے بیٹھنے میں، وضع قطع میں، ہفتہ وار چھٹی ہیں، عادات واطوار میں، رسم ورواج میں افکار و نظریات میں، غرض ہر کام میں غیرمسلموں کی نقالی کی جارہی ہے بلکہ غلاموں کی طرح اُن کے احکام بجالائے جارہے ہیں اور اُن کی طرف سے ''اور کرو'' (DO MORE) کی آوازیں آرہی ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے اسی صورتِ حال کے بارے میں کہا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

حدیث میں یہود ونصاریٰ کی مثال اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ خدا کو، فرشتوں کو، رسولوں کو، کتابوں کو اور آخرت کو بھی مانتے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے پیغمبروں کی اصل تعلیم کو بھلا دیا۔ توریت اور انجیل کو بدلا ڈالا اور اُن میں تحریف کردی۔ یہی حال مسلمانوں کا بھی ہوجائے گا وہ سب کچھ مانتے ہوئے بھی دین سے دُور ہوجائیں گے۔ یہودیوں کی طرح احکامِ الٰہی کی نافرمانی کریں گے۔ دین میں غلو اور حیلہ بازی کریں گے اور عیسائیوں کی طرح بدعات کی گمراہی میں پڑجائیں گے۔ حالاں کہ اہل اسلام کو ہر نماز کی ہر رکعت میں ان دونوں قوموں۔ مغضوب علیھم اور الضالین کے غلط راستے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

67۔ اسلام کی اجنبیت

67......((عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((بَدَءَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا، وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ، فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ .))

مشكوة المصابيح، رقم: 159 صحيح مسلم، رقم: 372
ترمذی، رقم: 2629 ابن ماجه، رقم: 3986
مسند احمد، رقم: 9042

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اسلام ایک اجنبی ماحول میں شروع ہوا اور عنقریب وہ اسی کی طرف لوٹ جائے گا جس میں وہ شروع ہوا تھا، لہٰذا خوشخبری ہے اُن اجنبیوں کے لیے جنھوں نے اُس کا ساتھ دیا۔''

تشریح:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اسلام کا آغاز جس طرح کے اجنبی اور ناسازگار ماحول میں ہوا تھا، اُس کے ماننے والوں میں افراد کی قلت، کمزوری، بے بسی اور بے سروسامانی تھی۔ کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اسلام پر پھر وہی پہلا دَور آجائے گا کہ اُس کے سچے پیروکار تعداد میں تھوڑے رہ جائیں گے، وہ کمزور، بے بس اور بے سروسامان ہوں گے۔ معاشرے میں مشرکانہ اور کافرانہ طور طریقوں، بدعتوں اور فتنوں کا دور دورہ ہوگا۔ حقیقی اسلام پر چلنے والے کم ہوجائیں گے۔ اسلام کے جھوٹے دعویداروں، منافقوں، مشرکوں اور کافروں کی اکثریت ہوگی۔ جعلی پیروں اور علمائے سوء کی بھیڑ ہوگی۔ بستیوں اور آبادیوں میں کہیں کہیں گنتی کے چند لوگ صحیح دین پر عمل پیرا ہوں گے مگر وہ معاشرے کے اجتماعی دھارے (MAIN STREAM) سے الگ اجنبیوں کی طرح وہاں رہ رہے ہوں گے۔ عام لوگ اُن کو حقیر، کمزور، بے وقعت اور ذلیل سمجھیں گے۔

ایسے پُرفتن اور ناسازگار حالات میں، بدعت وضلالت کے ماحول میں اور باطل وطاغوت کی آندھیوں کے سامنے جو قلیل لوگ اسلام کی شمع کو روشن رکھیں گے اور دینِ حق سے وابستہ رہیں گے، اُن کے لیے خوش

خبری ہے اور اجرِ عظیم کی، جنتِ نعیم کی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دائمی خوشنودی کی ؎

ہوا ہے گو تیز و تند لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

(اقبالؒ)

اجتماعی طور پر اسلام کی اجنبیت اور بے کسی کا حال یہ ہوگا کہ خلافت کا نظام درہم برہم ہو چکا ہوگا۔ پوری امت سیاسی گروہوں اور مذہبی فرقوں میں بٹ کر رہ جائے گی۔ اغیار اُن کو تر نوالہ سمجھ کر اُن پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ مرکز اسلام اپنی حفاظت کے لیے کفار سے دفاعی معاہدے کرے گا۔ سب سے زیادہ بدعنوان اور کرپٹ آدمی مرکز یقین شاد باد کا سربراہ ہوگا۔ آئے دن چوریاں ہوں گی، ڈاکے پڑیں گے مگر اسلام کے نام پر بننے والی اسلامی جمہوریہ کی اعلیٰ و عظمیٰ عدالتوں کے مسلمان ججوں کو یہ توفیق اور ہمت نہ ہوگی کہ وہ کسی چور یا ڈاکو کو اُس کی شرعی سزا دے سکیں۔ کلمۂ حق کہنا مشکل ہو جائے گا اور دین پر چلنا اپنے ہاتھوں میں انگارے لینے کے مترادف ہوگا۔

باب 12...... قیامت کی نشانیاں

68۔ قیامت کی دس (10) بڑی نشانیاں

68......((عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أُسَيْدِ الْغِفَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: اِطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ. فَقَالَ: مَا تَذْكُرُوْنَ قَالُوْا نَذْكُرُ السَّاعَةَ. قَالَ:

اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشَرَ اٰيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ، وَالدَّجَّالَ، وَالدَّآبَّةَ، وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَنُزُوْلَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَيَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ، وَثَلَاثَةَ خُسُوْفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ، وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ، وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ، وَاٰخِرُ ذَالِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ تَسُوْقُ النَّاسَ اِلَى الْمَحْشَرِ.

وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْعَاشِرَةِ: وَرِيْحٌ تُلْقِي النَّاسَ فِي الْبَحْرِ.))

مشکٰوۃ المصابیح، رقم: 5464 صحیح مسلم، رقم: 7285

ابوداؤد، رقم: 4311 ترمذی، رقم: 2183

''حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اُس وقت ہم لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو؟ عرض کیا گیا: ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔

پھر آپ ﷺ نے ذکر فرمایا دھوئیں کا، دجال کا، جانور کے نکلنے کا، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا، عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے تشریف لانے کا، یاجوج ماجوج کے نکلنے کا، تین بار زمین کے دھنسنے کا، ایک بار مشرق میں، ایک بار مغرب میں اور ایک بار جزیرہ عرب میں دھنسنے گا۔

ان دس میں سے آخری نشانی کا ذکر فرمایا کہ یمن کی طرف سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو حشر کے میدان کی

طرف ہانک کرلے جائے گی۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ: عدن کے آخری کنارے سے آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو حشر کے میدان کی طرف ہانکے گی۔

ایک اور روایت میں دسویں نشانی کے بارے میں ہے کہ: وہ آندھی ہوگی جو لوگوں کو اُڑا کر سمند میں پھینک دے گی۔"

تشریح:

اس حدیث میں قیامت کے قریبی زمانے کی دس(10) نشانیاں بیان کی گئی ہیں:

1۔ دھواں:

یہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا دھواں ہوگا جو چالیس(40) دن تک فضا میں چھایا رہے گا جس کی وجہ سے لوگ سخت پریشان ہوں گے۔

2۔ دجال کا فتنہ:

دجال کے فتنے کے بارے میں حدیث نمبر 265 کی تشریح دیکھیے۔

3۔ دَابۃُ الارض کا ظہور:

قیامت کی اس نشانی کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے:

﴿وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (النمل:82)

"اور جب اللہ کا وعدہ قیامت لوگوں پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم اُن کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا اور بتائے گا کہ کون لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔"

4۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

قیامت کی نشانیوں میں سب سے آخری نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ پھر جب سورج مغرب سے نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

5۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول:

قربِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے حدیث نمبر 72 کی تشریح۔

یاجوج ماجوج کا ذکر قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے سورہ الکہف میں اور سورہ الانبیاء میں ۔ یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ وحشی لوگ دنیا میں فتنہ پھیلائیں گے۔

7۔مشرق میں زمین کا دھنس جانا:

زمین کا دھنس جانا کسی زلزلے کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے اور سونامی جیسا سمندری طوفان بھی مراد ہوسکتا ہے جو سمندر کے اندر زمین کے دھنس جانے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور ماضی قریب میں یہ واقعہ ہو چکا ہے اور آیندہ بھی کبھی ہوسکتا ہے۔

8۔مغرب میں زمین کا دھنس جانا:

اس سے یورپ اور افریقہ کا علاقہ مراد ہوسکتا ہے جہاں قیامت کے قریب زمین کا بڑا حصہ نیچے دھنس جائے گا، خواہ خشکی کا ہو یا سمندر کا اور یہ کسی زلزلے کا نتیجہ ہوگا۔

9۔جزیرہ عرب میں زمین کا دھنس جانا:

کسی زلزلے کے سبب سے جزیرہ عرب میں زمین کے دھنس جانے کا واقعہ، ہوسکتا ہے کہ ماضی میں بھی واقع ہو چکا ہو اور قیامت کے آخر میں بھی ایسا حادثہ ہوگا۔

10۔یمن سے آگ کا ظاہر ہونا یا سخت آندھی کا آنا:

قیامت کے قریبی زمانے میں یمن سے ایک سخت آگ اُٹھے گی جو سرزمین حجاز سے ہوتی ہوئی شام و فلسطین تک جائے گی وہ اپنے آگے لوگوں کو ہانک کر وہاں جمع کرے گی کیونکہ وہی علاقہ حشر کا میدان بنایا جائے گا۔ یا اسی آگ کے ساتھ سخت آندھی بھی ہوگی جو کفار کو سمندر میں دھکیل کر پھینک دے گی۔

قیامت کی ان نشانیوں کے بارے میں دو باتیں قابل غور ہیں:

(1)...... ایک یہ کہ احادیث میں ان کو زمانی ترتیب سے نہیں بیان کیا گیا بلکہ کسی نشانی کو پہلے اور کسی کو بعد میں بیان کر دیا گیا ہے۔

(2)......قیامت کی نشانیاں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو قیامت کے آنے سے بہت عرصہ پہلے ظاہر ہوں گی اور دوسری قسم ان نشانیوں کی ہے جو قیامت برپا ہونے کے وقت تھوڑی دیر پہلے ظاہر ہوں گی۔

69۔ قیامت کے قریب علم اٹھالیا جائے گا

69...... عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ اللّٰهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهٗ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ، حَتّٰى اِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِماً؛ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْساً جُهَّالًا، فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَاَضَلُّوْا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 206 — صحیح بخاری، رقم: 100
صحیح مسلم، رقم: 6796 — ترمذی، رقم: 2652
ابن ماجه، رقم: 52 — مسند احمد، رقم: 6511
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1712

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں سے علم کو نہیں نکالے گا بلکہ وہ علماء کی روحیں قبض کر کے علم کو اُٹھالے گا۔ پھر جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار اور رہنما بنالیں گے اور اُن سے مسائل پوچھیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اوروں کو گمراہ کریں گے۔"

تشریح:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب علمائے حق ناپید ہوجائیں گے اور علمائے سُوء کی کثرت ہوگی۔ باعمل علماء باقی نہیں رہیں گے اور بے عمل اور جاہل لوگ علماء کے روپ میں ہوں گے۔ صحیح علم اُٹھ جائے گا اور جہالت وگمراہی عام ہوجائے گی۔ فرقہ بندی کا دور دورہ ہوگا اور صحیح دین پر عمل کرنیوالے کم ہوں گے۔ منصب پر نااہل لوگ ہوں گے۔ تاریخی طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر آنے والی نسل دین کے علم وعمل کے لحاظ سے پہلی سے پست تر ہے اور علمائے دین کا علمی معیار پہلے سے کم تر ہوتا جارہا ہے۔ صحیح علم صحیح عمل سکھاتا ہے اور ناقص علم بے عملی کا سبب بنتا ہے۔ آج ہر شخص مفتی بن کر فتوے دے رہا ہے۔ قرآن وسنت کا صحیح علم کم یاب اور خواہش پرستی، خودغرضی اور مفاد پرستی کا غلبہ ہے۔ علم وجہالت کا فرق مٹ چکا ہے۔ پروپیگنڈہ کے زور پر ہر آدمی علامہ اور شیخ الاسلام بنا بیٹھا ہے۔ دین چند ظاہری رسوم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کی حقیقی روح مفقود ہوگئی ہے۔ یہی زوالِ امت اور قربِ قیامت کی نشانی ہے۔

70۔ قیامت کی ایک نشانی، قتل وغارت کا عام ہونا

70......عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
یَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَیُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، وَیُلْقَی الشُّحُّ، وَیَكْثُرُ الْهَرْجُ. قَالُوْا: وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: الْقَتْلُ.))

مشكوة المصابيح، رقم: 5389	صحيح بخارى، رقم: 85
صحيح مسلم، رقم: 6792	ابوداؤد، رقم:4255
ابن ماجه، رقم: 4052	صحيفه همام بن منبه، رقم: 23
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1711	

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
زمانہ آپس میں قریب ہوجائے گا، علم ختم ہوجائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے، بخل دلوں میں گھر کر جائے گا اور 'ہرج' زیادہ ہوجائے گا۔
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: 'ہرج' کیا چیز ہے؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'قتل وغارت'۔

تشریح:

اس حدیث میں قیامت کی پانچ (5) نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

1۔ زمانہ آپس میں قریب ہوجائے گا:

قیامت کی ایک نشانی زمانے کی تیز رفتاری ہے۔ جو کام پہلے ایک سال میں ہوتا تھا وہ ایک دن میں ہوجائے گا، ایک دن کا کام ایک گھنٹے میں اور ایک گھنٹے کا کام ایک سیکنڈ میں ہوجائے گا۔

2۔ علم کا اُٹھ جانا:

قیامت کی ایک نشانی علم کا اُٹھ جانا ہے۔ یہ اس طرح ہوگا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 100 اور صحیح مسلم کی حدیث نمبر 6796 میں ہے کہ علماء فوت ہوجائیں گے تو اُن کی جگہ لینے والے علماء پیدا نہ ہوں گے۔

ایسا نہیں ہوگا کہ لوگوں کے سینوں سے علم کھینچ لیا جائے یا کتابیں ختم ہوجائیں۔

3۔ فتنے ظاہر ہوں گے:

قیامت کی ایک نشانی نئے نئے فتنوں کا ظاہر ہونا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہ ہوگا کہ دوسرا پیدا ہوجائے گا بلکہ ایک ہی وقت میں کئی کئی فتنے برپا ہوں گے۔ جیسے بدامنی کا فتنہ، دہشت گردی کا فتنہ، بے حیائی کا فتنہ، جرائم کا فتنہ، جھوٹی نبوت کا فتنہ، مال کا فتنہ، نااہلوں کی حکمرانی کا فتنہ، غداروں کا فتنہ، جعلی پیروں کا فتنہ، علمائے سُو کا فتنہ، دجال کا فتنہ اور ارضی وسماوی حادثات وآفات کے فتنے، غرض ہر طرف فتنے ہی فتنے ہوں گے۔

4۔ دلوں میں بخل گھر کر جائے گا:

قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ لوگوں کے دلوں میں بخل پیدا ہوجائے گا۔ وہ لالچ اور خودغرضی کا شکار ہوجائیں گے۔ ہر کسی کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوگا۔

5۔ قتل کی کثرت ہوگی:

قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی گئی کہ اس کے قریبی زمانے میں قتل عام ہوگا۔ بہت سے لوگ مارے جائیں گے، یہاں تک کہ بعض احادیث کے مطابق نہ قاتل کو علم ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مرنے والے کو خبر ہوگی کہ اُسے کیوں قتل کیا جارہا ہے۔

قیامت کی یہ نشانیاں الگ الگ زمانوں اور وقتوں میں بھی ظاہر ہوسکتی ہیں اور ان کا بیک وقت امکان اور وقوع بھی ہوسکتا ہے۔

71۔ قیامت کی چند نشانیاں

71......((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:
((اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَكْثُرَ الْجَهْلُ، وَيَكْثُرَ الزِّنَا، وَيَكْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، وَيَكْثُرَ النِّسَآءُ، حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ اِمْرَاَةً اَلْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.
وَفِيْ رِوَايَةٍ: يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: صحیح بخاری، رقم: 80، 81
صحیح مسلم، رقم: 6786   ترمذی، رقم: 2205
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1709

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:
قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم اُٹھ جائے گا، جہالت زیادہ ہوگی، زنا کثرت سے ہوگا، شراب نوشی عام ہوگی۔ مردوں کی تعداد گھٹ جائے گی، عورتیں تعداد میں بہت زیادہ ہوں گی یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لیے ایک ہی مرد سرپرست ہوگا۔''

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ:
''علم کم ہوجائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔''

تشریح:

قیامت واقع ہونے کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں جیسا کہ حدیث جبریل علیہ السلام سے بھی ثابت ہے۔ البتہ قیامت کی بعض نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہ نشانیاں نبی ﷺ نے مختلف اوقات میں بیان فرمائیں اور موقع کی مناسبت سے کبھی کم اور کبھی زیادہ کا ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں تکرار (Repetition) بھی پایا جاتا ہے۔

زیرنظر حدیث میں قیامت کی پانچ (5) نشانیاں بیان ہوئی ہیں:

(1)......علم اُٹھ جائے گا اور وہ اس طرح کہ صحیح علماء ناپید ہوجائیں گے۔ فوت ہوجانے والے علماء کی

جگہ لینے والے نئے علمائے حق پیدا نہیں ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں دین کا علم دنیا سے اُٹھ جائے گا۔

(2)...... جہالت عام ہوگی۔ یہ گویا پہلی نشانی ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے جب علم اُٹھ جائے گا تو جہالت ہی پھیلے گی۔ دین کی صحیح تعلیم بتانے والے نہ رہیں گے تو جاہل لوگ فتوے دینے شروع کر دیں گے۔

(3)...... زنا کی کثرت ہوگی۔

(4)...... شراب نوشی عام ہو جائے گی۔

(5)...... عورتوں کی آبادی مردوں سے بڑھ جائے گی۔ مردوں کی تعداد کم ہونے کا ایک سبب یہ ہوگا کہ جنگوں اور لڑائیوں کی وجہ سے بہت سے مرد مارے جائیں گے۔ آخر میں حالت یہ ہوگی کہ بعض علاقوں میں ایک ہی مرد پچاس (50) عورتوں کا سرپرست (Guardian) ہوگا۔

اسی ایک بات سے اُس زمانے کی اخلاقی پستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

قیامت کی ان نشانیوں میں سے بعض ظاہر ہو چکی ہیں اور باقی ظاہر ہونے والی ہیں کیونکہ صادق و مصدوق نبی ﷺ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔

72۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

72......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِكَنَّ اَنْ یَنْزِلَ فِیْكُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا ، فَیَكْسِرُ الصَّلِیْبَ، وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرُ، وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ، وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ، حَتّٰی تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا)) . ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ: فَاقْرَأُوْا اِنْ شِئْتُمْ:وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ . (النساء: 159)

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5505 — صحیح بخاری، رقم: 3448

صحیح مسلم، رقم: 389(1)390 — ترمذی، رقم: 2233

اللؤلؤوالمرجان، رقم: 95

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے عنقریب ابن مریم علیہ السلام (عیسیٰ علیہ السلام) تمہارے درمیان ایک عادل حاکم کے طور پر نازل ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ دیں گے۔ خنزیر کو مار ڈالیں گے۔ جزیہ ختم کر دیں گے۔ مال کی اتنی ریل پیل ہوگی کہ اُسے لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ ایک سجدہ دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بہتر ہوگا۔

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو:

﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (النساء: 159)

''اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اُن پر ایمان لائے گا۔''

تشریح:

قربِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دوبارہ زمین پر اُتریں گے۔ وہ انصاف پسند حکمران ہوں گے اور درج ذیل کام سرانجام دیں گے۔ اُس وقت اُن کی حیثیت ایک نبی کی نہیں ہوگی بلکہ امتِ محمدیہ کے ایک فرد کی ہوگی۔

1۔ وہ صلیب کو توڑیں گے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عیسائیت کے موجودہ مذہب کا خاتمہ کریں گے اور شریعت محمدیہ کی پیروی اور اس کا نفاذ کریں گے۔

2۔ خنزیر کو مار ڈالیں گے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خنزیر (سؤر) کا پالنا اور کھانا حرام قرار دیں گے اور اُس کو مارنا جائز کر دیں گے۔

3۔ وہ جزیہ ختم کر دیں گے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس وقت تمام غیر مسلم اسلام قبول کر لیں گے اس لیے جزیے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مال و دولت کی اتنی ریل پیل ہوگی کہ معاشرے میں کوئی محتاج نہ ہوگا کہ اُس کی خاطر غیر مسلموں پر جزیہ لگانا پڑے۔

اس کے علاوہ مال کی اتنی کثرت اور فراوانی ہوگی کہ کوئی حاجت مند باقی نہ رہے گا۔ لوگوں کو مال و دولت کی ہوس اور رغبت نہیں رہے گی۔ بلکہ صدقہ و خیرات کی اہمیت باقی نہ رہے گی۔ اس لیے نماز میں بھی لوگوں کی دلچسپی بڑھ جائے گی۔ یا فطری اور طبعی طور پر لوگ اتنے عبادت گزار ہو جائیں گے کہ اُن کو عبادت کا ایک سجدہ دنیا کے سارے مال و متاع سے زیادہ پسندیدہ ہو جائے گا۔

آخر میں اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد اہل کتاب سمیت سب لوگ ایک ہی دین، دین اسلام کے پیروکار ہو جائیں گے۔ یہودیوں کو یقین ہو جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور عیسائیوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اور یہ ساری صورتِ حال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات سے پہلے واقع ہو جائے گی۔

باب 13......میدان حشر اور شفاعت نبوی ﷺ

73۔ قیامت کے دن لوگ ننگے اُٹھیں گے

73......عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:
((يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا)). قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ؟ فَقَالَ: ((يَا عَائِشَةُ! اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5536 — صحیح بخاری، رقم: 6727
صحیح مسلم، رقم: 7198 — سائی، رقم: 2084
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1817

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: قیامت کے دن لوگ جمع کیے جائیں گے اُن کی حالت یہ ہوگی کہ وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنے کے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا مرد اور عورتیں اکٹھے ہوں گے اور ایک دوسرے کو اسی حالت میں دیکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! وہ معاملہ اتنا سخت گھبراہٹ کا ہوگا کہ ایک دوسرے کو دیکھنے کا کسی کو ہوش نہ ہوگا۔''

تشریح:

یہ حدیث مختلف طریقوں اور سندوں سے بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ وہ بالکل برہنہ اور ننگے ہوں گے۔ وہاں اُن پر ایسی گھبراہٹ اور سراسیمگی طاری ہوگی اور ایسا کڑا اور کٹھن وقت آن پڑے گا کہ کسی کو کچھ دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا اور بے پردگی کا کسی کو احساس تک نہ ہوگا۔ ہر طرف نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں اضافہ بھی ہے کہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت نبی ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ﴾ (عبس: 37)
''اُس دن ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی۔''

74۔ حضور ﷺ کی شفاعت

74...... عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ۔ ، فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ: اِشْفَعْ اِلٰى رَبِّكَ۔ فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا ، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ ، فَيَأْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا ، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ ، فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا ، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ ، وَكَلِمَتُهٗ ، فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى ، فَيَقُوْلُ: لَسْتُ لَهَا ، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ، فَيَأْتُوْنِيْ فَاَقُوْلُ: اَنَا لَهَا ، فَاَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ ، فَيُؤْذَنُ لِيْ ، وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ ، فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ، وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ ، وَقُلْ: تُسْمَعْ ، وَسَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ ، فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ ، فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ ، فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ، ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ، ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ ، وَقُلْ تُسْمَعْ ، وَسَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ . فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ ، فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ، ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ، ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا ، فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ ، فَقَالَ تُسْمَعْ ، وَسَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ . فَيُقَالُ: اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ اَدْنٰى اَدْنٰى اَدْنٰى مِثْقَالَ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ ، فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ، ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ، ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ ، وَقُلْ تُسْمَعْ ، وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ! اِئْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ . قَالَ: لَيْسَ لَكَ ، وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5573	صحیح بخاری، رقم: 7510
صحیح مسلم، رقم: 479	ابن ماجه، رقم: 4312
ترمذی، رقم: 2434	اللؤلؤوالمرجان، رقم: 119

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا:

جب قیامت کا دن ہوگا تو انسان اپنی تعداد کی کثرت کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی طرح باہم گتھم گتھا ہو رہے ہوں گے اور پریشان ہو کر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے درخواست کریں گے کہ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجیے۔ وہ جواب دیں گے: میں اس کام کا اہل نہیں ہوں، البتہ تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خلیل اللہ ہیں۔ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں یہ کام نہیں کرسکتا، البتہ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں۔ چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے: یہ کام میرے بس کا نہیں ہے، تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے، وہ بھی کہیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں کہوں گا: ہاں، میں ہی یہ کام کرسکتا ہوں اور کروں گا۔ پھر میں اللہ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگوں گا اور مجھے اجازت مل جائے گی۔ مجھے اُس وقت حمد وثنا کے ایسے الفاظ سکھائے جائیں گے جو ابھی مجھے یاد نہیں، میں ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اُٹھاؤ، جو کہنا چاہتے ہو، تمہاری بات سنی جائے گی! مانگو جو مانگنا چاہتے ہو، تمہاری درخواست منظور کی جائے گی۔ اس وقت میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری اُمت کو بخش دیجیے! میری امت کے گناہ معاف فرما دیجیے! چنانچہ مجھے کہا جائے گا: جاؤ اور جا کر ہر اُس شخص کو دوزخ سے نکال لو، جس کے دل میں ایک جو کے برابر بھی ایمان ہو۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا۔ پھر واپس آؤں گا اور انہی الفاظ سے جو مجھے سکھائے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا۔ چنانچہ پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اٹھائیے! بات کیجیے، آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی! سوال کیجیے آپ ﷺ کا سوال پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی! میں پھر کہوں گا: اے میرے رب! میری اُمت

کو بخش دیجیے! پھر فرمایا جائے گا: جائیے اور جا کر اُن سب لوگوں کو دوزخ سے نکال لیجیے جن کے دلوں میں ایک ذرّے یا رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو۔ میں پھر جاؤں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے نکال لوں گا۔ میں پھر واپس آؤں گا، پہلے جیسے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور اُس کے آگے سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ پھر فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اُٹھایئے! بات کیجیے! آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی۔ سوال کیجیے، آپ ﷺ جو مانگیں گے، دیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی! میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری اُمت کو معاف فرما دیجیے! میری اُمت کو دوزخ سے بچا لیجیے! مجھ سے فرمایا جائے گا: جایئے اور جا کر ان سب لوگوں کو دوزخ سے نکال لیجیے جن کے دلوں میں رائی کے دانے سے بھی بہت کم ایمان ہو۔ چنانچہ میں پھر جاؤں گا اور ایسے تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال لوں گا۔

پھر میں چوتھی مرتبہ واپس آؤں گا اور گذشتہ الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوجاؤں گا۔ پھر فرمایا جائے گا: اے محمد ﷺ! کہیے! آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی۔ مانگیے، جو مانگیں گے آپ ﷺ کو دیا جائے گا۔ شفاعت کیجیے! آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! مجھے ایسے تمام لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کی اجازت دیجیے جنہوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ زبان سے ادا کیا ہو؟ جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ایسا نہیں ہے بلکہ مجھے اپنی عزت، جلال اور عظمت و کبریائی کی قسم! میں خود دوزخ سے ہر اُس شخص کو نکال دیتا ہوں جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ زبان سے ادا کیا ہوگا۔''

تشریح:

اسی مضمون کی حدیث جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ شفاعت کے عقیدے پر اہل اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کے فضل و کرم سے اہل ایمان کی بڑی تعداد کے لیے شفاعت کے ذریعے بھی نجات (Salvation) ممکن ہوگی۔ دراصل ہر طرح کی شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت پر منحصر ہوگی۔

1- قرآن اور شفاعت:

قرآن مجید میں شفاعت کے بارے میں دو طرح کی آیات ملتی ہیں۔

1۔ وہ آیات جن میں شفاعت کی بالکل نفی کر دی گئی ہے جیسے:

﴿وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ (البقرہ:48)

''اور نہ کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ معاوضہ لے کر اسے چھوڑا جائے گا اور نہ اُن کو مدد مل سکے گی۔''

ایسی تمام آیات جن میں شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ کفار اور مشرکین کے بارے میں ہیں۔ رہے اہل ایمان تو ان کے لیے شفاعت ہوگی۔

وہ آیات جن میں بعض حدود و شرائط کے ساتھ شفاعت کا ثبوت ملتا ہے۔ مثال کے طور پر:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرہ:255)

''ایسا کون ہے جو اُس کے پاس اُس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بعض شرائط اور بعض حدود و قیود کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے شفاعت کرنے والے شفاعت کریں گے۔

2- شفاعت کے مقاصد:

شفاعت کے دو بنیادی مقاصد ہیں:

1۔ یہ شفاعت گناہ گار اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے جیسے کسی امتحان میں اضافی نمبر (Grace Marks) دیے جاتے ہیں۔

2۔ یہ شفاعت بعض اعلیٰ درجے کے نیک انسانوں کو اُن کی اسلامی خدمات پر اُن کے اعزاز و اکرام کے لیے ہوگی۔ انبیائے کرام، شہداء، صدیقین اور صالحین بھی گناہ گار مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت کریں گے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید، رمضان المبارک اور نیک اعمال کی طرف سے بھی گناہ گار اہل ایمان کے حق میں شفاعت ہوگی۔ نیز کم عمری میں فوت ہونے والے مسلمانوں کے بچے بھی اپنے والدین کے حق میں شفاعت کریں گے۔ لیکن یاد رہے شفاعت صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی، کفار اور مشرکین شفاعت سے محروم رہیں گے۔

3- شفاعت کبریٰ یا شفاعت عظمیٰ:

آخرت میں گناہ گار ایمان والوں کے لیے نبی کریم خصوصی طور پر شفاعت فرمائیں گے۔ اسے شفاعت

کبریٰ یا شفاعت عظمیٰ کہا جاتا ہے۔ یہ شفاعت حضرت محمد ﷺ مقامِ محمود پر کھڑے ہو کر کریں گے۔

قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل:79)

''امید ہے کہ آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر کھڑا کر دے گا۔''

حضور ﷺ کی شفاعت سے متعلق مذکورہ حدیث قرآن مجید کے اسی بیان کی تفسیر ہے۔ اہل علم کا اسی پر اتفاق ہے۔

باب 14...... جنت

75۔ جنت کی عجیب وغریب نعمتیں

75...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((قَالَ اللّٰه تَعَالٰی: اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالا عَیْنٌ رَأَتْ، وَلا اُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ. وَاقْرَأُوْا اِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5612

صحیح بخاری، رقم: 3498، 3244، 4779، 4780

صحیح مسلم، رقم: 7132، 7133، 7134، 7135 ترمذی، رقم: 3197

ابن ماجه، رقم: 4328 اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1798

صحیفه همام بن منبه، رقم: 31

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (جنت میں) ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سُنا اور نہ اُن کا خیال بھی کسی انسان کے دل و دماغ میں کبھی آیا۔ اگر تم چاہو تو یہ (قرآنی آیت) پڑھ لو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ﴾ (السجدہ: 17) (کوئی کیا جانے کہ لوگوں کے لیے ان کے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے)''۔

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے اور معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ کئی کتب حدیث میں مروی ہے۔ صحیح مسلم میں درج ذیل مزید الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے۔.... ذُخْرًا، بَلْهُ مَا اَطْلَعَکُمُ اللّٰهُ عَلَیْهِ (چھوڑیے وہ تو ذخیرہ ہے جس سے اللہ نے تمہیں آگاہ نہیں فرمایا)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ ایسی ہیں جو دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتیں۔ ان کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی کے تصور میں کبھی آئیں۔ ان کی

اصل حقیقت انسانوں کو معلوم نہیں۔

جنت وہ مقام ہے جہاں آخرت میں اہل ایمان داخل ہوں گے۔ یہ راحت اور سکون کا ابدی مقام ہے۔ جہاں جنتی لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو صلے کے طور پر جنت ملے گی۔ وہاں سب کو اُن کی خواہش اور طلب کے مطابق ہر نعمت اور آسائش ملے گی۔ اُن کو وہاں کبھی موت نہ آئے گی۔

76۔ جنت میں داخل ہونے والا پہلا گروہ

76......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلٰی صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ ، ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ كَاَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّیٍّ فِی السَّمَاءِ اِضَاءَةً ، قُلُوْبُهُمْ عَلٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ ، لَا اخْتِلَافَ بَیْنَهُمْ وَ لَا تَبَاغُضَ ، لِكُلِّ امْرِیْءٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ ، یُرٰی مُخُّ سُوْقِهِنَّ- مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ ، یُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ، لَا یَسْقُمُوْنَ ، وَ لَا یَبُوْلُوْنَ ، وَ لَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَ لَا یَتْفُلُوْنَ ، وَ لَا یَمْتَخِطُوْنَ ، اٰنِیَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ ، وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ ، وَوُقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاَلُوَّةُ- ، وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ ، عَلٰی خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ ، عَلٰی صُوْرَةِ اَبِیْهِمْ اٰدَمَ ، سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِی السَّمَاءِ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 5619 — صحیح بخاری ، رقم: 3245، 3246
صحیح مسلم ، رقم: 7149 — اللؤلؤوالمرجان ، رقم: 1805
صحیفه همام بن منبه ، رقم: 86

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا ،اُن کی صورتیں چودھویں کے چاند جیسی ہوں گی۔ ان کے بعد والے گروہ کی صورتیں آسمان کے روشن ترین ستاروں کی طرح ہوں گی۔ اُن کے دل ایک انسان کے دل کی طرح شیر وشکر ہوں گے۔ ان میں باہم نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض۔ ہر مرد کے لیے بڑی آنکھوں والی دو حوریں بیویاں ہوں گی، جو اتنی خوب صورت ہوں گی کہ اُن کی پنڈلیوں کا گودا صاف طور پر ہڈیوں اور گوشت میں نظر آئے گا۔ وہ سب صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوں گے۔ نہ وہ بیمار ہوں گے، نہ وہ پیشاب کریں گے، نہ اُن کو پاخانے کی حاجت ہوگی، نہ اُن کو تھوک آئے گی اور نہ اُن کی ناک سے کوئی آلائش نکلے گی۔ ان کے برتن سونے اور چاندی کے ہوں گے، اُن کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی، اُن کی انگیٹھیوں کا ایندھن خوشبودار عُود ہوگا۔ اُن کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا، اپنی بناوٹ اور تخلیق کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے

برابر ہوں گے۔ اُن کا قد اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ (60) ہاتھ اُونچا ہوگا۔"

تشریح:

اس حدیث میں جنتی لوگوں کے اُس گروہ کا ذکر ہے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ وہاں اُن کو سب سے اعلیٰ درجہ حاصل ہوگا۔ عمدہ سے عمدہ نعمتیں میسر ہوں گی۔ جو نہ کبھی کم ہوں گی اور نہ ختم ہوں گی۔ اور یہ صلہ ہوگا اُن کے بہترین اعمال کا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں گروہوں کی شکل میں داخلہ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ (الزمر:73)

"اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہے وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔"

پھر جنت میں داخلہ درجات کے لحاظ سے ہوگا۔ جس کا زیادہ درجہ ہوگا وہ پہلے جنت میں جائے گا اور اعلیٰ ترین مقام پائے گا اور جس کا کم درجہ ہوگا وہ بعد میں داخل ہوگا۔

77۔ جنت میں چابک رکھنے کی جگہ کی فضیلت

78......عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5613 صحیح بخاری، رقم: 2796
ترمذی، رقم: 3013 دارمی، رقم:2820
ابن ماجه، رقم: 4330 صحیفه همام بن منبه، رقم: 55

''جنت میں ایک کوڑا (چابک) رکھنے کی جگہ بھی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، ان سے بہتر ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں دنیا کا لفظ آیا ہے لیکن ایک دوسری روایت میں ''آسمان اور زمین'' کے الفاظ آئے ہیں۔ تاہم مفہوم ایک ہی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری دنیا بہت حقیر ہے اور جنت نہایت اعلیٰ، عمدہ اور وسیع مقام ہے۔

عربوں میں رواج تھا کہ جب سفر کے دوران کہیں ٹھہرتے تو وہاں جو شخص اپنا کوڑا (چابک) رکھتا وہ جگہ اُسی کے لیے مخصوص ہو جاتی۔

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جنت میں ایک کوڑا یا چھوٹی سی چھڑی یا چابک رکھنے کی جگہ بھی موجودہ دنیا کے زمین و آسمان بلکہ تمام کائنات سے بڑھ کر قیمتی اور بہتر ہے۔

اس ایک مثال سے جنت کی دوسری تمام نفیس نعمتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ حدیث مذکورہ بالا حوالوں کے علاوہ مسند احمد اور مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔

78۔ جنت کے درخت کا سایہ

78...... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لا يَقْطَعُهَا، وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِی الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْتَغْرُبُ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5615

صحیح بخاری، رقم: 3252، 3253، 6552

صحیح مسلم، رقم: 7136، 7132 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1799

صحیفه همام بن منبه، رقم: 5

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جنت میں ایک اتنا بڑا درخت ہے جس کے سائے میں کوئی سوار اگر سو سال تک چلتا رہے تو بھی وہ سایا طے نہ ہو۔ اور جنت میں کمان کے برابر جگہ بھی پوری دنیا سے بہتر ہے جس پر سورج نکلتا اور ڈوبتا رہتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث میں دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں جنت کی نعمتوں کی افضلیت بیان کی گئی ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کے حصول کا شوق پیدا ہو اور وہ ایسے کام کریں جن کے نتیجے میں وہ جنت کے مستحق ٹھہریں۔

پہلی بات جو اس حدیث میں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ جنت میں ایک اتنا لمبا چوڑا درخت ہے جس کے سائے کی جگہ کو کوئی سوار سو (100) سال میں بھی طے نہیں کرسکتا۔

جنت کا تعلق آخرت کی زندگی سے ہے جہاں کا ماحول، نظام اور قوانین ہماری دنیا سے بالکل مختلف ہیں۔

قرآن مجید میں جنت کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر بتائی گئی ہے۔

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الحدید: 21)

''اور جنت جس کی چوڑائی آسمانی اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جنت میں لمبے لمبے سائے ہوگا:

﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ (الواقعہ: 30)

"اور لمبے لمبے سائے ہوں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہاں ایک اتنا بڑا سایہ دار درخت ہوگا جس کے سائے کی جگہ کو کوئی سوار سو(100) سال تک چلنے کے بعد بھی طے نہیں کر سکتا۔

دوسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جنت میں ایک کمان رکھنے کی جگہ بھی دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

عربوں میں دستور تھا کہ جب کوئی سوار کسی مقام پر ٹھہرتا تو وہاں اپنا کوڑا (چابک) ڈال دیتا۔ اگر وہ پیدل چل رہا ہوتا تو اپنی کمان ڈال دیتا تاکہ وہ جگہ اُسی کے لیے مخصوص ہو جائے اور کوئی دوسرا اُس جگہ پر نہ ٹھہرے۔

مطلب یہ ہے کہ جنت کی تھوڑی سی جگہ بھی دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ جنت کی نعمتیں اعلیٰ بھی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی بھی۔ جب کہ اُس کے مقابلے می دنیا کی ساری چیزیں ادنیٰ بھی ہیں اور جلد فنا ہو جانے والی بھی۔

79۔ جنت کا سب سے ادنیٰ مقام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

((اِنَّ اَدْنٰی مَقْعَدِ اَحَدِکُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ: تَمَنَّ؛ فَیَتَمَنّٰی ، وَیَتَمَنّٰی . فَیَقُوْلُ لَهٗ: هَلْ تَمَنَّیْتَ؟ فَیَقُوْلُ: نَعَمْ . فَیَقُوْلُ لَهٗ: فَاِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّیْتَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ .))

مشکوٰۃ المصابیح ، رقم: 5627 صحیح مسلم، رقم: 453

مسند احمد ، رقم: 8153 صحیفه همام بن منبه ، رقم:56

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جنت میں سب سے کم درجے کے شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

’تمنا کر‘ وہ تمنا کرے گا اور تمنا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا: کیا تم نے تمنا کرلی؟ وہ کہے گا: جی ہاں۔ پھر اسے کہا جائے گا کہ تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اتنا ہی اور بھی اُس کے ساتھ۔“

تشریح:

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت وشفقت، فضل وکرم اور بے پایاں بخشش وعطا کا تصور کیا جا سکتا ہے جو وہ اپنے جنتی بندوں پر کرے گا کہ وہ اُن کی تمناؤں اور آرزؤں سے بھی کئی گناہ زیادہ دے گا۔

سبحان اللہ، جب جنت کے سب سے کم اور ادنیٰ درجے کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اس کے اعلیٰ درجوں کی نعمتوں کی کیا کیفیت ہوگی!

اس حدیث میں آخرت کے مقابلے میں ہماری دنیا کے حقیر ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ جس قدر خرچ کرے، کوئی کمی نہیں ہوتی۔

80۔ اہل جنت سے اللہ تعالیٰ کا خطاب

80......عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ: یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ! فَیَقُوْلُوْنَ: لَبَّیْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْكَ، وَالْخَیْرُ كُلُّهٗ فِیْ یَدَیْكَ. فَیَقُوْلُ: هَلْ رَضِیْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰی یَا رَبُّ وَقَدْ اَعْطَیْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ؟ فَیَقُوْلُ: اَلَا اُعْطِیْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: یَا رَبُّ، وَاَیُّ شَیْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَیَقُوْلُ: اُحِلُّ عَلَیْكُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5626 صحیح بخاری، رقم: 6549
صحیح مسلم، رقم: 7140 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1802

"حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
بے شک اللہ تعالیٰ جنت والوں کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے جنت والو! وہ عرض کریں: اے ہمارے رب! ہم دل وجان سے حاضر ہیں تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے! ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔
وہ فرمائے گا: کیا تم لوگ خوش ہو؟

وہ عرض کریں گے: جی ہاں، اے ہمارے رب، ہم کیوں خوش نہ ہوں، آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمہیں اس سے بھی بہتر چیز نہ دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے بہتر بھی کوئی چیز ہوسکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اپنی ہمیشہ رضا اور خوشنودی تمہیں عطا کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔"

تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے۔

اس حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

جنت میں ہر شخص کو اتنی زیادہ نعمتیں حاصل ہوں گی جو اس کے تصور سے بھی بڑھ کر ہوں گی اس لیے وہ

ان کو پا کر خوش اور مطمئن ہو جائے گا۔

2: جنت والوں کی خوشی اور اطمینان ہی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے گا کہ کیا تم لوگ میرے انعامات پا لینے کے بعد خوش اور مطمئن ہو؟ یہ سوال دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید فضل و رحمت کی تمہید ہوگا۔

3: پھر اللہ تعالیٰ اُن کی اور زیادہ تسلی اور خوشی کی خاطر ارشاد فرمائے گا کہ دیکھو، میں تم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہوں اور تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان بھی اہل جنت کے لیے مزید خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگا کیونکہ یہ ﴿رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ وہ رضائے الٰہی ہے جو بہت بڑی نعمت ہے۔

(التوبہ:72)

4: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کے لیے اپنی رضا اور خوشنودی کا یہ اعلان اپنے اندر یہ حقیقت بھی رکھتا ہے کہ اہل جنت کو ملنے والی تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں اور ان میں کبھی کوئی کمی یا ناغہ نہ ہوگا۔

5: اللہ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کا حصول بجائے خود اتنی بڑی نعمت ہوگی کہ جنت کی تمام نعمتیں اس کے سامنے ہیچ اور معمولی ہوں گے۔ البتہ پھر اس رضائے الٰہی سے بھی بڑھ کر ''دیدارِ الٰہی'' کی عظیم ترین نعمت ہوگی جس سے اہل جنت فیض یاب ہوں گے۔

81۔ جنت میں کاشتکاری

81......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ، كَانَ یَتَحَدَّثُ وَعِنْدَهٗ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ: ((اِنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهٗ فِی الزَّرْعِ. فَقَالَ لَهٗ: اَلَسْتَ فِیْمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلٰی، وَلٰكِنْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ، فَبَذَرَ، فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاؤُهٗ، وَاسْتِحْصَادُهٗ فَكَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ، فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی: دُوْنَكَ یَا ابْنَ آدَمَ! فَاِنَّهٗ لَا یُشْبِعُكَ شَیْءٌ)) فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ: وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِیًّا اَوْ اَنْصَارِیًّا، فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ؛ وَاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ! فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5653 صحیح بخاری، رقم: 2348 مسند احمد، رقم: 10650

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ گفتگو فرما رہے تھے۔ ایک دیہاتی شخص بھی وہاں موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جنت والوں میں سے ایک آدمی اپنے رب سے کاشت کاری کرنے کی اجازت مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ اُسے فرمائے گا: کیا تجھے ہر چیز حاصل نہیں؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں، مجھے سب کچھ میسر ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ کاشت کاری کروں۔ پھر وہ بیج بوئے گا۔ پلک جھپکتے وہ کھیتی اُگ کر تیار ہوگی اور کٹ بھی جائے گی۔ اناج کے ڈھیر پہاڑوں جیسے ہوں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے انسان! اسے لے لو، تیرا پیٹ کسی چیز سے نہیں بھرتا۔

اُس اعرابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

اللہ کی قسم! وہ کوئی قریشی یا انصاری ہی ہوگا کیونکہ وہی کاشتکاری کرتے ہیں، رہے ہم، تو ہم کاشت کار نہیں ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے۔''

تشریح:

جنت کی بے انتہا نعمتیں پا لینے کے باوجود وہاں کسی آدمی کا کھیتی باڑی اور کاشت کاری کی خواہش کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان کی حرص اور لالچ کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا اور یہ کہ دولت کی فراوانی کے بعد اور عیش و عشرت کی آخری حد تک پہنچ کر بھی وہ قناعت نہیں کرتا۔

اسی مضمون کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (التکاثر:26)

''تمہیں بہت زیادہ حرص نے غافل کردیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچتے ہو۔''

اسی بات کی وضاحت ایک متفق علیہ حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ .))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر انسان کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کی خواہش کرے گا۔ انسان کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی بھرے گی۔ اور اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کے پاس اتنی دولت ہوتی ہے کہ اُس کو وہ خود شمار نہیں کر سکتے، کوٹھیاں، جاگیریں، اقتدار، کارخانے اور بنک بیلنس مگر اس سب کچھ کے باوجود اُن کے اندر سے هَلْ مِنْ مَزِيْد (کچھ اور بھی) کی صدا بلند ہوتی رہتی ہے۔

اصل بات یہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث بھی ہے کہ امیری اور دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ دل سے حاصل ہوتی ہے۔ اصل غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے: ''تونگری بدل است نہ بمال'' (امیری دل سے ہے نہ کہ مال سے)۔

مشہور صحابی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بھی حضور ﷺ نے قناعت کی نصیحت کی تھی کیونکہ اُن میں بھی پہلے دولت کی کثرت طلبی تھی۔ پھر حضور ﷺ کے سمجھانے پر اُنہوں نے قناعت پسندی اختیار کر لی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ دل کا اطمینان رزقِ کفاف، ہی میں ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آدمی اللہ کے دیے ہوئے پر قناعت کرے اور زیادہ کی ہوس نہ کرے ورنہ اُسے کبھی اطمینان حاصل نہ ہوگا۔

حدیث کے آخر میں اعرابی کی بات سن کر نبی ﷺ کے ہنسنے کا ذکر آیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ بھی تمام تر بشری جذبات و احساسات رکھتے تھے اور ہنسی کے موقع پر ہنستے اور غمی کے موقع پر غم کا اظہار فرماتے تھے۔

82۔دوزخ سے نکل کر جنت میں جانے والا آخری شخص

82......عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:
((اِنِّیْ لَاَعْلَمُ آخِرَ اَھْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْھَا ، وَآخِرَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ دُخُوْلًا ، رَجُلٌ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَیَقُوْلُ اللّٰہُ: اِذْھَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّۃَ ، فَیَاْتِیْھَا ، فَیُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّھَا مَلْاٰی فَیَقُوْلُ: یَا رَبِّ! وَجَدْتُھَا مَلْاٰی . فَیَقُوْلُ اللّٰہُ: اِذْھَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّۃَ ، فَاِنَّ لَکَ مِثْلَ الدُّنْیَا وَعَشْرَۃَ اَمْثَالِھَا ، فَیَقُوْلُ: اَتَسْخَرُ مِنِّیْ۔ اَوْ تَضْحَکُ مِنِّیْ۔ وَاَنْتَ الْمَلِکُ؟)) وَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ ضَحِکَ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ۔ ، وَکَانَ یُقَالُ: ذٰلِکَ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً .

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 5586 صحیح بخاری ، رقم: 6571
صحیح مسلم ، رقم: 308,461 ترمذی ، رقم: 2595
اللؤلؤوالمرجان ، رقم: 117

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میں اُس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گا۔ یہ ایسا شخص ہوگا جو سرین کے بل گھسٹ کر دوزخ سے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہوجاؤ۔ وہ وہاں آئے گا تو یہ خیال کرے گا کہ وہ تو بھر چکی ہے۔ اس لیے وہ عرض کرے گا؛ اے میرے رب! جنت تو بھر چکی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤاور جنت میں داخل ہوجاؤ۔ تمہارے لیے اُس دنیا کے دس گنا برابر وسیع مقام ہے۔ وہ عرض کرے گا: کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے، حالاں کہ تو بادشاہ ہے۔
اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حدیث بیان فرمائی تو آپ ﷺ ہنس دیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگیں، کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہوگا۔''

تشریح

ظاہر ہے دوزخ سے نکالا جانے ولا یہ آخری شخص ضرور کوئی ایمان والا ہی ہوگا کیونکہ بغیر ایمان لائے

کوئی بھی جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس لیے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جب اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو وہ خیال کرے گا شاید جنت بھر چکی ہے اور اس میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اُسے دنیا سے بھی دس گنا زیادہ وسیع جگہ عطا فرمائے گا۔ سبحان اللہ! جنت کی بے پایاں وسعتوں کا کیا ٹھکانا! جہاں سب سے کم درجے کے جنتی کو اتنی کشادہ سرزمین حاصل ہوگی وہاں اعلیٰ درجے کے جنتیوں کے لیے کتنے وسیع مقامات ہوں گے!

اس حدیث کے آخری الفاظ:

((وَكَانَ يُقَالُ: ذٰلِكَ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً.))

نہ تو حدیث کا اصل متن ہے اور نہ یہ نبی ﷺ کا کلام ہے بلکہ یہ بعد کے کسی راوی کا اضافہ ہے جو حدیث کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

83۔ حوضِ کوثر

83......عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((حَوْضِي مَسِيْرَةُ شَهْرٍ، وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ، وَمَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَرِيْحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ، مَنْ يَشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا.))

مشكوة المصابيح، رقم: 5567 صحيح بخارى، رقم: 6579
صحيح مسلم، رقم: 5971 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1478

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میرے حوض کی لمبائی ایک مہینے کے سفر کے برابر ہے اور اس کے چاروں اطراف برابر ہیں۔ اُس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اُس کی خوشبو کستوری سے بڑھ کر ہے۔ اس کے پیالے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں۔ جس شخص نے اُس سے پی لیا وہ پھر کبھی (میدان محشر میں) پیاسا نہ ہوگا۔''

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آخرت میں رسول اللہ ﷺ کو حوضِ کوثر بھی عطا فرمائے گا۔ اِس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر: 1)

''بے شک ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا کر دیا۔''

حوضِ کوثر کے بارے میں جو صحیح احادیث ملتی ہیں وہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ جنت کی عظیم الشان نہر ہوگی۔ اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں دودھ ملا ہوگا۔ اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ عمدہ ہوگی۔ اس کے لیے رکھے گئے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوں گے۔ اس سے اہل ایمان سیراب ہوں گے اور کافر اور نافرمان لوگ اس سے محروم ہوں گے۔

84۔ جنت میں دیدارِ الٰہی

84...... عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا))

وَفِيْ رِوَايَةٍ: قَالَ: كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: ((اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ، فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا)) . ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا.''

مشكوة المصابيح، رقم:5655 صحيح بخاری، رقم: 7435، 554

صحيح مسلم، رقم: 1434 ابوداؤد، رقم: 4729

اللؤلؤ والمرجان، رقم: 368

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک تم لوگ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے صاف طور پر ظاہر دیکھو گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا:

عنقریب تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اسے دیکھنے میں تمہیں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ اگر تم سے ہو سکے تو صبح کی نماز اور عصر کی نماز ادا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ بلکہ ان کو ضرور ادا کرو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا...﴾ (طٰهٰ: 130)

''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کریں سورج نکلنے سے پہلے، سورج ڈوبنے سے پہلے۔''

تشریح:

اہل سنت کے عقیدے کے مطابق جنت میں اہل جنت کے لیے سب سے آخری اور عظیم نعمت اللہ تعالیٰ

کا دیدار ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌo اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌo﴾ (القيامه:22،23)

''کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

دوسری جگہ فرمایا کہ دیدارِ الٰہی کی اس عظیم نعمت سے کافر لوگ محروم رہیں گے۔

﴿كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَo﴾ (المطففين:15)

''ہرگز نہیں! اس دن ان کافروں کو ان کے رب کے دیدار سے محروم رکھا جائے گا۔''

ایک سے زیادہ صحیح احادیث کی رُو سے آخرت میں جنتیوں کے لیے دیدارِ الٰہی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس حدیث میں چاند کی اس مثال کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ ایسا دیکھنا یقین کے اعلیٰ ترین درجے عین الیقین کی صورت میں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جیسے لاکھوں انسان بیک وقت چاند کو بغیر کسی رکاوٹ کے دیکھ سکتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر کسی رکاوٹ کے ہوگا۔

اہل جنت کے لیے دیدارِ الٰہی کی نعمت دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔

((عَنْ صُهَيْبٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ.)) (صحيح مسلم، رقم:449)

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کچھ اور بھی چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے کیا تو نے ہمیں سرخرو نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور دوزخ سے نجات نہیں دی۔ پھر اللہ تعالیٰ حجاب ہٹائے گا تو جنت والوں کو اپنے رب کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہ ہوگی۔''

باب 15......دوزخ

85۔ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر (70) گنا زیادہ سخت گرم ہے

85...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

((نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِّنْ نَارِ جَهَنَّمَ))

قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةٌ. قَالَ: ((فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّیْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5665	صحیح بخاری، رقم: 3265
صحیح مسلم، رقم: 7166,7165	ترمذی، رقم: 2589
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1808	صحیفہ ھمام بن منبہ، رقم: 14

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تمہاری اس دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ ستر (70) گنا زیادہ گرم ہے۔ عرض کیا گیا: وہ اگر اسی دنیا کی آگ کے برابر گرم ہوتی تو بھی کافی تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے اُنہتر (69) حصے زیادہ بڑھ کر ہے اُن میں سے ہر ایک حصہ دنیا کی آگ کے برابر حرارت رکھتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر دنیا کی ساری وہ آگ جمع کی جائے جو انسانوں نے جلائی یا جلاتے ہیں یا جلائیں گے تو یہ سب مل کر بھی جہنم کی آگ کے ستر (70) حصوں کے مقابلے میں صرف ایک حصے برابر ہوگی۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ دوزخ کی آگ کی سختی اور شدت کا ذکر ہے کہ گرمی کی شدت اور

حرارت کی زیادتی کے لحاظ سے جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ستر (70) گنا زیادہ تیز اور شدید ہے۔

اس حدیث کو سن کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہماری دنیا کی آگ بھی انسانوں کو جلانے اور بھسم کرنے کے لیے کافی تھی۔

جہنم کی آگ کی تیزی اور شدت اس وجہ سے بھی زیادہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ کا عذاب ہے جو ظاہر ہے کسی مخلوق کی تیار کی ہوئی آگ نہیں ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ:

﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ﴾ (الھمزہ: 6)

''اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔''

دراصل دوزخ آگ کا بہت بڑا گڑھا ہے جہاں آخرت میں کافر، مشرک اور گناہ گار لوگ ڈالے جائیں گے۔ کفار و مشرکین تو اس میں ہمیشہ رہیں گے مگر گناہ گار مسلمان سزا بھگتنے کے بعد جنت میں بھیج دیے جائیں گے۔ دوزخ کے اندر مختلف سزاؤں اور عذابوں کی تفصیل قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔

86۔ دوزخ خواہشاتِ نفسانی سے اور جنت ناگوار چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے

86...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5160 صحیح بخاری، رقم: 6487
صحیح مسلم، رقم: 7130 ترمذی، رقم: 2559
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1797

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دوزخ کو خواہشاتِ نفسانی سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو ناگوار چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو برے اعمال دوزخ کی طرف لے جانے کا باعث بنتے ہیں، اُن میں عام طور پر انسان کی طبیعت اور نفس کے لیے بڑی کشش اور لذت رکھی گئی ہے اور ان سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے اکثر لوگ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کر کے دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اسی طرح جو اچھے اعمال جنت کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں، عام طور پر انسانی طبیعت اور نفس کو اُن سے ناگواری محسوس ہوسکتی ہے۔ جیسے نماز، روزے اور جہاد جیسے شرعی احکام نفسِ انسانی پر دشوار اور شاق گزرتے ہیں لیکن انہی کی پابندی کر لینے اور کچھ مشقت اُٹھا لینے کے نتیجے میں انسان کو جنت مل سکتی ہے۔

اس مضمون کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے بھی ہوجاتی ہے:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ أَرْسَلَ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَام إِلَى الْجَنَّةِ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلَیْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا، قَالَ: فَجَاءَهَا وَنَظَرَ إِلَیْهَا وَإِلَى مَا أَعَدَّ اللّٰهُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا. قَالَ فَرَجَعَ إِلَیْهِ، قَالَ: فَوَعِزَّتِكَ لَا یَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا، فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَیْهَا فَانْظُرْ إِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِیْهَا،

قَالَ: فَرَجَعَ إِلَيْهَا، فَإِذَا هِيَ قَدْ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خِفْتُ أَنْ لَا يَدْخُلَهَا أَحَدٌ. قَالَ: اذْهَبْ إِلَى النَّارِ فَانْظُرْ إِلَيْهَا وَإِلَى مَا أَعْدَدْتُ لِأَهْلِهَا فِيهَا. فَرَجَعَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا أَحَدٌ فَيَدْخُلَهَا. فَأَمَرَ بِهَا فَحُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ. فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَيْهَا. فَرَجَعَ إِلَيْهَا. فَقَالَ: وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ لَا يَنْجُوَ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا دَخَلَهَا.))

(جامع ترمذی، ابو داؤد، سنن نسائی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ جا کر دیکھ لو۔ وہ گئے، اسے دیکھا اور واپس کر کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اس کے بارے میں جو بھی سنے گا اس میں ضرور داخل ہوگا۔ پھر اللہ نے جنت کو تکلیفوں اور مشقتوں سے بھر دیا اور فرمایا: اے جبریل علیہ السلام! جاؤ اسے جا کر دیکھو وہ گئے پھر وہ گئے اور پھر واپس آ کر کہنے لگے: اے میرے رب تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اب اس میں کوئی بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح جب دوزخ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا جاؤ اور جا کر اسے دیکھ لو۔ وہ گئے، اسے دیکھا پھر واپس آئے اور عرض کیا: ''آپ کے جلال کی قسم! اس کے بارے میں سن کر کوئی بھی اس میں داخل نہ ہوگا'' پھر اللہ نے اسے خواہشوں اور لذتوں سے بھر دیا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا جاؤ، جا کر اسے دیکھو۔ وہ گئے اسے دیکھا اور پھر عرض کیا: اے میرے رب! آپ کے جلال کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اس میں داخل ہونے سے کوئی بھی بچ نہ سکے گا۔''

87۔ جنت اور دوزخ کے غوطے

87......وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

((یُـوْتٰی بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْیَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ، فَیُصْبَغُ فِی النَّارِ صَبْغَةً ، ثُمَّ یُقَالُ: یَـا ابْـنَ آدَمَ! هَلْ رَأَیْتَ خَیْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّبِكَ نَعِیْمٌ قَطُّ؟ فَیَقُوْلُ: لَا وَاللّٰهِ یَا رَبِّ ! وَیُؤْتٰی بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِی الدُّنْیَا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ، فَیُصْبَغُ صَبْغَةً فِی الْجَنَّةِ ، فَیُقَالُ لَهٗ: یَا ابْنَ آدَمَ! هَـلْ رَأَیْـتَ بُـؤْسًا قَطُّ؟ وَهَلْ مَرَّبِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَیَقُوْلُ: لَا وَاللّٰهِ ، یَا رَبِّ! مَا مَرَّبِی بُؤْسٌ قَطُّ ، وَ لَا رَأَیْتُ شِدَّةً قَطُّ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5669 — صحیح مسلم، رقم: 7088

مسند احمد، رقم: 13143

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن دوزخ میں جانے والوں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کو دنیا میں سب نعمتیں حاصل تھیں، اُسے دوزخ کی آگ میں غوطہ دیا جائے گا۔ پھر اُس سے پوچھا جائے گا:

اے انسان! کیا تم نے کبھی کوئی نعمت اور راحت دیکھی تھی؟ کیا کوئی نعمت تیرے پاس سے بھی گزری تھی؟

وہ کہے گا:

اے میرے رب! اللہ کی قسم! کبھی نہیں۔

پھر جنت میں جانے والوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف اور تنگ دستی دیکھی ہوگی۔ اُسے جنت میں لے جا کر ایک غوطہ دیا جائے گا اس سے پوچھا جائے گا؟

کیا تو نے کبھی تکلیف یا تنگ دستی دیکھی تھی؟ یا کوئی بدحالی تیرے پاس سے بھی گزری تھی؟

وہ کہے گا: اے میرے رب! اللہ کی قسم! میں نے کبھی بدحالی یا کوئی تنگی یا تکلیف نہیں دیکھی تھی۔''

تشریح:

اس حدیث سے دوزخ کی ہولناکی اور جنت کے عیش و آرام کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

دوزخ کا عذاب اتنا سخت ہوگا کہ انسان کو دنیا کا عیش وعشرت ایک لمحے میں بھول جائے گا۔

دوسری طرف جنت کے عیش و آرام کا حال یہ ہوگا کہ اُس میں قدم رکھتے ہی انسان کے عمر بھر کے تمام دُکھ اور تکلیفیں دُور ہو جائیں گی اور اُن کا احساس تک باقی نہ رہے گا ؎

ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کُلفتیں تمام
گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

پھر جب معاملہ یہ ہے تو عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیا کے اس عارضی عیش و آرام کو تج دیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والا ہو اور جو ہمیں دوزخ میں لے جانے والا ہو۔ ہر اُس تکلیف اور پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے جو ہمیں اللہ کو راضی کرنے کے لیے اُس کے دین کی راہ میں پیش آئے اور دنیا کے فانی عیش کو جنت کے لافانی عیش پر قربان کر دینا چاہیے۔

88۔ ابوطالب کے لیے دوزخ کا سب سے کم عذاب

88......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ .))

مشکٰوۃ المصابیح، رقم: 5668 صحیح مسلم، رقم: 515
مسند احمد، رقم: 2636

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دوزخ والوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا جس نے آگ کے دو جوتے پہنے ہوں گے جن سے اس کا دماغ کھولے گا۔''

تشریح:

ابوطالب حضور ﷺ کے چچا کا نام ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی پرورش کی۔ اُن کی شفقت اور سرپرستی سے حضور ﷺ کو بہت فائدہ پہنچا مگر انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ قبیلہ بنو ہاشم کا سردار ہونے کی وجہ سے انہوں نے دشمنوں کے مقابلے میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا لیکن ایمان قبول نہ کر سکنے کی وجہ سے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے کیونکہ اُن تک حضور ﷺ نے دین کی دعوت پہنچا دی تھی۔

حدیث میں دوزخ کے سب سے ہلکے عذاب کا ذکر ہے جو ابوطالب کو ہوگا کہ اُن کو آگ کے دو ایسے جوتے پہنائے جائیں گے جس سے اُن کا دماغ کھولے گا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دوزخ کے بڑے عذاب کتنے شدید اور ہولناک ہوں گے۔

باب 16......دعوت وتبلیغ

89۔ نیکی یا برائی کی ترغیب دینے والے کے لیے جزا وسزا

89......عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئاً۔ وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ آثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئاً۔))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 158 — صحیح مسلم، رقم: 6804

ابوداوٗد، رقم: 4609 — ترمذی، رقم: 2674

ابن ماجه، رقم: 206

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جو شخص کسی ہدایت کے کام کی طرف دعوت دے تو اسے بھی اُس ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور اُن کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جو کوئی کسی گمراہی کے کام کی طرف بلائے گا تو اسے بھی اُس گمراہی کی پیروی کرنے والوں کے برابر گناہ ملے گا اور اُن کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

تشریح:

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے کسی نیک کام کا ذریعہ بنتا ہے تو اُسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس نیک کام کرنے والے کو ملے گا اور اُس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے برے کام کا باعث بنتا ہے تو اسے بھی اتنا گناہ ملے گا جتنا گناہ اُس برے کام کرنے والے کو ملے گا اور اُس کے گناہ میں کمی نہیں ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ ." (صحیحه للالبانی: 1660)

کسی نیک کام کی ترغیب دینے والے کے لیے بھی ایسا ہی اجر ہے جیسا اُس کام کرنے والے کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اچھے کام کی ترغیب دینے والے کو بھی اچھا کام کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے اور برے کام کی ترغیب دینے والے کو بھی وہ برا کام کرنے والے کے برابر گناہ ملتا ہے۔

اسی مضمون سے ملتی جلتی صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ:

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْاَ وَّلِ كِفْلٌ مِنْ دَمِهَا؛ لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ .))

بخاری، رقم: 3335 مسلم، رقم: 4379

ترمذی، رقم: 2673 ابن ماجه، رقم: 2616

''حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو بھی ناجائز قتل ہوتا ہے تو قتل کے اُس گناہ کا ایک حصہ آدم علیہ السلام کے بیٹے (قابیل) کو بھی ملتا ہے کیونکہ اس نے قتل کے طریقے کی ابتدا کی تھی۔''

90۔ وعظ ونصیحت میں وقفہ کرنا

90...... عَنْ شَقِيْقٍ ﷺ، كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ . فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ! لَوَدِدْتُّ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ . قَالَ: اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ ، وَاَنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا .

مشکوٰۃ المصابیح، رقم:207	صحیح بخاری، رقم: 70
صحیح مسلم، رقم: 7129	ترمذی، رقم: 6855
مسند احمد، رقم: 3587	اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1796

’’شقیق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہر جمعرات کے دن وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ کسی آدمی نے اُن سے کہا:

اے ابوعبدالرحمٰن! میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ ونصیحت کیا کریں۔ اس پر انہوں نے جواب میں فرمایا: دیکھو، میں تمہیں اس لیے روزانہ وعظ نہیں کرتا کہ کہیں تم اُکتا نہ جاؤ۔ وعظ ونصیحت میں ناغہ کر کے مجھے تمہارا خیال رکھنا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ ہمارا خیال رکھتے تھے کہ ہم کہیں اُکتا نہ جائیں۔‘‘

تشریح:

اِس حدیث میں دعوت وتبلیغ کے طریقے کا ایک اصول یہ بتایا گیا ہے کہ داعی کو اپنے مخاطبین کی نفسیات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ جب تک سننے والوں میں دلچسپی قائم رہے اُس وقت تک اُن کو نصیحت کرنی چاہیے جب وہ سننے پر آمادہ نہ ہوں اور اُکتاہٹ کے باعث عدمِ دلچسپی کا مظاہرہ کریں تو وعظ کہنا ختم کر دینا چاہیے۔

وقفے اور ناغے سے وعظ ونصیحت کرنا بہت مفید بھی ہے اور مسنون بھی۔ روزانہ وعظ ونصیحت کی مجالس کا ایک نقصان یہ ہے کہ لوگ تقریر سننے کے عادی ہو جاتی ہے مگر عمل سے دور ہو جاتے ہیں۔ داعی کا یہ کام نہیں کہ وہ موقع بے موقع دعوت دینے کے لیے بے تاب ہو، خواہ کوئی دوسرا سننے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو۔ اُسے دوسروں کی ضروریات، مشکلات اور حالات کا خیال رکھتے ہوئے دین کی دعوت دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے شاگرد عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہیں کہ:

((حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ، فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ؛ وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ، فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ، وَلَكِنْ أَنْصِتْ، فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6337)

''لوگوں کو ہر جمعے کے دن وعظ و نصیحت کیا کرو۔ پھر اگر اس سے زیادہ ہو تو ہفتے میں دو مرتبہ۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو تین بار۔ دیکھو، لوگوں کو اِس قرآن سے بیزار نہ کرو۔ میں تمہیں اس طرح نہ دیکھوں کہ تم کچھ لوگوں کے پاس جاؤ، وہ اپنی باتوں میں لگے ہوں اور تم اُن کی بات مین مداخلت کر کے (دخل در معقولات) اُنہیں وعظ سنانا شروع کر دو اور اس طرح اُن کو بے زار کرو۔ بلکہ ایسے موقع پر خاموش رہو۔ پھر جب وہ لوگ خود فرمائش کریں تو اُنہیں وعظ سناؤ، اس طرح کہ وہ خود چاہیں کہ سنیں.....''

پہلی حدیث اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ہمارے زمانے کے واعظین اور ذاکرین کے لیے بڑا سبق ہے، جو موقع بے موقع، دوسروں کے آرام اور دلچسپی کا خیال رکھے بغیر، شب و روز بلند آواز میں لاؤڈ اسپیکر پر اپنی جوشیلی خطابت اور تان سینی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ جن کو نہ کسی بیمار کی بیماری کا، نہ کسی سونے والے کے آرام کا اور نہ کسی طالب علم کی پڑھائی کے حرج کا خیال آتا ہے۔ جن کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ان کا یہ طرزِ عمل لوگوں کے دلوں میں اُن کے خلاف بلکہ اسلام اور مسجد کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے لوگ مکان کے حصول کے وقت یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ کہیں مسجد کے قریب نہ ہو تا کہ وہ لاؤڈ اسپیکر کے بے جا استعمال کے عذاب سے محفوظ رہیں۔

91۔حدیث کی تبلیغ کرنے والوں کے حق میں حضور ﷺ کی دُعا

91......عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

((نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَھَا وَوَعَاھَا وَأَدَّاھَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرُ فَقِیْہٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 228	ترمذی، رقم: 2658
ابوداؤد، رقم: 3660	ابن ماجہ، رقم: 230
دارمی، رقم: 229	مسند احمد، رقم: 21923

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اُس بندے کو ترو تازہ اور خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث سنی، اُسے یاد رکھا اور محفوظ کرلیا اور پھر اُسے آگے بیان کر دیا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر علم والا فقیہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی فقیہ اپنے سے زیادہ بڑے فقیہ تک بات پہنچا دیتا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے اور الفاظ کے تھوڑے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔ تاہم ان سب کا مضمون ایک جیسا ہے۔

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ نبی ﷺ نے احادیث کی زبانی نقل و روایت کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی احادیث سے اس کی بار بار تاکید ثابت ہے۔ یہ گویا حدیث کی حفاظت کا اہتمام تھا اور ایسے لوگوں کے لیے جو حضور ﷺ سے کوئی حدیث سن کر دوسروں تک پہنچائیں اُن کے حق میں آپ ﷺ نے خاص طور پر دعا کی تھی۔

اسی حدیث کی چند روایتیں حسب ذیل ہیں:

(1)......سنن ابوداؤد کتاب العلم میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے، وہ بیان

کرتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءً ا سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا ، فَحَفِظَہٗ حَتّٰی یُبَلِّغَہٗ .)) (ابوداؤد، رقم: 3660)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ اور خوش وخرم رکھے جو ہم سے کوئی حدیث سنے، پھر اُسے یاد اور محفوظ رکھے اور پھر اُسے دوسروں تک پہنچا دے۔''

(2)...... جامع ترمذی میں بھی انہیں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَہٗ حَتّٰی یُبَلِّغَہٗ .)) (ترمذی، رقم: 2656)

''اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے کوئی سن کر دیا کر لی اور اُسے دوسروں تک پہنچا دیا۔''

(3)...... جامع ترمذی میں ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ .)) (جامع ترمذی، رقم: 2657)

''اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا۔ پھر جیسے اُس نے سنا ویسے ہی دوسروں تک اُسے پہنچا دیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسے بات پہنچائی جائے وہ پہلے سننے والے سے بھی زیادہ اُسے یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔''

(4)...... جامع ترمذی میں ایک اور حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا وَحَفِظَھَا وَ بَلَّغَھَا .)) (ترمذی، رقم: 2658)

''اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ اور خوش وخرم رکھے جس نے میری کوئی بات سنی، پھر اُسے یاد رکھ کر محفوظ کر لیا اور اُسے دوسروں تک پہنچا دیا۔

(5)...... صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ .)) (صحیح بخاری، رقم: 1741)

''پس لازم ہے کہ جو یہاں پر حاضر ہے، وہ اُس تک جو یہاں حاضر نہیں ہے، (میری باتیں)

پہنچا دے۔''

نبی ﷺ کے ان ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو احادیث کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی تاکید فرمائی اور ایسا کرنے والوں کے حق میں بار بار دعا فرمائی۔

اس سے معلوم ہے کہ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ حدیث کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا بالکل بے اصل اور جھوٹا دعویٰ ہے۔

92۔ جھوٹی حدیث بیان کرنے کا عذاب

92......عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً ، وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 198 صحیح بخاری ، رقم: 3461
ترمذی ، رقم: 2669 مسند احمد ، رقم: 6486

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
میری طرف سے پہنچا دو خواہ ایک آیت ہی ہو۔ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ (کی آگ) میں بنالے۔''

تشریح:

اس حدیث کے آخری ٹکڑے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ .))

''جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے۔''

کو ستر (70) سے زیادہ صحابہ کرام علیہم السلام نے (جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں) انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ بالاتفاق متواتر حدیث (لفظی) کی مثال ہے۔

اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ''میری طرف سے پہنچا دو خواہ یک ہی آیت ہو'' سے مراد قرآن مجید کی آیت بھی ہوسکتی ہے اور کوئی حدیث بھی۔ مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ جو دعوت اور پیغام لے کر بھیجے گئے ہیں اُس کی کوئی ایک بات بھی معلوم ہو تو اسے دوسروں تک پہنچا دینے کی تاکید ہے۔ اس سے اسلام میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت اور اس کا حکم واضح ہوتا ہے۔

دوسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ ''بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے واقعات انہی کے حوالے سے بیان کیے جاسکتے

ہیں۔ اُن کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا کیا جائے تو یہ جھوٹ ہوگا جس کی سزا دوزخ ہے۔

یاد رہے بنی اسرائیل کے وہی واقعات قبول کرنے چاہئیں جن کی تائید قرآن و حدیث سے ہوتی ہو ورنہ اُن کو درست تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔

تیسری بات جو اس حدیث میں واضح کی گئی وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی طرف کوئی جھوٹی حدیث گھڑ کر منسوب کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی سزا دوزخ ہے۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے فرمان سے حلال و حرام کے احکامات ثابت ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد حکم اور قانون ہے کیونکہ آپ ﷺ شارع بھی ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرنا جو آپ ﷺ نے نہ کہی ہو انتہائی خطرناک چیز ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی سخت ہے۔

لیکن افسوس اس حدیث کی تعلیم کے باوجود مسلمانوں نے اپنی کتابوں میں بنی اسرائیل کے جھوٹے قصے (اسرائیلیات) بھی شامل کر دیے اور بے شمار جھوٹی حدیثیں بھی حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیں۔ فیـــا للعجب!

93۔ دین کی راہ میں آزمائشیں

93...... عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: شَكَوْنَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، وَقَدْ لَقِينَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شِدَّةً، فَقُلْنَا: اَلَا تَدْعُو اللّٰهَ، فَقَعَدَ وَهُوَ مُحْمَرٌّ وَجْهُهُ وَقَالَ:

((كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِمِنْشَارٍ، فَيُوْضَعُ فَوْقَ رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ، فَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهِ، وَيُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِيْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ وَعَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهِ، وَاللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ، لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ، اَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ.

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 5858 صحیح بخاری، رقم: 3612 مسند احمد، رقم: 27759

''حضرت خباب بن ارت تمیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے نبی ﷺ سے مشرکین کی زیادتیوں کی شکایت کی۔ آپ ﷺ اُس وقت خانہ کعبہ کے سائے میں ایک دھاری دار چادر کا سرہانا بنائے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؟ یہ سنا تو آپ ﷺ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

تم سے پہلے ایسے لوگ بھی ہوگزرے ہیں کہ ان میں سے کسی کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا۔ پھر آرہ لا کر اُس کے سر پر رکھ دیا جاتا جس سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔ مگر یہ ظلم وستم بھی اُس کو اُس کے دین سے نہ ہٹا سکتا۔ کبھی کسی کے جسم کے گوشت ہڈیوں اور پٹھوں میں لوہے کے کنگھے دھنسا دیے جاتے۔ مگر یہ چیز بھی اُسے اُس کے دین سے ہٹا نہ سکی۔

اللہ کی قسم! یہ دین مکمل ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعا (یمن) سے حضر موت تک سفر کرے گا۔ اُسے اللہ کے خوف کے سوا راستے میں کسی چیز کا خوف نہ ہوگا۔ البتہ بکریوں کے لیے بھیڑیے کا ڈر رہے گا۔ لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔''

تشریح:

ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور امتحان میں ڈال کر آزماتا ہے یہ اس کا قانون ہے، تا کہ کھوٹے اور کھرے، جھوٹے اور سچے کی پہچان ہو جائے اور پھر اسی لحاظ سے اُن کو جزا و سزا دی جائے۔

خود حضرت محمد ﷺ کو مشرکین قریش نے ہر طرح ستایا۔ طائف میں آپ ﷺ کو لہولہان کر دیا گیا۔ غزوۂ اُحد میں آپ ﷺ کے دو دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ شدید زخمی ہوئے۔ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تو آپ ﷺ کو ہجرت کرنی پڑی۔

پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ راہِ حق میں کون کون سی آزمائشیں پیش آسکتی ہیں:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ﴾ (البقرہ:155)

''اور ہم تمہیں بعض آزمائشوں میں ضرور ڈالیں گے جیسے دشمن کا خطرہ، فاقے کا ڈر، مال کا نقصان، جان کی ہلاکت اور قحط سالی کی آفت۔''

پھر اسی آزمائش میں کامیاب ہونے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے انعامات بھی رکھے ہیں۔

مذکورہ حدیث میں نبی ﷺ نے حضرت خباب بن اَرَت تمیمی رضی اللہ عنہ کو دین پر ثابت قدم رہنے کے لیے پہلی اُمتوں کے اہلِ حق کی مثالیں بیان فرمائیں کہ یہ آزمائشیں تو آئیں گی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو سخت اذیتیں دی گئیں مگر اُن کی استقامت اور استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

اسی حدیث کے راوی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو ایمان لانے کے جرم میں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ وہ پیشے کے لحاظ سے لوہار تھے۔ لوگ اُن سے کام لیتے اور مزدوری نہ دیتے۔ ایک دن زمین میں کوئلے جلا کر اُس پر اُن کو چت لٹا دیا گیا۔ ایک شخص نے اُن کی چھاتی پر پاؤں رکھا تا کہ کروٹ نہ بدل سکیں، یہاں تک کہ دہکتے ہوئے گرم کوئلے اُن کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ پیٹھ جل گئی اور چربی تک پگھل گئی۔ بہت عرصے بعد ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جلی ہوئی پیٹھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دکھائی تھی۔

باب 17...... اُمت مسلمہ، صحابہ کرام اور انصار

94۔ اُمت مسلمہ کی فضیلت

94......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ، بَیْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ، وَأُوْتِیْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ، ثُمَّ هٰذَا یَوْمُهُمُ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْهِمْ ــ یَعْنِیْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ــ فَاخْتَلَفُوْا فِیْهِ ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ ، وَالنَّاسُ لَنَا فِیْهِ تَبَعٌ ، اَلْیَهُوْدُ غَدًا ، وَالنَّصَارٰی بَعْدَ غَدٍ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 1354 — صحیح بخاری، رقم: 876
صحیح مسلم، رقم:1980، 1978 — نسائی، رقم: 1367
مسند احمد، رقم: 8484 — اللؤلؤوالمرجان، رقم: 496
صحیفه همام بن منبه، رقم: 1

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہم آخری اُمت ہیں مگر قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔ دوسروں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ہمیں بعد میں دی گئی۔ یہی جمعے کا دن اُن کی عبادت کے لیے بھی مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس بارے میں اختلاف کیا۔ پھر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمادی اور وہ لوگ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ یہودیوں نے اپنے لیے کل یعنی ہفتے کا دن اور عیسائیوں نے اپنے لیے پرسوں یعنی اتوار کا دن مقرر کرلیا۔''

تشریح:

اس حدیث میں کئی باتیں بیان ہوئی ہیں:

1: اُمتِ مسلمہ اگرچہ آخری زمانے میں پیدا ہوئی ہے لیکن آخرت میں اس کا مقام و مرتبہ پہلی اُمتوں سے بڑھ کر ہوگا۔

2: اہل کتاب کو اللہ کی کتابیں (تورایت، زبور اور انجیل وغیرہ) پہلے دی گئیں اور اُمتِ مسلمہ کو بعد میں

کتابِ الٰہی یعنی قرآن مجید عطا کیا گیا۔

اب آخری کتاب نازل ہو جانے کے بعد پہلی تمام الہامی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اسی طرح شریعت محمدی نے بھی پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے صاف ظاہر ہے کہ اب ناسخ کو فضیلت حاصل ہے اور جو منسوخ ہے اُسے فضیلت حاصل نہیں۔ لہٰذا قرآن مجید پہلی تمام کتابوں سے افضل ہے اور شریعت محمدی بھی پہلی تمام شریعتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

3: اہل کتاب کے لیے جمعے کا دن عبادت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن یہودیوں نے سرکشی کر کے اپنے لیے ہفتے کا دن (سبت) مقرر کر لیا۔ اسی طرح عیسائیوں نے گمراہی اختیار کرتے ہوئے اپنے لیے اتوار کا دن مخصوص کر لیا۔ اُمت مسلمہ کے لیے بھی خصوصی عبادت کے لیے جمعۃ المبارک کا دن مقرر کیا گیا ہے جو کہ تمام دنوں میں سے افضل ہے۔ اس حوالے سے بھی اُمت مسلمہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

4: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) پیچھے رہ گئے اور اس معاملے میں امتِ مسلمہ اُن پر سبقت لے گئی ہے۔ اس لیے امتِ مسلمہ اپنے سے پہلی اُمتوں سے بہتر اور افضل قرار پائی ہے۔

95۔امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

95......((عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم:
((لِکُلِّ اُمَّةٍ اَمِیْنٌ ، وَاَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ .))

مشکوۃالمصابیح، رقم: 6115 صحیح بخاری، رقم: 4382
صحیح مسلم، رقم: 6252 ترمذی، رقم: 3796
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1566

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر اُمت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔''

تشریح:

یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں امانت و دیانت کا وصف غالب تھا۔ آپ میں ذمہ داری کا بہت احساس تھا۔ آپ حقوق اللہ او رحقوق العباد میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ ہر کسی کو اُس کا حق دیتے اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرتے۔ اُن کی اسی صفت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو 'امین الامت' کا خطاب دیا تھا۔

ابوعبیدہ کا اصل نام عامر بن عبداللہ بن جراح تھا۔ آپ بالکل ابتدائی دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام پر ایمان لائے۔ آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

آپ خوب صورت، دراز قد اور اکہرے جسم والے تھے۔ بہت حیادار، خوش اخلاق اور بہادر تھے۔
غزوۂ بدر میں آپ نے اپنے مشرک والد عبداللہ بن جراح کو قتل کیا اور گویا اس آیت کے مصداق ٹھہرے کہ:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (المجادلہ :22)

''تم اُن لوگوں کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کبھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے مخالفوں سے دوستی کی پینگیں بڑھاتے نہ دیکھو گے اگرچہ وہ اُن کے باپ، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی، یا اُن کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور انہیں اپنے فیض سے قوت دی ہے۔ اللہ انہیں جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ ہیں اللہ کا گروہ، اور سنو، اللہ کا گروہ ہی کامیاب رہے گا۔''

غزوۂ اُحد میں آپ اُن دس (10) جاں نثار صحابہ میں سے ایک تھے جنہوں نے نازک موقع پر نبی ﷺ کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور اپنے سینوں پر تیر کھا کر حضور ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ جب اس غزوے میں حضور ﷺ زخمی ہوگئے اور خود کی کڑیاں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں پیوست ہوگئیں تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہی نے اِن کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر باہر کھینچا، جس کے نتیجے میں اُن کے سامنے کے دو دانت گر پڑے تھے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بعد کے تمام غزوات میں بھی شرکت کی۔

دورِ فاروقی میں شام اور فلسطین کے علاقوں میں جہاد کے دوران سپہ سالار رہے۔ جب وہاں طاعون کی وبا پھیلی اور کئی صحابہ فوت ہوگئے تو آپ بھی چند دنوں کے بعد اسی بیماری سے وفات پاگئے۔ آپ کو اردن میں نبیان کے مقام پر دفن کیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 58 برس تھی۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔

96۔ حواری رسول ﷺ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

96.....عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ:
((مَنْ یَأْتِیْنِیْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ؟))، یَوْمَ الْاَحْزَابِ. قَالَ الزُّبَیْرُ: اَنَا. فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیًّا، وَحَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6110	صحیح بخاری، رقم: 2846
صحیح مسلم، رقم: 6243	ترمذی، رقم: 3744
ابن ماجه، رقم: 122	اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1564

''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر فرمایا:

کون ہے جو میرے پاس لشکر کی خبر لائے گا؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں!

اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک حواری (مخلص معاون) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔''

تشریح:

آپ کے تفصیلی حالات یہ ہیں:

'حواری' کے معنی خاص معاون اور خصوصی مددگار کے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اُس وقت اپنا حواری ہونے کا خطاب دیا جب غزوۂ خندق کے نہایت خطرناک موقع پر حضور ﷺ کے فرمانے پر آپ دشمن کے بارے میں خبر لائے اور جاسوسی کا کام سرانجام دیا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ قریش کی شاخ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر میں مکے میں اسلام قبول کیا۔ آپ نے دو ہجرتیں فرمائیں، ایک حبشہ کی طرف اور دوسرے مدینے کی طرف۔ آپ اولین مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے تھے۔

آپ نے تمام غزوات مین شرکت کی۔ دورِ فاروقی میں جنگ یرموک میں عیسائیوں کے خلاف جہاد میں

آپ نے بڑی بہادری کے جوہر دکھائے اور دو مرتبہ پورے عیسائی لشکر کی صفوں میں گھس کر اول سے آخر تک چیرتے چلے گئے اور پھر اسی طرح صفوں کو چیرتے ہوئے واپس آ رہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں بھی شامل تھے جنہوں نے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا تھا۔ آپ جنگ صفین سے واپس آ رہے تھے کہ بصرہ کے قریب کسی بدبخت نے اس وقت آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا جب آپ دوپہر کے وقت قیلولہ (آرام) فرما رہے تھے، یا ظہر کی نماز میں سجدے کی حالت میں تھے۔

آپ دولت مند تھے اور بہت صدقہ و خیرات کرتے تھے۔ آپ کی شہادت 36ھ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر 67 برس تھی۔ آپ کی اولاد میں دس بیٹے تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قرابتیں اور نسبتیں حاصل تھیں۔ مثال کے طور پر:

1: آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی۔ (صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبدالمطلب کے بیٹے)

2: آپ اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے اس طرح آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہن تھیں اسماء رضی اللہ عنہا کی۔

3: آپ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔ اس کے علاوہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بھی کئی رشتہ داریاں تھیں۔ آپ ان چھ صحابہ کرام میں سے تھے جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر اہم معاملے میں مشورہ کیا کرتے تھے۔

آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔

97۔ انصار سے حضور ﷺ کی محبت

97......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءً ا مِّنَ الْاِنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ وَادِيًا اَوْ شِعْبًا، لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ وَشِعْبَهَا.))

مشکوٰۃ المصابیح، رقم: 6218 — صحیح بخاری، رقم: 7244,3779
صحیح مسلم، رقم: 2446 — ترمذی، رقم: 3899
ابن ماجه، رقم: 164

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ایک آدمی ہوتا۔ اگر باقی لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار کسی اور وادی یا گھاٹی میں چلیں، تو میں ضرور انصار کی وادی اور گھاٹی میں اُن کے ساتھ چلوں گا۔''

تشریح:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے ہجرت نہ کی ہوتی اور میرا شمار مہاجرین میں نہ ہوتا تو میں اپنے آپ کو انصاری کہلاتا اور اُن میں شمار ہونا پسند کرتا۔ وہ جہاں ہوتے، میں اُن کے ساتھ ہوتا۔

لیکن چونکہ نبی ﷺ کی ہجرت ایک اہم دینی فریضہ تھا اور مہاجر ہونے کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی تھی، اور ظاہر ہے کہ مہاجرین کا درجہ انصار سے بلند تر تھا، اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مہاجرین میں شامل نہ ہوا ہوتا تو مجھے یہ پسند تھا کہ میں انصار میں شامل ہو جاؤں اور انصاری کہلاؤں۔ وہ جس وادی میں اترتے، میں اُن کے ساتھ وہاں اُترتا اور اُن کے ہمراہ رہتا۔

نبی ﷺ کے اس فرمان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو انصار سے بہت محبت تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا، انصار نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کے رسول کی تائید و نصرت کی تھی۔ دین کی خاطر ایثار کیا تھا۔ اپنا جینا مرنا حضور ﷺ کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا۔ اس حدیث سے انصار کی فضیلت اور عظمت و احترام ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انصار کا ذکر کر کے اُن کی خوبیاں بیان فرمائی ہیں اور تحسین کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مہاجرین کے بعد انصار ہی کا درجہ اور فضیلت ہے۔

98۔ انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے

98..... عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

((آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 6215 صحیح بخاری، رقم: 3784

صحیح مسلم، رقم: 235، 236 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 47

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

انصار سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے اور انصار سے بغض رکھنا یعنی نفرت کرنا منافقت کی نشانی ہے۔''

تشریح:

'انصار' ناصر کی جمع ہے جس کے معنی 'مددگار' کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں انصار سے مراد مدینے کے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں جنھوں نے نبی ﷺ سمیت تمام مہاجرین بھائیوں کی میزبانی کی۔ اُن کو ٹھکانا مہیا کیا۔ اُن کی ہر طرح سے مدد کی۔ اُن کو نخلستان دیے۔ مکانوں کے لیے زمینیں دیں۔

انصار کی دینی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تائید و نصرت کی۔ اپنا جینا مرنا حضور ﷺ کے ساتھ وابستہ کیا۔ دین کی خاطر ایثار کیا اور بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ اسلام کی خاطر پورے عرب قبائل سے دشمنی مول لی۔

خود نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو انصار میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار فرمایا چنانچہ ایک متفق علیہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْلَا الْهِجْرَةُ، لَكُنْتُ امْرَءًا مِّنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ وَادِيًا اَوْشِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ اَوْشِعْبَ الْاَنْصَارِ .))

صحیح بخاری، رقم: 7244 صحیح مسلم، رقم: 2446 صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم: 57

''اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر دوسرے لوگ کسی وادی میں جاتے اور انصار کسی اور وادی یا گھاٹی میں جاتے تو میں انصار کے ساتھ اُن کی وادی یا گھاٹی میں جاتا۔''

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں مکے سے مدینے ہجرت کر کے نہ آیا ہوتا اور میرا شمار مہاجرین میں نہ ہو چکا ہوتا، تو میں اپنے آپ کو انصاری کہلانا اور اُن میں شمار ہونا پسند کرتا۔

لیکن چونکہ حضور ﷺ کی ہجرت ایک اہم دینی فریضہ تھا اور مہاجرین میں سے ہونے کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی تھی۔ ظاہر ہے مہاجرین کا درجہ انصار سے بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں مہاجرین میں شامل نہ ہوتا تو مجھے یہ پسند تھا کہ میں انصار میں شامل ہو جاؤں اور انصاری کہلاؤں۔ وہ جس وادی میں اُتریں میں اُن کے ساتھ رہوں۔

حضور ﷺ کے اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو انصار سے بہت محبت تھی کیونکہ اُنہوں نے دین کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔

اس حدیث سے انصار کی فضیلت، عظمت اور احترام ثابت ہوتا ہے۔ لیکن زیر بحث حدیث میں انصار سے محبت کو ایمان کی نشانی بتایا گیا۔ کیونکہ جو لوگ اسلام کی خدمت میں پیش پیش تھے اُن سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ٹھہری اور اُن سے نفرت کو منافقت قرار دیا گیا۔ آج جو لوگ نہ صرف انصار سے بغض رکھتے ہیں بلکہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بغض رکھتے ہیں اُن کو اس حدیث کی روشنی میں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچے اور کامل ایمان کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

باب 18......متفرقات

99۔اللہ تعالیٰ کو وہ نیک عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے

99......عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا ، كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:

((اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ .))

مشكوة المصابيح ، رقم: 1242 صحيح بخاری، رقم: 5861 صحيح مسلم ، رقم: 1830

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جسے ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔''

تشریح:

یہ حدیث تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن ان سب کا مضمون ایک ہی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:

((اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ مَادَامَ وَاِنْ قَلَّ .)) (رقم: 5861)

''بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔''

صحیح مسلم میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے:

((اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ .)) (رقم: 1830)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کم اجر والا ایسا نیکی کا کام جو ہمیشہ کیا جائے اُس زیادہ اجر والے نیکی کے کام سے زیادہ پسند ہے جو کبھی کبھار کیا جاتا ہو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے اور دوسرا شخص جو کسی وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، تو ظاہر ہے ان میں پہلے شخص کا درجہ بہتر اور افضل ہوگا۔ یہی حال نیکی پر ہمیشگی اور مداومت کرنے کا ہے کہ اس سے بندہ اپنے رب کی ہر

وقت اطاعت میں مشغول رہتا ہے۔

اسی لیے ہر نیک کام جو ہمیشہ با قاعدگی کے ساتھ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ نیکی کا یہ کام خواہ بہت معمولی ہی کیوں نہ ہو لیکن اسے بھی اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص روزانہ دو نفل نماز ہمیشہ با قاعدگی سے پڑھتا ہے تو اس کی یہ نیکی اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ کوئی دوسرا شخص سال بھر میں صرف ایک دن سینکڑوں نوافل ادا کرلے۔

اسی طرح صدقہ وخیرات میں بھی اگر باقاعدگی اختیار کی جائے تو اس کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جو نیک کام باقاعدہ پابندی سے کیا جائے وہ انسان کی عادت ثانیہ بلکہ اُس کے اخلاق کا ایک حصہ بن جائے گا۔ وہ شخص ہر وقت اس نیکی کا تصور کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے اُس کے ثواب کی اُمید رکھے گا۔ یہی چیز اُس کے ثواب میں اضافے کا باعث ہوگی۔ اس کے برعکس جس آدمی کو کبھی کبھار کوئی نیک کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور ویسے روزمرہ زندگی میں وہ اُسے بھلائے رکھے گا تو اس سے اُس کا ثواب نسبتاً کم ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ دین میں استقامت اور ثابت قدمی کی بڑی اہمیت ہے۔

لیکن یاد رہے کہ شریعت میں تنگی اور سختی نہیں ہے اور نفلی عبادت کے کام یا عام نیکی کے کام میں صرف اتنا بوجھ اٹھانا چاہیے جتنا مستقل طور پر نبھایا جاسکے۔ اپنے آپ کو غیر ضروری طور پر تنگی اور مشقت میں ڈالنا شریعت کا مطلوب نہیں ہے۔

100۔ کھجوروں کی پیوندکاری کا واقعہ

100......عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ رضي الله عنه ، قَالَ: قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ ، فَقَالَ: ((مَا تَصْنَعُوْنَ؟)) قَالُوْا: كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ: ((لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا)) فَتَرَكُوْهُ؛ فَنَقَصَتْ. قَالَ: فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: ((اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ؛ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ ، فَخُذُوْا بِهٖ؛ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّاْيِيْ ، فَاِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ .

مشکوۃ المصابیح، رقم: 147 صحیح مسلم، رقم: 6127

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو لوگ وہاں کھجوروں کی پیوندکاری کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: تم لوگ یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: 'ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں'۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پیوندکاری نہ کرو تو شاید تمہارے لیے بہتر ہو۔ اس پر لوگوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا تو پیداوار کم ہوگئی۔''

اس حدیث کے راوی حضرت رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں بھی ایک انسان ہوں۔ جب تمہیں تمہارے دین کے کسی معاملے میں حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔ لیکن جب میں اپنی رائے سے کسی چیز سے متعلق کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔''

تشریح:

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری (یا شخصی) اور نبوی حیثیت کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

اسی واقعے کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی مقام پر روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:

((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ .)) (صحیح مسلم، رقم: 6728)

''تم اپنے دنیوی کام مجھ سے بہتر جانتے ہو۔''

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو معاملات اسلام کی رہنمائی کے دائرے میں آتے ہیں اُن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی لازمی ہے لیکن جو معاملات دین کی رہنمائی کے دائرے میں نہیں آتے اُن میں حضور ﷺ کی رائے کی پیروی لازم نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن اُمور کو انسان اپنی عقل سے سرانجام دے سکتا ہے اور اُس میں وہ وحی کا محتاج نہیں ہے تو ایسے معاملات میں حضور ﷺ کی آراء کی پابندی ضروری نہیں ہے جیسے مکان بنانا، کھیتی باڑی کرنا، درزی یا باورچی کا کام۔ ان چیزوں کو نہ تو دین نے اپنے ذمے لیا ہے اور نہ وحی نے اپنے دائرے میں رکھا ہے۔ اس بارے میں انسان کی رہنمائی کے لیے اُس کی عقل اور تجربہ و مشاہدہ کافی ہے۔ لیکن جن معاملات میں عقل رہنمائی نہیں دے سکتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے تو اُن میں وحی اور دین نے رہنمائی دی ہے اور ایسے تمام معاملات میں حضور ﷺ کی پیروی لازم ہے۔

مثال کے طور پر عبادات، شخصی قوانین، ملکی قوانین، معاشی قوانین، حدود و قصاص، حلال وحرام اور حقوق العباد وغیرہ سب دین کے دائرے کی چیزیں ہیں اور وحی کی ہدایت ہے۔ ان تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور پیروی واجب ہے۔

سیرتِ طیبہ میں ان دونوں قسم کے معاملات دینی معاملات اور دنیوی معاملات کی مثالیں ملتی ہیں۔ مذکورہ حدیث 'تابیرِ نخل' کا واقعہ بھی حضور ﷺ کی اُن شخصی اور بشری آراء سے متعلق ہے جن کی پیروی لازم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں چند اور حوالے درج ذیل ہیں:

1: غزوۂ بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے ایک ایسی جگہ قیام فرمایا جو مناسب نہ تھی۔ ایک صحابی حضرت خباب بن مُنذر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اس جگہ کا انتخاب وحی کے ذریعے کیا گیا ہے یا ایک جنگی تدبیر کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وحی سے نہیں ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر ایسا ہے تو میری رائے میں آگے ایک اور مناسب جگہ ہے وہاں قیام کیا جائے۔ اس پر حضور ﷺ نے اُن کی رائے کو پسند فرمایا اور اُن کی بتائی ہوئی نئی جگہ پر قیام فرمایا۔

2: بدر کے قیدیوں کے بارے میں نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ لیا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا۔ یہ واقعہ سیرت کی تمام معتبر کتابوں میں

موجود ہے۔

اسی جنگ خندق میں خندق کھودنے کا مشورہ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا جسے حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور دشمن سے بچنے کے لیے خندق کھودی گئی جس میں آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس حصہ لیا تھا۔

4: صلح حدیبیہ کی شرائط پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختلاف ہوا لیکن جب حضور ﷺ نے ان کو یہ بتایا کہ وہ یہ سب پیغمبرانہ حیثیت سے کر رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی اس غلطی کا کئی بار کفارہ ادا کیا، صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک ایسے معاملے میں نبی ﷺ سے اختلاف کیا جو ایک پیغمبر کی حیثیت سے سرانجام دے رہے تھے۔

5: بریرہ نامی ایک شادی شدہ لونڈی تھی جو اپنے شوہر سے متنفر ہو چکی تھی حالاں کہ شوہر اُسے بہت چاہتا تھا بلکہ اُس کے پیچھے روتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس لونڈی سے فرمایا:

''اگر تو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی اور رجوع کر لیتی تو اچھا تھا۔''

اُس نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ حکم دیتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں۔''

وہ بولی: اگر صرف سفارش ہے تو میں اُس کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔

صحیح بخاری، رقم: 5283 نسائی، رقم: 5479

اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قرینے سے یا حضور ﷺ کی وضاحت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ ﷺ کوئی بات اپنی رائے سے اپنی شخصی یا بشری حیثیت میں فرما رہے ہیں تو وہ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے اور حضور ﷺ ان کے اس آزادانہ اظہارِ رائے میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کبھی اپنی رائے سے رجوع فرما لیتے تھے۔

چونکہ زیرِ نظر حدیث سے حضور ﷺ کے مطلق علم الغیب جاننے کی نفی کا پہلو نکلتا ہے اس لیے بعض کم سواد اس صحیح حدیث کو ماننا نہیں چاہتے۔

101۔لوگ بھی کانوں (MINES) کی طرح ہیں

101......عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ، خِيَارُهُمْ فِى الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِى الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا .

مشكوة المصابيح، رقم: 201 — صحيح مسلم، رقم: 6161

صحيح بخارى، رقم: 3496 — اللؤلؤ والمرجان، رقم: 1538

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح کانیں (MINES) ہیں۔ اُن میں سے جو دورِ جاہلیت میں اچھے تھے، وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرلیں۔''

تشریح:

اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح انسانوں کی بھی کانیں (MINES) ہوتی ہیں۔ اچھے انسانوں سے اچھے اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں اور برے لوگوں سے برے کام سرزد ہوتے ہیں۔

اس حدیث کا ایک مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کی شخصیت پر اُن کے خاندانی پس منظر اور حسب و نسب کے اثرات بھی ہوتے ہیں جسے آج کل (Genetics) کہا جاتا ہے۔

حدیث کے دوسرے حصے میں ایک مثال کے ذریعے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جو لوگ دورِ جاہلیت سے پہلے باصلاحیت تھے اور اچھے اخلاق اوصاف رکھتے تھے اسلام لانے کے بعد اُن کی صلاحیتوں میں اور نکھار پیدا ہوگیا۔ گویا اسلام نے اُن پر ایسے اثر ڈالا جیسے سونے پر سہاگہ۔

- مثال کے طور پر حضرت عمر فاروقؓ دورِ جاہلیت میں بہت بہادر اور پہلوان تھے۔ اُن کی بہادری کی یہ صفت اسلام لانے کے بعد اور زیادہ نمایاں ہوئی۔

اسی طرح دورِ جاہلیت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک اچھے جرنیل تھے۔ پھر اسلام لانے کے بعد وہ زیادہ اچھے اور بہترین جرنیل ثابت ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی دورِ جاہلیت میں بہت حیادار تھے اور اسلام لانے کے بعد وہ اور زیادہ حیا دار ہوگئے۔ گویا اسلام لانے اور اس کو اچھی طرح سمجھنے نے باصلاحیت لوگوں کی صلاحیتوں کو اور زیادہ جلا بخشی۔

102۔ خوش قسمت کون اور بدقسمت کون؟

102.....عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ)) قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ: ((اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ؛ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ. وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ اَهْلِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ الآية.

مشکوۃ المصابیح، رقم: 85 — صحیح بخاری، رقم: 1362
صحیح مسلم، رقم: 6731 — ابوداؤد، رقم: 4694
ترمذی، رقم: 2136 — ابن ماجه، رقم: 78
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1697

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
’’تم میں سے ہر ایک کے لیے دوزخ اور جنت لکھ دی گئی ہے۔‘‘
عرض کیا گیا:
کیا پھر ہم اُسی لکھے ہوئے پر بھروسا کرلیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم اعمال کرتے رہو۔ جو ان میں سے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُسے اُسی کی توفیق ملے گی۔ جو خوش قسمت ہوگا اُسے خوش قسمتی والے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور جو بدقسمت ہوگا اُس سے بدقسمتی والے کام ہی سرزد ہوں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں:
’’جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، تقویٰ اختیار کیا اور نیک بات کو سچ جانا تو ہم اُسے جنت کی آسانی میں پہنچادیں گے.... (اللیل 5 تا 7)

تشریح:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ہر انسان کا جنتی یا دوزخی ہونا پہلے سے لکھ دیا گیا ہے تو صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر نیک اعمال کیوں کیے جائیں اور کیوں نہ لکھے ہوئے پر قناعت کر لی جائے؟

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اچھے اعمال کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ ان کی توفیق بھی اُسے ہی ملے گی جو خوش قسمت اور جنتی ہے۔ اور برے اعمال وہی کرے گا جو بد قسمت اور دوزخی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل جنت کے لیے نیک اعمال کی توفیق ملنے اور اہل دوزخ کے لیے برے اعمال سرزد ہونے کے بارے میں قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں۔

یہ حدیث تقدیر کے مسئلے سے متعلق ہے اس کی مزید وضاحت حدیث نمبر 60 کی تشریح میں ملے گی۔

103۔ اطاعت صرف معروف میں ہے معصیت میں نہیں

103...... عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ .

مشکوة المصابیح ، رقم: 3665 — صحیح بخاری ، رقم: 7257

صحیح مسلم ، رقم: 4763,4765 — ابوداوٗد ، رقم: 2625

نسائی ، رقم: 4205 — اللؤلؤوالمرجان ، رقم: 1205

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

گناہ کے کام میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف یعنی نیکی کے کام میں ہے۔''

تشریح:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت تو ہر حال میں ضروری ہے مگر ان کے سوا کسی اور کی اطاعت صرف معروف یعنی نیکی کے کاموں میں کی جائے گی اور کسی منکر، برائی یا گناہ کے کام میں ہرگز اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اسی مضمون کی چند اور احادیث یہ ہیں:

(1)...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ .

صحیح مسلم ، رقم: 4765 — ابوداوٗد ، رقم: 2625 — نسائی ، رقم: 4210

''اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے۔''

(2)...... ایک متفق علیہ حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی ہے:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلا سَمْعَ وَلا طَاعَةَ .))

صحیح بخاری ، رقم: 7144 — صحیح مسلم ، رقم: 4763

ابو داوٗد، رقم: 2626 نسائی، رقم: 4211

ابن ماجه، رقم: 2864

''ایک مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت فرض ہے خواہ اُس کا حکم اُسے پسند ہو یا نا پسند ہو، بشرطیکہ اسے معصیت یعنی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع وطاعت نہیں ہے یعنی نہ حکم سننا ہے اور نہ ماننا۔''

اطاعت کے بارے میں اسلام کے احکامات:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (النساء:59)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول ﷺ کی، اور اُن کی جو تم میں سے اہل اقتدار ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔''

اس آیت میں ایک اسلامی ریاست میں اطاعت کے بارے میں یہ احکام ہیں:

1: اصل اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ اُس کے رسول ﷺ سمیت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ گویا کتاب اللہ کی پیروی ہے۔

2: دوسری اطاعت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور دراصل یہ کوئی الگ اطاعت نہیں ہے بلکہ پہلی اللہ کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ کیونکہ اللہ کی اطاعت کا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: 80)

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اُس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔''

گویا یہ سنت کی پیروی ہے اور یہ بھی مسلمانوں پر لازم ہے۔

3: تیسری اطاعت صاحبِ اقتدار کی ہے۔ مگر یہ پہلی دو اطاعتوں کی طرح غیر مشروط (Unconditional) نہیں ہے بلکہ مشروط (Conditional) ہے۔ اول یہ کہ وہ خود بھی پہلی دو اطاعتوں کا پابند ہو اور دوسرے یہ کہ وہ معروف کا حکم دے۔ ورنہ اگر وہ منکر (برائی) اور معصیت (گناہ) کا حکم دے گا تو اُس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

4: اگر کسی معاملے میں مسلم حکمرانوں اور مسلمان رعایا میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگا اور یہ کام عدلیہ کرے گی۔

5: والدین، علماء و مشائخ، اساتذہ اور بزرگوں کا حکم بھی صرف معروف میں مانا جائے گا اور معصیت یعنی گناہ اور برائی کے کام میں نہیں مانا جائے گا۔ البتہ والدین کی خدمت اور بڑوں کا احترام بہر حال واجب ہے۔

104۔ دو قابلِ رشک انسان

104...... عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اِثْنَتَیْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 202 صحیح بخاری، رقم: 73
صحیح مسلم، رقم: 1896 اللؤلؤوالمرجان، رقم: 467

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
دو قسم کے شخصوں پر رشک کرنا چاہیے: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اُسے راہِ حق میں بے دریغ خرچ کرنے کی توفیق دی۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا اور پھر وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اسے دوسروں کو سکھاتا ہے۔''

تشریح:

یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہوئی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ کسی شخص کی دنیوی ترقی، خوش حالی اور شہرت و ناموری ایسی چیز نہیں جس پر رشک کیا جائے بلکہ رشک کے قابل صرف دو قسم کے شخص ہیں۔

ایک وہ شخص قابل رشک ہے جسے مال و دولت حاصل ہو اور وہ اسے عیاشیوں اور دوسرے ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کی بجائے دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ اور دوسرا وہ شخص جس کو قرآن کا علم حاصل ہوا اور وہ اس کی تلاوت کرتا، اسے نمازوں میں پڑھتا، دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا، اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی تعلیم ایسی چیز ہے جو لوگوں کے ذہنوں کو بدلتی ہے اور اُن کو نئی قدروں (Values) سے رُوشناس کرتی ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

''پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے بلکہ اصلی پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔''

اس کے علاوہ احادیث میں 'مسکین' اور 'مہاجر' کا بھی اسلامی مفہوم عام روش سے ہٹ کر بیان فرمایا گیا ہے۔

105۔ احکامِ شریعت کی پابندی پر بیعت

105......عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، وَحَوْلَهٗ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ: ((بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوْا، وَلَا تَزْنُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ. فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا، فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ، وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا؛ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ: اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْهُ، وَاِنْ شَآءَ عَاقَبَهٗ)) فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ .))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 18 — صحیح بخاری، رقم: 18
صحیح مسلم، رقم: 4461 — ترمذی، رقم: 1439
اللؤلؤوالمرجان، رقم: 1111

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے وقت میں جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس موجود تھی، یہ فرمایا:

تم لوگ اس بات پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر جھوٹا بہتان نہ لگاؤ گے، جائز اور معروف کام میں نافرمانی نہیں کرو گے، جو تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا تو اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ لیکن جس نے ان میں سے کسی بات کی خلاف ورزی کی اور پھر اُسے دنیا ہی میں اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گا۔ البتہ جس نے ان باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کرلیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے اس کو بخش دے اور چاہے سزا دے۔

اس کے بعد ہم سب نے ان باتوں پر آپ ﷺ کی بیعت کی۔''

تشریح:

بعض علماء کے نزدیک یہ بیعت عقبہ اولیٰ کا واقعہ ہے جو بارھویں سال نبوی میں ہوا اور جس میں بارہ

(12) انصاریوں سے حضور ﷺ نے بیعت لی تھی اور اس حدیث کے راوی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اس میں شامل تھے۔

اس بیعت میں درج ذیل باتوں کی بیعت لی گئی:

1: تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے

2: تم چوری نہیں کرو گے

3: تم زنا نہیں کرو گے

4: تم اپنی اولاد (بیٹیوں) کو قتل نہیں کرو گے

5: تم کسی پر کوئی بہتان نہیں لگاؤ گے

6: کسی معروف کام کے حکم کی نافرمانی نہیں کرو گے

دیکھا جائے تو یہ بیعت اُس بیعت سے ملتی جلتی ہے جو قرآن مجید کی سورہ الممتحنہ کی آیت بارہ (12) میں آئی ہے اور جسے "بیعت النساء" کہا جاتا ہے۔

حضور ﷺ نے مذکورہ بیعت کا عہد پورا کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ جو ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے گا اُسے اگر دنیا ہی میں سزا مل گئی تو یہ اُس کے لیے کفارہ اور توبہ کے قائم مقام ہے۔ اور جس نے ان میں سے کوئی گناہ کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے اُسے عذاب دے اور چاہے معاف کر دے۔

اسلام میں بیعت کئی طرح کی ہوتی ہے:

1۔ بیعت اطاعت 2۔ کسی ہنگامی معاملے پر بیعت 3۔ بیعت ارشاد

1۔ بیعتِ اطاعت:

یہ خلیفہ یا امیر المومنین سے اُس کی اطاعت فی المعروف کے لیے کی جاتی ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے پر اُن کی بیعت کی تھی۔

2۔ کسی ہنگامی معاملے پر بیعت:

یہ بیعت بھی ایک طرح کی سیاسی یا جہادی بیعت ہوتی ہے جس میں خلیفہ یا امیر المومنین کسی خاص ہنگامی معاملے پر لوگوں سے بیعت لیتا ہے۔ اس کی مثال صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس میں نبی ﷺ نے چودہ سو

(1400) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس امر پر بیعت لی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیا جائے گا اور مشرکین کے خلاف جہاد کیا جائے گا کیونکہ اُن کے بارے میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ اُن کو مکے میں مشرکین نے شہید کر دیا ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ بیعت 'بیعت رضوان' کے نام سے مشہور ہے۔

3۔ بیعتِ ارشاد:

یہ وہ بیعت ہے جس میں کوئی صاحبِ علم وتقویٰ بزرگ کسی شخص سے دین کے احکام پر چلنے کی بیعت لیتا ہے۔ یہ بیعت ارشاد کہلاتی ہے اور اب بھی ہوسکتی ہے جس کا مقصد عام لوگوں کو دین سکھانا، اُس پر عمل کرانا اور اُن سے مواخذہ کرتے رہنا اور اُن کا تزکیۂ نفس کرنا ہے۔

106۔ فضول سوالات اور اختلافات

106......عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذَرُوْنِی مَا تَرَکْتُکُمْ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى نَبِيِّهِمْ ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، وَ إِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ .

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 2505 — صحیح مسلم ، رقم: 3257
نسائی ، رقم: 2619 — صحیفه همام بن منبه ، رقم: 32

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جب تک میں تمہیں کوئی مسئلہ نہ بتاؤں تم مجھے چھوڑے رکھو۔ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ سوال کرنے اور اُن سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کے بارے میں حکم دوں تو اس پر ہر ممکن عمل کرو۔ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے منع کردوں تو اسے چھوڑ دو۔‘‘

تشریح:

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہٰذا وہ حج کریں۔ اس موقع پر ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ اس پر حضور ﷺ خاموش رہے۔ اُس آدمی نے دوسری اور تیسری بار یہی سوال کیا مگر آپ ﷺ ہر بار خاموش رہے۔ پھر کچھ وقفے کے بعد فرمایا کہ ’اگر میں ’ہاں‘ کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کی استطاعت (طاقت) نہ رکھتے۔‘

اس کے بعد آپ ﷺ نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی:

اسی طرح پہلی قوموں میں فضول سوالات کرنے کی ایک مثال بنی اسرائیل کا واقعہ ہے جو قرآن مجید کی سورہ البقرہ آیات 67 تا 71 میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کوئی ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس حکم پر عمل کرنے کی بجائے فضول اور بے مقصد سوالات کرنے شروع کر دیے کہ اس گائے کا رنگ کیسا ہے؟ اس کی عمر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

دراصل دین نام ہے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی کامل اور غیر مشروط اطاعت کا، اپنی خواہش کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دینے کا، یہ جذبہ نہ ہو تو دین داری کی روح باقی نہیں رہتی۔ اس لیے دین کے معاملے میں غیر ضروری اور فضول سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ ضروری سوالات جو دین کو سمجھنے کے لیے کیے جائیں اُن کی اجازت ہے۔

اس حدیث سے نبی ﷺ کا شارع ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جو حکم دے دیں وہی قانون ہے، وہی شریعت ہے اور وہی دین ہے جس کی پابندی ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ اسی طرح حلال وحرام کے بارے میں بھی آپ ﷺ کے احکام حجت اور واجب العمل ہیں۔

107۔ایک نیکی کا ثواب سات سو (700) گنا تک ہے

107...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهٗ ، فَكُلُّ حَسَنَةٍ یَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ ، وَكُلُّ سَیِّئَةٍ یَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ .))

مشکوۃ المصابیح ، رقم: 44 — صحیح بخاری ، رقم: 42
صحیح مسلم ، رقم: 336 — اللؤلؤوالمرجان ، رقم: 80

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب تم میں کوئی شخص اپنے اسلام کو سنوار لیتا ہے تو اُس کا ہر نیک عمل دس (10) گنا سے لے کر سات سو (700) گنا بڑھا کر لکھا جاتا ہے لیکن اُس کا کیا ہوا کوئی بُرا عمل صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے اللہ سے جا ملتا ہے۔

تشریح:

ہر مومن کے لیے ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس نیکیوں کے برابر لکھا جاتا ہے۔ پھر جتنے خلوص اور مشکل حالات میں وہ نیکی کی جاتی ہے اُس کا ثواب سات سو (700) گنا تک بڑھا کر لکھا جاتا ہے۔ اسی مضمون کے بارے میں چند اور احادیث بھی ملتی ہیں۔

1: ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ ، قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّیِّئَاتِ ، ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِكَ ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰی أَضْعَافٍ كَثِیْرَةٍ ، وَمَنْ هَمَّ بِسَیِّئَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً ، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا ، كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ سَیِّئَةً وَاحِدَةً .))

صحیح بخاری ، کتاب الرقاق ، حدیث:6491 — صحیح مسلم ، کتاب الایمان ، حدیث:338
جامع ترمذی ، کتاب فضائل الجهاد — سنن نسائی ، کتاب الصیام

سنن ابن ماجه، كتاب الصيام

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھنے کا حکم دیا پھران کو واضح فرمادیا۔ اب جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے اسے کرنہیں پاتا تو اللہ اس کے لیے پوری نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ اگر وہ اس نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اسے کرلیتا ہے تو اللہ اس کے لیے دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں تک ثواب لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے کرتا نہیں تو اللہ اس کے اعمال نامے میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کرکے برائی کرلیتا ہے تو اللہ اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک ہی برائی لکھتا ہے۔''

2: اسی مضمون کی حدیث صحیح مسلم میں اس طرح ہے:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ یَعْمَلْهَا كَتَبْتُهَا لَهُ حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ ، وَإِذَا هَمَّ بِسَیِّئَةٍ وَلَمْ یَعْمَلْهَا لَمْ أَكْتُبْهَا عَلَیْهِ ، فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُهَا سَیِّئَةً وَاحِدَةً .)) (صحيح مسلم، كتاب الايمان، حديث:335)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: جب میرا بندہ کوئی نیکی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کے لیے اُس کے کرنے سے پہلے ہی ایک نیکی لکھ دیتا ہوں۔ پھر جب وہ نیکی کرلیتا ہے تو میں اس کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک لکھتا ہوں۔ جب کوئی بندہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اُسے کرتا نہیں تو میں اُسے نہیں لکھتا۔ پھر جب وہ برائی کرلیتا ہے تو اُس کے لیے ایک ہی برائی لکھتا ہوں۔''

3: یہی مضمون جامع ترمذی کی درج ذیل حدیث میں بھی موجود ہے:

((عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَوْلُهُ الْحَقُّ:

إِذَا هَمَّ عَبْدِیْ بِحَسَنَةٍ فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا . وَإِذَا هَمَّ بِسَیِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا ، فَإِنْ

تَـرَكَهَـا...... وَرُبَّـمَـا قَالَ: لَمْ يَعْمَلْ بِهَا...... فَاكْتُبُوْهَا لَهُ حَسَنَةً ، ثُمَّ قَرَءَ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: 160).))

(جامع ترمذی، تفسیر القرآن، حدیث:3073)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اور اُس کی بات سچی ہی ہوتی ہے:

''جب میرا بندہ کسی نیکی کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو (فرشتوں سے کہتا ہے کہ) اُس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔ پھر جب وہ نیکی کر لیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دو۔ لیکن جب میرا بندہ کوئی برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نہیں لکھی جاتی۔ پھر جب وہ برائی کر لیتا ہے تو حکم ہوتا ہے اُس کے لیے ایک برائی لکھ دی جائے۔ پھر اگر وہ برائی نہیں کی تو حکم ہوتا ہے اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ (الانعام:160)

''جو کوئی ایک نیکی لایا اُس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات سو (700) گنا ہے۔ یہی بات قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

(البقرہ :261)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں کرچ کرتے ہیں، اُن کے ثواب کی مثال بیج کے اُس دانے کی ہے جس سے سات بالیں پیدا ہوں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اور بھی زیادہ بڑھاتا ہے۔ اللہ بڑی وُسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اس آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا کہ ﴿وَ اللّٰـهُ يُضٰعِفُ لِمَـنْ يَّشَـآءُ﴾ (اللہ جسے چاہتا ہے اور بھی زیادہ بڑھاتا ہے) تو اس کی مزید وضاحت ایک اور صحیح حدیث سے ہو جاتی ہے جس میں ایک نیکی کا اجر و ثواب پہاڑ کے برابر بتایا گیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر:

﴿حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ اَوْ اَعْظَمَ﴾

(یہاں تک کہ اُس (نیکی) کا ثواب پہاڑ یا اُس سے بھی بڑھ کر ہو جاتا ہے۔)

صحیح بخاری، رقم: 1410۔ نسائی، رقم: 2526۔ ابن ماجه، رقم: 1842۔

اور یہ سراسر خدائے رحمان و رحیم کا فضل و کرم اور اُس کی بے پایاں رحمت سے ہوتا ہے کہ وہ ایک نیکی کی بھی اتنی قدر کرتا ہے جب کہ کوئی برائی صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔ پہلی صورت اُس کی رحمت کی ہے اور دوسری اُس کے عدل و انصاف کی۔ اور اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے۔

108۔ کم ہنسنا اور زیادہ رونا

108......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا .))

مشکٰوۃ المصابیح، رقم: 5339 صحیح بخاری، رقم: 6637,1044
ترمذی، رقم: 2313 ابن ماجه، رقم: 4191
صحیفه همام بن منبه، رقم: 12

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالقاسم محمد ﷺ نے فرمایا:
قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہوتے تو روتے زیادہ اور ہنستے کم۔''

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ:

لوگو! اگر تمہیں وہ باتیں معلوم ہوجائیں جو میں جانتا ہوں تو تمہارا رونا زیادہ ہوجائے اور تمہاری ہنسی کم ہوجائے۔ بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کو عالم برزخ، قبر کے احوال، حشر کے میدان کی ہولناکی اور دوزخ کے عذاب کے بارے میں جو علم اور مشاہدہ تھا اگر وہی علم اور مشاہدہ عام انسانوں کو ہوجائے تو اُن کی ہنسی کم ہوجائے اور رونا زیادہ ہوجائے۔ دنیا میں اُن کی خوشیاں اور لذتیں کم ہوجائیں اور غم زیادہ ہوجائیں۔

بلکہ ایک اور حدیث کے مطابق لوگ اپنی عیش وعشرت کی زندگی کو چھوڑ کر صحراؤں اور جنگلوں کی طرف نکل جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی نگاہوں سے بہت سے اُمور پوشیدہ رکھ کر اُن کو امتحان اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے بے خبر رہ کر غفلت میں پڑے رہتے ہیں اور زیادہ ہنستے اور کم روتے ہیں اور اس سے اپنے انجام کی پرواہ نہیں کرتے۔

غیبی امور کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا اس لیے بھی ضروری تھا تاکہ وہ دنیا میں معمول کے مطابق کام کرسکیں اور زندہ رہ سکیں ورنہ اگر وہ قبر کی زندگی، دوزخ کی آگ اور میدانِ محشر کا ہولناک منظر دیکھ لیتے تو

دنیا میں نہ کوئی کام کر سکتے اور نہ زندہ رہتے۔ بلکہ اگر کسی کو اپنی موت کا وقت معلوم ہوتا تو بھی اُس کے لیے معمول کی زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا۔

لیکن نبی ﷺ کو جو منصبِ نبوت و رسالت عطا ہوا تھا اُس کے لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کو وہ غیبی اُمور دکھا دیے جاتے جن کی طرف آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دینی تھی تا کہ آپ ﷺ کو علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو۔ اپنی دعوت و پیغام کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک باقی نہ رہے۔ اس سے آپ ﷺ میں اعلیٰ درجے کا عزم و حوصلہ اور صبر و استقامت پیدا ہو جائے جو پیغمبرانہ کام کے لیے نہایت ضروری تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلبِ مبارک کو غیر معمولی قوت و طاقت بخشی تھی اور غیبی اُمور کے علم اور مشاہدے کے باوجود آپ ﷺ نے ایک ایسی معتدل اور متوازن زندگی گزاری جو اہل ایمان کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔

109۔ علانیہ اور فخریہ گناہ کرنے والے کی بخشش نہ ہوگی

109...... عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ وَاِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ اَنْ يَّعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللّٰهُ، فَيَقُوْلُ يَا فُلَانُ! عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 4830 صحیح بخاری، رقم: 6069

صحیح مسلم، رقم: 7485 للؤلؤوالمرجان، رقم:1883

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میری ساری اُمت کے گناہ قابل معافی ہیں سوائے اُن لوگوں کے جو علانیہ گناہ کرتے ہیں۔ علانیہ گناہ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص رات کو کوئی برا کام کرے پھر صبح کے وقت یہ کہتا پھرے کہ اے فلاں! میں نے رات کو یہ کچھ کیا تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پردہ پوشی کی تھی۔ رات بھر اُس کے رب نے اُس کی برائی چھپائے رکھی تھی مگر صبح ہوتی ہی اُس شخص نے خود ہی اپنے اوپر سے اللہ کا دیا ہوا پردہ اُٹھا دیا۔''

تشریح:

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1: علانیہ گناہ کرنے والوں کے سوا ہر گناہ گار مسلمان کی آخرت میں بخشش ہو سکے گی۔

2: ہر شخص سے گناہ ہو سکتا ہے مگر اُسے چاہیے کہ دوسروں کو اپنے گناہ کا گواہ نہ بنائے بلکہ اپنے گناہ کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے توبہ واستغفار کرے۔

3: کسی مسلمان کا یہ کام نہیں کہ وہ سرِ عام گناہ کرتا پھرے اور دوسروں کے سامنے اس پر فخر کا اظہار کرے۔

4: جب کوئی برائی کسی ایک ہی فرد تک محدود رہتی ہے اور وہ اس کا اظہار دوسروں سے نہیں کرتا تو معاشرہ اس برائی کے منفی اثرات سے بڑی حد تک محفوظ رہتا ہے اور لوگ بھی اُس کی غیبت کے گناہ سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شخص دوسروں کے سامنے اپنے گناہوں کا ذکر کرتا ہے تو اُس کی اس

حرکت سے دوسرے لوگوں کو بھی برائی کی ترغیب ملتی ہے اور اس طرح وہ برائی پورے معاشرے میں پھیل جاتی ہے۔

5: قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو معاشرے میں برائی اور بے حیائی پھیلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النور:19)

''بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے۔ اور یاد رکھو کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''

6: علانیہ اور فخریہ طور پر گناہ کرنے والا بے شرم اور بے حیا شخص ہوتا ہے۔ وہ شعائر اسلام کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا باغی ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص کے لیے آخرت میں بخشش نہیں ہے۔

110۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے

110......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ.))

مشکوۃ المصابیح، رقم: 5158 صحیح مسلم، رقم:4717
ترمذی، رقم: 2324 ابن ماجه، رقم: 4113

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے''

تشریح:

اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں:

1: یہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے۔

2: یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے۔

پہلی بات کہ یہ دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے، کی وضاحت یہ ہے:

مومن کے لیے اِس دنیا کی زندگی قید خانے کی زندگی کی طرح ہے کیونکہ وہ اس زندگی کو اپنی مرضی سے نہیں گزار سکتا۔ اُسے اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں آزادی حاصل نہیں۔ وہ ایک آقا کا غلام ہے جس کے ہر حکم کی اُسے پابندی کرنی پڑتی ہے۔ پھر جس طرح کوئی قیدی قید خانے سے اپنا جی نہیں لگاتا، اُسے اپنا گھر نہیں سمجھتا، اسی طرح اس دنیا میں مومن کا جی نہیں لگتا، وہ اسے اپنا اصلی گھر نہیں سمجھتا اور نہ اسے اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کا پابند ہوتا ہے اور ظاہر ہے ہر پابندی قید ہی ہوتی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ مومن ایسے گھوڑے کی طرح ہے جو کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مومن پابند ہوتا ہے اُسے لامحدود اور مادر پدر آزادی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ شتر بے مہار اور بے لگام گھوڑا نہیں ہوتا۔

دوسری بات کہ یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے، کی وضاحت یہ ہے:

چونکہ کافر اسی دنیا کی زندگی کو اپنا مقصد اور نصب العین سمجھتا ہے اور اس کی نعمتوں اور آسائشوں کو حاصل کرنے اور پنی ہر خواہش کو پورا کرنے میں بالکل آزاد ہوتا ہے۔ اس کے لیے نہ اُسے حلال وحرام کی تمیز کی ضرورت ہے اور نہ اُسے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی فکر ہوتی ہے اور نہ آخرت کی جوابدہی کا خوف ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یہ دنیا گویا عیش وعشرت کی جنت ہے۔

اس حدیث کا ایک اور مفہوم بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا کی زندگی میں اگر کسی مومن کو بہت سی نعمتیں میسر ہوں اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کی ایک حد تک آزادی بھی حاصل ہو پھر بھی یہ زندگی آخرت کی عظیم نعمتوں اور وہاں کی آزادی و بےفکری کے مقابلے میں قید خانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

دوسری طرف کافر کو جب آخرت میں مختلف قسم کے عذاب اور سزاؤں سے واسطہ پڑے گا تو وہ محسوس کرے گا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی گویا جنت تھی۔

اِس حدیث میں یہ سبق بھی پوشیدہ ہے کہ مومن کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی والی قید خانے کی زندگی گزارنی چاہیے۔ اُسے دنیا سے جی نہیں لگانا چاہیے ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اور دنیا پرستی اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنانا چاہیے۔ لیکن اگر وہ دنیا کو اپنے لیے عیش وآرام کی جنت سمجھے گا تو یہ ایک کافرانہ طرزِ عمل ہوگا جس کی کسی مومن سے توقع نہیں کی جاسکتی۔

ضمیمہ 1: صحاحِ ستہ کا مختصر تعارف

حدیث کی چھ مشہور و معتبر کتابوں کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے۔ ان کا مختصر تعارف ذیل میں ہے:

1۔ صحیح بخاری (الجامع الصحیح)

یہ کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ امام صاحب کا پورا نام محمد بن اسماعیل بخاری ہے۔ آپ 194 ہجری میں بخارا میں پیدا ہوئے اور سمرقند کے قریب 256 ہجری میں وفات پائی۔

جمہور محدثین کی رائے کے مطابق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی "الجامع الصحیح" صحت کے اعتبار سے حدیث کی تمام کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قرآن کے بعد صحیح بخاری کا درجہ ہے:

((أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ الْبَارِيْ "اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ" لِلْبُخَارِيِّ .))

اور اسے مختصر کر کے یوں کہا جاتا ہے کہ:

((أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللهِ .))

صحیح بخاری کا شمار صحاح ستہ کی کتب میں سرفہرست ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے 6 لاکھ احادیث میں سے صحیح ترین احادیث منتخب کر کے اسے مرتب کیا ہے اور اس کام کو 16 سال میں مکمل کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "امیر المؤمنین فی الحدیث" کا لقب دیا گیا ہے۔ آپ کا حافظہ بے مثال تھا۔ جو بات ایک دفعہ سن لیتے اُسے ہمیشہ یاد رکھتے۔ مسلک کے اعتبار سے آپ شافعی تھے، مگر محض مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد فی المسائل کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس کتاب کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔

صحیح بخاری میں احادیث کی کل تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 7255 ہے اور تکرار کے بغیر یہ تعداد صرف 2360 رہ جاتی ہے۔

صحیح بخاری کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ عربی زبان میں اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں جن میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "فتح الباری" سب سے زیادہ مشہور اور اہم ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

2۔ صحیح مسلم

اس کتاب کا نام بھی "الجامع الصحیح" ہے۔ یہ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری کی تالیف ہے۔ آپ 204 ہجری میں پیدا ہوئے اور 261 ہجری میں وفات پائی۔

صحاح ستہ میں صحیح مسلم کا دوسرا درجہ ہے۔ یہ کتاب اپنی عمدہ ترتیب کے اعتبار سے صحیح بخاری سے بہتر ہے۔ لیکن دونوں میں افضل صحیح بخاری ہی ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محنت سے اسے 15 سال کے عرصے میں مرتب کیا۔ آپ کے اساتذہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

صحیح مسلم کی احادیث کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کی احادیث کی کل تعداد 5777 ہے اور تکرار کے بعد یہ تعداد 3033 رہ جاتی ہے۔

عربی میں صحیح مسلم کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ سب سے زیادہ مشہور اور عمدہ شرح امام نووی ؒ کی ہے۔ صحیح مسلم کے ترجمے دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

جس حدیث پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہوں، اُسے "متفق علیہ" کہا جاتا ہے۔ ایسی تمام احادیث کی تعداد 1906 ہے۔ ان کے مجموعے کا نام "اللؤلؤ والمرجان" ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم کو "شیخین" بھی کہتے ہیں۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ملا کر "صحیحین" بھی کہا جاتا ہے۔

3۔ سنن نسائی

یہ کتاب امام نسائی کی تالیف ہے۔ آپ 215 ہجری میں خراسان میں پیدا ہوئے اور 303 ہجری میں فوت ہوئے۔

سنن نسائی کا درجہ صحاحِ ستہ میں تیسرا ہے۔ اس میں باقی کتب سنن سے بہت کم ضعیف احادیث ہیں۔ اس میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ اس کتاب میں کل 5743 حدیثیں ہیں۔ یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کے اسلوب کی جامع ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔

امام نسائی کا شمار فنِ رجال کے ماہرین میں بھی ہوتا ہے۔

4۔ سنن ابی داؤد

یہ کتاب امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ آپ 202 ہجری میں پیدا ہوئے اور 275 ہجری میں وفات پائی۔

سنن ابی داؤد کا درجہ صحاحِ ستہ میں چوتھا ہے۔ اس میں کل 5182 حدیثیں ہیں۔ کچھ ضعیف احادیث بھی شامل ہیں۔ امام صاحب نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سنن ابی داؤد فقہی احکام و مسائل کا بہترین ماخذ ہے۔ اس کی فقہی ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے۔

اس کتاب کی بھی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی ''معالم السنن'' ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

5۔ جامع ترمذی (سنن ترمذی)

صحاحِ ستہ میں جامع ترمذی، جسے سنن ترمذی بھی کہا جاتا ہے، کا پانچواں نمبر ہے۔ یہ کتاب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابو عیسیٰ ترمذی ہے۔ آپ بلخ کے شہر ترمذ میں 202 ہجری میں پیدا ہوئے اور 279 ہجری میں وفات پائی۔

جامع ترمذی میں کل 4234 حدیثیں ہیں۔ ان احادیث میں سے کچھ ضعیف بھی ہیں اور امام موصوف نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

جامع ترمذی علم حدیث میں نہایت ہی مفید اور فنی کتاب ہے۔ اس کتاب میں اصولِ حدیث کی بحثیں بھی موجود ہیں۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع کے علاوہ اور کتب بھی لکھی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔

جامع ترمذی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اور انگریزی سمیت اس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔

6۔ سنن ابن ماجہ

یہ کتاب امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ صحاح ستہ میں اس کا آخری نمبر ہے۔ بعض علماء نے اس کی بجائے امام دارمی کی سنن دارمی کو اس کی جگہ چھٹا درجہ دیا ہے۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ 209 ہجری کو پیدا ہوئے اور 273 ہجری میں وفات پائی۔

سنن ابن ماجہ میں کل 4418 حدیثیں ہیں، جن میں سے بعض ضعیف بھی ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ بھی امام صاحب نے اور کئی کتب لکھی تھیں۔

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات شامل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث میں امام ابن ماجہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کل 5 راوی ہیں۔

سنن ابن ماجہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں۔ اس کے تراجم بھی انگلش سمیت دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

صحاح ستہ کی تمام کتابوں کا انگلش میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ضمیمہ 2: علم حدیث سے متعلق اصطلاحات (TERMS)

(ا)

1. آحاد (واحد احد):

ایسی حدیث جو متواتر حدیث کی شرطوں پر پوری نہ اُترے اور اس سے کم درجے کی ہو۔ اسے خبرِ واحد بھی کہتے ہیں۔

2. اثر (جمع آثار):

ایسا قول یا فعل جس کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین یا تابعین کی طرف کی جاتی ہے۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک اثر کا لفظ خبر، حدیث اور سنت کا مترادف ہے۔

3. اجازہ:

اس سے مراد کسی استاد کا اپنے شاگرد کو اس بات کی اجازت دینا ہے کہ وہ اس کی سنی ہوئی روایات (مسموعات) یا جمع کی ہوئی کتب حدیث کو روایت کر سکتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام روایات نہ شاگرد نے استاد سے سنی ہوں اور نہ وہ کتب استاد کو پڑھ کر سنائی ہوں۔

4. اجزا:

(دیکھو جزء):

5. اخبار آحاد:

وہ حدیثیں جو متواتر حدیث کی شرطوں پر پوری نہ اُتریں اور اُس سے کم درجے کی ہوں۔ ان کو خبرِ واحد بھی کہا جاتا ہے۔

6. اَخْبَرَنَا:

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میرے اُستاد نے یہ حدیث ہمیں سنائی۔

7. اَخْبَرَنِیْ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے شیخ (یا اُستاد) نے یہ حدیث مجھے سُنائی۔

8. اختلاف الحدیث:

دو ایسی حدیثوں کا ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد ہونا جو صحت میں برابر ہوں۔ پھر اگر ممکن ہو تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے، یا توقف کیا جاتا ہے یا پھر ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

9. اِدراج:

کسی حدیث کی سند یا متن میں ایسا اضافہ ہونا جو اصل میں نہ ہو۔ جس حدیث میں اِدراج ہوا ہو اُسے مدرج کہتے ہیں۔

10. اربعین:

ایسی کتاب جس میں چالیس (40) حدیثیں جمع کی گئی ہوں، جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی 'اربعین نووی'۔ چونکہ اس کام پر ثواب بتایا گیا ہے اس لیے بے شمار علماء نے 'اربعین' لکھی ہیں۔

11. اِرسال (مرسل ہونا):

کسی تابعی کا بغیر کسی صحابی کا نام لیے کوئی حدیث بیان کرنا اِرسال کہلاتا ہے اور ایسی حدیث کو مُرسل حدیث کہا جاتا ہے۔

12. اسماء الرجال:

حدیث کے راویوں (مردوں اور عورتوں) کے حالات زندگی، اُن کی چھان بین اور اُن کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا علم۔ اس بارے میں محدثین نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جیسے میزان الاعتدال (حافظ ذہبی) اور تہذیب التہذیب (امام ابن حجر عسقلانی) وغیرہ۔

13. اِسناد:

کسی حدیث کا وہ حصہ جس میں ترتیب سے ان راویوں کے ناموں کا ذکر ہوتا ہے جنہوں نے اُس حدیث کو بیان کیا ہوتا ہے۔ اسے سند بھی کہتے ہیں۔

14. اَصحاب سُنن:

صحاح ستہ میں سے چار کتابوں سنن ابی داوٗد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے مرتبین و مؤلفین کو کہتے ہیں۔

15. اصول حدیث:

(دیکھو علم اصول حدیث):

16. اضطراب:

(دیکھئے مضطرب حدیث)

17. اَطراف:

حدیث کی ایسی کتاب جس میں مرتب نے بہت سے احادیث کا صرف ایک ایک ٹکڑا (پہلا حصہ) ذکر کیا ہو اور اس ٹکڑے سے باقی حدیث کی طرف اشارہ ہو جائے۔ جیسے موسوعہ اطراف الحدیث از محمد سعید زغلول۔

18. اعلام:

اس کے لفظی معنی اعلان کرنے اور خبر دینے کے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مُراد یہ ہوتی ہے کہ کوئی شیخ اپنے شاگرد کو یہ بتا دے کہ فلاں کتاب یا حدیث اس کی مرویات (روایت کردہ احادیث) یا مسموعات (سماع سے سنی ہوئی احادیث) ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ ان کی روایت کی اجازت دیدے تو اس کی روایت جائز ہے۔

19. اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْل (تمام صحابہ عادل ہیں):

یہ محدثین کے ہاں ایک مسلمہ اصول ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حدیث کی روایت کرنے میں معتبر، ثقہ اور عادل ہیں اور ان پر اس حوالے سے کوئی جرح یا طعن نہیں ہوسکتا۔

20. اَنْبَاَنَا:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔

21. اَنْبَاَنِیْ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔

22. اَوثق:

اول درجے کا وہ معتبر راوی جس کی روایت کردہ حدیث قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

(ب)

23. بلاغات:

وہ حدیثیں جو کسی راوی نے دوسرے راویوں کے ناموں کے بغیر بیان کی ہوں جیسے موطا امام

مالک رحمہ اللہ میں کئی بلاغات ہیں اور ان کی سند کا ذکر نہیں ہے۔

(ت)

24. تابعی (جمع تابعین):

تابعی وہ شخص ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت پر اُس کی وفات ہوئی ہو۔

25. تابعین:

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ملاقات کی اور اسلام ہی کی حالت میں ان کی وفات ہوئی۔

26. تبع تابعی (جمع تبع تابعین):

ہر وہ شخص تبع تابعی ہے جس نے ایمان کی حالت میں کسی تابعی سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی حالت پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

27. تخریج:

کسی حدیث کو اُس کی پوری سند سے بیان کرنا اور اسی حدیث کو اس کی دوسری تمام سندوں کے ساتھ بیان کرنا تخریج کہلاتا ہے۔

28. تَدلیس:

حدیث کی سند میں موجود کسی عیب یا نقص کو چھپانا 'تدلیس' کہلاتا ہے اور جس حدیث میں یہ عیب ہو وہ مُدَلَّس کہلاتی ہے۔

29. تصحیف:

کسی لکھی ہوئی حدیث کی اصلاح اور درستی کرنے کو تصحیف کہتے ہیں ۔ یہ دراصل کاتب کی غلطی کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس حدیث کی تصحیح ہوئی ہو اُسے مصحف کہا جاتا ہے۔

30. تعدیل:

اس سے مراد کسی حدیث کے راویوں کو عادل اور (معتبر) ٹھہرانا ہے۔ پھر ایسے راویوں کی روایت کردہ حدیث صحیح اور مقبول ہو سکتی ہے۔

31. تقریر:

(دیکھئے تقریری حدیث):

32. تقریری حدیث:

کوئی عمل جو حضور ﷺ کے سامنے ہوا اور آپ ﷺ خاموش رہے یا آپ ﷺ کے سامنے کسی عمل کا ذکر ہوا اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی، اُسے گوارا کیا تو اسے ''تقریری حدیث'' کہتے ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے اُسے برقرار رکھا۔

(ث)

33. ثقہ (جمع ثقات):

دوسرے درجے کا معتبر راوی جس کی روایت کردہ حدیث قابلِ اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

34. ثلاثیات:

ایسی احادیث جو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف تین واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہیں۔ جیسے صحیح بخاری میں بائیس (22) حدیثیں ایسی ہیں جو ثلاثیات میں سے ہیں۔

35. ثنائیات:

ایسی حدیثیں جو زمانے کی دُوری کے باوصف صرف دو واسطوں سے نبی ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ایسی کئی احادیث ہیں جو ثنائیات ہیں۔

(ج)

36. جامع (جمع جوامع):

حدیث کی ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر طرح کے مضامین ہوں جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ۔

37. جرح:

اس سے مراد حدیث کے کسی راوی پر تنقید اور اعتراض ہے جس کے بعد وہ راوی مجروح کہلاتا ہے اور اُس کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔

38. جزء (جمع اجزاء):

حدیث کی وہ مختصر کتاب جس میں کسی راوی کی تمام مرویات جمع کر دی گئی ہوں۔ اس کے علاوہ کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث جمع کر لینے کو بھی 'جزء' کہتے ہیں جیسے امام بخاری کی جزء ''رفع الیدین فی الصلوٰۃ۔''

(ح)

حافظ، حافظ الحدیث:

متاخرین بڑے محدث کو حافظ کہتے ہیں جسے کم سے کم ایک لاکھ احادیث سند اور متن کے ساتھ زبانی یاد ہوں۔ البتہ سابقہ سلف صالحین کے ہاں محدث اور حافظ مترادف تھے۔

39. حَدَّثَنَا:

اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں حدیث سنائی خواہ اپنے حافظے سے یا کسی کتاب سے الفاظ پڑھ کر۔

40. حَدَّثَنِیْ:

اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ استاد (شیخ) نے فلاں حدیث مجھے سنائی۔

41. حدیث، حدیث قُدسی:

حدیث سے مراد وہ قول، فعل اور تقریر و تصویب ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو اور حدیث قُدسی وہ ہے جس کی نسبت حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے 'متکلم کا صیغہ' استعمال ہوتا ہے۔

42. حسن حدیث:

ایسی حدیث جس میں صحیح حدیث کی پانچ میں سے چار شرطیں پوری پائی جائیں مگر پانچویں شرط میں کچھ کمی پائی جاتی ہو یعنی اُس کے راوی میں حفظ و ضبط کی کمزوری ہو۔

43. حفظ حدیث:

حدیث کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کو حفظ حدیث کہتے ہیں اس کے علاوہ راوی کی یادداشت کو بھی حفظ کہتے ہیں۔

(خ)

44. خبر (جمع اخبار):

حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخبار آتی ہے۔

45. خبر واحد:

خبر واحد وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں۔ اس کے راوی تعداد میں متواتر سے کم ہوں۔ اس کا درجہ متواتر سے کم ہوتا ہے۔ خبر واحد کو آحاد یا اخبار آحاد بھی کہتے ہیں۔

46. خماسیات:

ایسی حدیثیں جو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف پانچ (5) واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔

(ر)

47. راجح:

اگر دو مختلف مضامین کی معارض (مخالف) حدیثیں ہوں اور اُن دونوں کو بیک وقت جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں متن یا سند کے وجوہِ ترجیح سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ جس حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی وہ راجح کہلائے گی۔

48. راوی:

حدیث روایت کرنے والے شخص کو راوی کہتے ہیں۔ یہ کوئی صحابی، تابعی، تبع تابعی یا ان کے بعد کا کوئی شخص ہوسکتا ہے۔

49. رباعیات:

ایسی احادیث جو زمانے کی دُوری کے باوصف صرف چار (4) واسطوں سے حضور ﷺ سے نقل کی گئی ہوں۔ جیسے ''رباعیات امام نسائی'' وغیرہ۔

50. روایت:

حدیث بیان کرنے کو روایت کہتے ہیں اور حدیث اور روایت مترادف بھی ہیں۔

51. روایت بالمعنیٰ:

کسی حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون اور مفہوم باقی اور سلامت رہے البتہ حدیث اپنے اصل الفاظ میں بیان نہ ہو۔

(س)

52. سماع:

(اُستاد کی زبان سے سننا): یہ اخذ حدیث کا سب سے اعلیٰ طریقہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شاگرد استاد سے حدیث سنے، خواہ اُستاد کسی کتاب سے وہ حدیث پڑھ کر سنا رہا ہو یا اپنے حافظے سے اور خواہ وہ حدیث شاگرد کو لکھوائے یا نہ لکھوائے۔

53. سَمِعْتُ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔ ایسی حدیث مرفوع ہوتی ہے۔

54. سَمِعْنَا:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔ ایسی حدیث بھی مرفوع ہوتی ہے۔

55. سنت:

عام طور پر حدیث اور سنت کے الفاظ مترادف ہوتے ہیں لیکن بعض علماء اس سے نبی ﷺ کے ثابت شدہ قول، فعل یا تقریر مراد لیتے ہیں۔ گویا 'حدیث' عام ہے اور 'سنت' خاص۔

56. سند:

اس سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو تبع تابعی، تابعی اور صحابی سے ہو کر اُس متن (حدیث کے مضمون) تک پہنچتا ہے جو نبی ﷺ سے منسوب ہو۔ گویا یہ متن تک پہنچے کا راستہ ہے۔ یہ سند عالی بھی ہوتی ہے اور نازل بھی۔ عالی سند وہ ہے جس میں کم واسطوں سے کوئی حدیث حضور ﷺ (اا ھ) تک پہنچتی ہو اور نازل سند وہ ہے جس میں زیادہ واسطوں سے کوئی حدیث حضور ﷺ (اا ھ) تک پہنچتی ہو۔

57. سنن:

اس سے مراد حدیث کی ایسی کتاب ہے جس میں احکام سے متعلق احادیث ہوں اور ان کو فقہی ابواب کی ترتیب سے لکھا گیا ہو، جیسے سنن ابی داؤد۔

58. سنن اربعہ:

حدیث کی چار کتابوں سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو سنن اربعہ کہا جاتا ہے۔

59. شاذ حدیث:

ایسی حدیث جس کا کوئی مقبول اور ثقہ راوی اپنے سے زیادہ مقبول اور زیادہ ثقہ راوی مخالفت کرے۔ شاذ کے مقابلے میں 'محفوظ حدیث' ہوتی ہے۔

60. شاهد (جمع شواہد):

کسی حدیث کے الفاظ ومعانی یا صرف معانی کی تائید کرنے والی ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے صحابی سے مروی ہے۔

61. شُذُوذ:

جب کوئی مقبول راوی کسی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو درجے میں اُس سے بڑھ کر ہو تو یہ شذوذ ہے اور ایسی حدیث شاذ کہلاتی ہے اور یہ بھی ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔ یہ شذوذ سند میں بھی ہوسکتا ہے اور متن میں بھی۔

62. شیخ (جمع شیوخ):

جس سے کوئی حدیث یا روایت لی جاتی ہے۔

63. شیخ الحدیث:

حدیث کے اُستاد کو آج کل شیخ الحدیث کہتے ہیں۔

64. شیخین:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کو ملا کر شیخین کہا جاتا ہے۔

(ص)

65. صحابی:

ہر وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اُس کی وفات بھی ایمان کی حالت میں ہوئی ہو۔

66. صحاح ستہ:

حدیث کی چھ (6) کتابوں کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے جن میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ شامل ہیں۔

67. صحیح حدیث:

وہ حدیث جو درج ذیل شرائط پر پوری اُترتی ہو۔

1: اُس کی سند متصل ہو۔

2: اُس کے تمام راوی عادل ہوں۔

3: اُس کے تمام راوی ضابط ہوں۔

4: اُس میں شذوذ نہ ہوں۔

5: اُس میں کوئی مخفی عیب نہ پایا جاتا ہو۔

ایسی حدیث، مقبول، قابل اعتبار اور قابل حجت ہوتی ہے۔

68. صحیحین:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم، حدیث کی ان دو کتابوں کو ملا کر صحیحین (دو صحیح کتابیں) کہا جاتا ہے۔ ان دونوں میں جو حدیث آئی ہو وہ 'متفق علیہ' کہلاتی ہے۔

69. صحیفہ:

حدیث کے مجموعے کو کہتے ہیں۔

(ض)

70. ضابطہ و حافظ:

ایسا راوی جس میں ضبط و حفظ کی قوت و صلاحیت ہو۔ حدیث کو یاد رکھے یا کتاب میں محفوظ رکھے۔

71. ضبط و حفظ:

کسی حدیث کو لکھ کر محفوظ رکھنا ضبط کہلاتا ہے اور اُسے یاد رکھنا حفظ ہے۔

72. ضعیف حدیث:

ہر وہ حدیث جس میں حسن حدیث کی چار ضروری شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ یہ مردود حدیث کہلاتی ہے۔

73. ضعیف راوی:

ایسا راوی جس میں ثقہ یا معتبر راوی والے اوصاف نہ پائے جائیں۔ وہ عادل نہ ہو یا وہ ضابط و حافظ نہ ہو۔

(ط)

74. طبقہ:

صحتِ حدیث کے اعتبار سے کتب حدیث کی درجہ بندی طبقہ کہلاتی ہے۔ پہلے طبقہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم شامل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان میں شامل ہے۔

75. طعن (عیب):

اگر حدیث کے کسی راوی میں کوئی ایسا عیب یا نقص پایا جائے جو صحت حدیث پر اثر انداز ہوتا ہو تو اسے طعن کہتے ہیں اور ایسے مطعون شخص کی روایت نہیں لی جاتی۔

(ع)

76. عادل راوی:

عادل راوی وہ ہے جو دینی فرائض کا پابند اور حرام کاموں سے بچنے والا ہے۔ صرف ایسا شخص ہی حدیث کی روایت کرنے میں معتبر اور ثقہ ہوتا ہے۔

77. عدالت (راوی کی):

راوی کی عدالت سے مراد اُس کے عادل ہونے اور معتبر ہونے کا وصف ہے کہ ایسا راوی دینی فرائض کی پابندی کرتا ہے اور حرام کاموں یعنی فسق و فجور سے بچتا ہے۔

78. عدول (عادل کی جمع):

عادل راویوں کو عدول کہا جاتا ہے۔ ایسے راوی معتبر اور ثقہ ہوتے ہیں اور ان کی روایت قبول کی جاتی ہے۔

79. عزیز حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف دو (2) ہو۔

80. علت:

کسی حدیث میں کوئی مخفی عیب یعنی چھپا ہوا نقص ہونا جس کے بعد وہ صحیح حدیث نہ رہے۔ ایسی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ ان احادیث کے مجموعے کو عِلَل کہا جاتا ہے جیسے ابن ابی حاتم کی 'العلل'۔

81. علم اصول حدیث:

وہ علم جس کے ذریعے راوی اور اُس کی روایت کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں کسی حدیث کو قبول یا رَد کیا جاتا ہے۔

82. علم درایت:

وہ علم جس میں راوی اور اُس کی روایت کردہ حدیث کی قبولیت یا عدم قبولیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

83. علم حدیث (علم روایت):

نبی ﷺ سے منسوب اقوال، افعال اور تقریرات کا علم۔

(غ)

84. غریب حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف ایک ہی ہو۔

85. غریب الحدیث:

احادیث کے مشکل الفاظ اور اُن کے معانی بیان کرنے کو غریب الحدیث کہتے ہیں۔ اس موضوع پر 'النہایۃ' از ابن اثیر عمدہ کتاب ہے۔

(ف)

86. فرد حدیث:

یہ غریب حدیث ہی کا دوسرا نام ہے جس میں راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں صرف ایک ہی ہوتی ہے۔

87. فعلی حدیث:

جو حدیث نبی ﷺ کے کسی فعل یا عمل پر مبنی ہو۔

88. فقه الحدیث:

یہ احادیث میں وارد احکام کو سمجھنے جاننے کا نام ہے۔

89. فنِ حدیث:

(دیکھو علم حدیث)

(ق)

90. قَالَ لَنَا:

یہ بھی حدیث کے اخذ وتحمل کا ایک طریقہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے ہمیں فلاں حدیث سنائی۔

91. قَالَ لِیْ:

اخذ حدیث کے اس طریقے سے مراد یہ ہے کہ استاد (شیخ) نے مجھے فلاں حدیث سنائی۔

92. قرأت:

یہ بھی اخذ حدیث کا اچھا طریقہ ہے جس میں شاگرد اپنے استاد کو زبانی کوئی حدیث سنائے یا کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ گویا اس طریقے میں شاگرد استاد کو پڑھ کر سناتا ہے اس لیے اسے قراءت علی الشیخ بھی کہتے ہیں۔

93. قولی حدیث:

وہ حدیث جو نبی ﷺ کے کسی قول پر مبنی ہو۔ جیسے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)۔

(ک)

94. کتب صحاح:

(دیکھو صحاحِ ستہ):

(م)

95. متابع حدیث (جمع متابعات):

یہ وہ حدیث ہے جِس کے راوی کی تائید کوئی دوسرا راوی بھی کرتا ہو اور تائید کرنے والا ایسا ہو کہ اس کی

روایت کو تسلیم کیا جاتا ہو۔ اس میں تائید کرنے والا پہلے راوی کے شیخ یا شیخ الشیخ سے ایسے الفاظ میں حدیث روایت کرے جو پہلے راوی کے بیان کردہ الفاظِ حدیث سے ملتے جلتے ہیں۔

96. متروک حدیث (راوی):

ایسا راوی جو اپنی روزمرہ گفتگو میں جھوٹ کا عادی ہو لیکن حدیث سے ظاہر نہ ہوتا ہو کہ وہ جھوٹا ہے، یا اُسے بہت زیادہ وہم لاحق ہوتا ہو (کثیر الوہم)۔

98. مُتَفَقٌ عَلَيْه:

وہ حدیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہو۔

99. متن حدیث (جمع متون):

کسی سند کے بعد کلام کا وہ حصہ جو نبی ﷺ سے منسوب پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک ہی متن کی کئی روایتیں اور سندیں ہوسکتی ہیں جو سب کی سب الگ الگ حدیثیں شمار ہوتی ہیں حالاں کہ اُن کا مضمون ایک ہی ہوتا ہے۔

100. متواتر حدیث:

اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں راویوں کی اتنی زیادہ تعداد نے روایت کیا ہو کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔ متواتر لفظی بھی ہوتی ہے اور معنوی بھی۔

101. مجہول راوی:

ایسا راوی جس کا ثقہ (یا معتبر) ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو۔ گویا یہ کوئی نا معلوم شخص ہوتا ہے جو کسی حدیث کی روایت کرتا ہے۔

102. مُحدِّث (جمع محدثین):

حدیث کے ماہر عالم کو محدث کہتے ہیں۔ اس کی جمع محدثین ہے۔

103. محفوظ حدیث:

شاذ (ضعیف حدیث) کے مقابلے میں جو صحیح حدیث ہوتی ہے وہ محفوظ حدیث کہلاتی ہے۔

104. مختلف الحدیث (اختلاف الحدیث):

دو بظاہر متضاد حدیثیں جو صحت میں برابر ہوں اور ان میں جمع و تطبیق ممکن ہو یا ایک کو دوسری پر ترجیح دی جاسکتی ہو۔

105. مُدْرَج حدیث:

ایسی حدیث جس کی اصل سند یا اُس کے اصل متن میں کچھ اضافہ کر دیا گیا ہو۔ اسے کسی حدیث میں 'اِدراج' ہونا کہا جاتا ہے۔

106. مُدَلَّس حدیث:

ایسی حدیث جس میں راوی نے تدلیس سے کام لیا ہو یعنی اُس کی سند میں اس کے مخفی عیب کو چھپا دیا ہو۔ گویا ایسی حدیث جس کی سند میں مخفی عیب کو چھپایا گیا ہو۔ مُدَلَّس کہلاتی ہے۔

107. مرجوح حدیث:

اگر ایک مختلف اور معارض حدیث پر کسی اور مختلف اور معارض حدیث کو کسی وجہ سے ترجیح حاصل ہو جائے تو اُسے مرجوح حدیث کہتے ہیں اور ترجیح پانے والی کو راجح کہا جاتا ہے۔

108. مردود حدیث:

ایسی حدیث جسے قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ ضعیف یا موضوع ہوتی ہے۔

109. مُرسَل حدیث:

جس حدیث کی سند میں صحابی کا نام ساقط ہو یعنی نام موجود نہ ہو۔ ایسی حدیث غیر متصل اور ضعیف ہوتی ہے۔

110. مرفوع حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔

111. مَرْوِی (جمع مرویات):

کسی روایت شدہ حدیث کو کہتے ہیں۔

112. مُستخرج (جمع مستخرجات):

حدیث کی ایسی کتاب جس کا مصنف کسی دوسرے مصنف کی کتاب میں درج احادیث کو اپنی الگ سند سے بیان کرتا ہے۔ اس طرح یہ دوسری سند بھی پہلی سند سے کسی مرحلے پر اُوپر جا کر مل جاتی ہے۔

113. مُستَدرَك (جمع مستدرکات):

حدیث کی ایسی کتاب جس میں کسی دوسرے مصنف کی شرائط کے مطابق حدیثیں جمع کی جائیں جو اصل

مصنف کی کتاب میں موجود نہ ہوں جیسے مستدرک علی الصحیحین از امام حاکم نیشا پوری (م405ھ) ۔ اس کتاب میں امام حاکم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط کے مطابق حدیثیں جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

114. مُستفیض حدیث:

اکثر علماء کے نزدیک یہ مشہور حدیث ہی کا دوسرا نام ہے۔

115. مُسند:

مرفوع حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہوتی ہے۔

116. مُسند (جمع مسانید):

حدیث کی ایسی کتاب جس میں ہر صحابی کی روایت کردہ تمام احادیث ایک ہی جگہ پر جمع کر دی گئی ہوں جیسے مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، مسند شافعی اور مسند ابی داؤد طیالسی۔ لیکن اگر ہر صحابی کی روایات کو فقہی ابواب کی ترتیب سے جمع کیا جائے تو اسے مصنف کہتے ہیں جیسے مصنف عبدالرزاق۔

117. مشہور حدیث:

جس حدیث کے راویوں کی تعداد کسی دور یا طبقے میں تین (3) سے نو (9) تک ہو۔

118. مُصَحَّف حدیث:

ایسی حدیث جس میں کسی کاتب کی غلطی کی اصلاح کی گئی ہو۔ گویا یہ تصحیح شدہ حدیث ہوتی ہے۔

119. مُضطرب حدیث (کسی حدیث میں اضطراب ہونا):

کسی حدیث کی ایسی شکلیں جو ایک دوسرے کے بالکل خلاف اور معارِض ہوں اور ان کو جمع کرنا، یا ایک دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

120. مطعون (راوی):

جس راوی پر طعن یعنی (عیب) لگا ہو اُسے مطعون راوی کہتے ہیں اور اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی کیونکہ وہ ضعیف ہو جاتی ہے۔

121. معجم (جمع معاجم):

جس کتاب میں حروف تہجی کے لحاظ سے شیوخ، بلدان (شہروں) اور قبیلوں کے ناموں کے اعتبار سے

احادیث درج کی جاتی ہیں جیسے معجم کبیر (طبرانی)

122. مُعضَل حدیث:

ایسی حدیث جس میں دو یا دو سے زیادہ راوی موجود نہ ہوں۔

123. مُعلّق حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند کی ابتداء سے ایک یا ایک سے زیادہ راویوں کا ذکر نہ ہو۔ اسے تعلیق بھی کہتے ہیں۔ ایسی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔

124. مُعلَلُ حدیث:

ایسی حدیث جس میں کوئی مخفی علت یعنی چھپا ہوا عیب یا نقص پایا جاتا ہو۔ اسے معلول حدیث بھی کہتے ہیں۔

125. مقبول حدیث:

ایسی حدیث جسے قبول کیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہوتی ہے یا پھر حسن۔

126. مقطوع حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت کسی تابعی یا اس سے نیچے کسی شخص کی طرف کی گئی ہو۔

127. مقلوب حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند یا جس کے متن میں تقدیم و تاخیر کردی جائے۔ گویا کسی ایک لفظ کو دوسرے سے بدل دیا جائے یا اسے آگے پیچھے کردیا جائے۔

128. مکاتبہ:

اس سے یہ مراد ہے کہ شیخ خود لکھ کر یا کسی سے اپنی مرویات (روایت کردہ احادیث) لکھوا کر ایک موجود شاگرد کو دے یا غیر موجود شاگرد کو بھیج دے۔

129. مُکثِّرین صحابہ:

ایک ہزار سے زیادہ احادیث روایت کرنے ولاے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مکثرین کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

130. مناولہ:

اس سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو کوئی کتاب یا لکھی ہوئی حدیث دے اور کہے کہ اس کو میری طرف سے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

131. منسوخ حدیث:

جس حدیث کا حکم کسی دوسری حدیث کے حکم سے بدل چکا ہو۔ اس لیے منسوخ حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔

132. منقطع حدیث:

وہ حدیث جس کی سند متصل نہ ہو اور اس میں کسی جگہ کوئی راوی نہ پایا جاتا ہو یا وہ راوی مجہول (Unknown) ہو۔

133. منکر حدیث:

ایسی حدیث جس کی سند کا کوئی راوی فاش غلطیاں کرتا ہو، یا جس میں بہت غفلت پائی جائے، یا وہ فاسق و فاجر ہو اور یا وہ ضعیف راوی کی بھی مخالفت کرے۔

134. منکر الحدیث راوی:

(دیکھو منکر حدیث):

135. موضوع حدیث:

جھوٹی اور من گھڑت حدیث کو موضوع حدیث کہتے ہیں ۔ جسے کوئی شخص خود گھڑ کر نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔ (نعوذ باللہ) یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اس بارے میں محدثین نے کئی کتب لکھی ہیں۔

136. موقوف حدیث:

ایسی حدیث جس کی نسبت کسی صحابی کی طرف کی گئی ہو۔

(ن)

137. ناسخ حدیث:

جس حدیث کے حکم سے کسی پہلی حدیث کا حکم بدل گیا ہو۔ ایسی نئی حدیث کو ناسخ اور پہلے والی حدیث کو

منسوخ کہتے ہیں۔ پھر ناسخ حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور پہلی منسوخ حدیث پر عمل نہیں کیا جاتا۔

(و)

138. وجادہ:

اس سے مراد حدیث کی کسی کتاب سے سماع، اجازہ اور مناولہ کے بغیر علم حاصل کرنا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی محدث کی اپنی لکھی ہوئی حدیثیں دیکھے اور سابقہ ملاقات کی بنیاد پر اُن کو اچھی طرح پہچان لے کہ یہ اُسی کی تحریر کی ہوئی ہیں۔ ایسی حدیثیں ضعیف ہوتی ہیں۔

139. وحدانیات:

ایسی احادیث جن کو زمانے کی دُوری کے باوجود صرف ایک ہی واسطے سے حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہو۔

140. وصیت:

یہ حدیث کے اخذ و تحمل کی نادر مگر کمزور ترین صورت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیخ سفر کے دوران میں یا بستر مرگ پر صراحت کے ساتھ یہ کہے کہ:

"میں فلاں شخص کو فلاں کتاب کے روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

ضمیمہ 3: راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی

ذیل میں اُن راویانِ حدیث (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) کے مختصر حالاتِ زندگی حروفِ تہجی کے لحاظ سے بیان کیے گئے ہیں جن سے روایت کردہ احادیث 'مشکوٰۃ الحدیث' میں شامل ہیں۔

1۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

ان کا اصل نام سعد بن مالک بن سنان خزرجی ہے اور یہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور تھے۔

یہ کم عمری کی وجہ سے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شرکت نہ کر سکے۔ البتہ غزوۂ خندق اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ احد میں ان کے والد شہید ہو گئے تھے۔

آپ نوجوان فقہا صحابہ میں سے تھے۔ 74ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کے گئے۔

آپ نے نبی ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ حق بات بیان کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کریں گے۔ آپ

کثرین صحابہ میں سے ہیں اور آپ سے 1170 حدیثیں مروی ہیں جو صحاحِ ستہ میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

2۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ):

آپ کا نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابوموسیٰ ہے۔ یمن کے قبیلہ اشعر کی نسبت سے اشعری کہلاتے ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ ابتدائی زمانے میں مکے میں اسلام قبول کیا۔ پھر نبی ﷺ کی اجازت سے اپنے وطن یمن چلے گئے۔ فتح خیبر کے موقع پر یہ اپنے قبیلے سمیت یمن سے ہجرت کر کے مدینے آ گئے۔

آپ نہایت خوش الحان تھے۔ آپ کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"يَا اَبَا مُوْسٰى! لَقَدْ أُعْطِيْتَ مِزْمَا رًا مِنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوُدَ."

''اے ابوموسیٰ! آپ کو آلِ داؤد کی سی خوش الحانی عطا ہوئی ہے۔''

دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کے دور میں شام کی فتوحات میں بھی شریک جہاد رہے۔

نبی ﷺ نے آپ کو یمن کے بعض علاقوں کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے۔

واقعہ تحکیم میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ثالث مقرر کیے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ثالث تھے جنہوں نے کمال ڈپلومیسی سے آپ کو خطرناک دھوکا دیا۔ اس واقعے کا آپ پر ایسا اثر ہوا کہ باقی تمام عمر گوشہ نشینی میں گزار دی اور مکہ یا کوفہ میں قیام پذیر رہے۔

آپ نے 42ھ یا 44ھ یا 50ھ یا 51ھ میں مکہ یا کوفہ میں وفات پائی۔

کتب صحاح میں آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

3۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ فتح خیبر کے بعد مسلمان ہوئے اور اصحابِ صفہ میں سے تھے۔ نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد کئی غزوات میں حصہ لیا۔

صحیح احادیث میں ہے کہ ایک بار انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں بہت سی احادیث سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر پھیلا دی۔ پھر ارشاد ہوا کہ اس کو اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اُن کا اپنا قول ہے کہ پھر میں کبھی نہیں بھولا۔ اس کے ساتھ ہی اُن کا یہ بیان بھی ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ میں زیادہ حدیثیں کیوں بیان کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں ایک غریب آدمی تھا جو ہمیشہ حضور رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتا تا کہ کچھ کھانے کو بھی مل جائے۔ مہاجرین کا حال یہ تھا کہ وہ بازار میں خرید و فروخت میں مصروف رہتے اور انصار اپنی کھیتی باڑی اور مال مویشی کو سنبھالنے میں مشغول رہتے لیکن میں نے اپنے آپ کو احادیث کے علم کے حصول کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ایک حدیث کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایسا علم عطا ہو جسے میں کبھی نہ بھولوں، تو اس دعا پر نبی ﷺ نے آمین کہی تھی اور اس کے بعد اُن کا حافظہ قوی ہوگیا تھا۔ جو بات یاد رکھتے

کبھی نہ بھولتے۔

آپ نہایت عباد و زاہد اور مہمان نواز صحابی تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اُن کو کچھ عرصے کے لیے مدینے کا گورنر بنا دیا تھا۔ آپ 60ھ اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب کوئی اُن سے اس کا سبب پوچھتا تو فرماتے کہ اس کے بیان کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سر اُس کی گردن پر نہ رہے۔

آپ کی وفات 57ھ میں مدینے میں ہوئی۔ مکثرینِ صحابہ میں آپ کا سب سے پہلا نمبر ہے۔ آپ سے 5374 حدیثیں مروی ہیں۔ صحیحین میں آپ سے روایت کی گئی احادیث کی تعداد 497 ہے۔

14۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور مشہور صحابی ہیں۔ ہجرت کے پہلے سال ہی میں ان کی والدہ اُمِ سُلیم ان کو اپنے ساتھ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ''یہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرے گا''۔ اُس وقت ان کی عمر 8 یا 9 یا 10 سال تھی۔ انہوں نے پورے دس (10) برس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔

ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنے اس خادم بچے کے حق میں دعا فرمایئے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ کَثِّرْ مَالَهٗ وَ وَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ .))

''اے اللہ! اس کے مال و اولاد میں اضافہ فرما اور اسے جنت میں داخل کرنا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''یہ اسی دعا کا اثر ہے کہ ایک تو میری زندگی ہی میں میرے سو (100) کے لگ بھگ بیٹے بیٹیاں اور پوتے پوتیاں ہیں۔ دوسرے میرے باغات سال میں دو دفعہ پھل دیتے ہیں اور رہی تیسری بات تو انشاء اللہ مجھے جنت میں داخل ہونے کی بھی پوری اُمید ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ابوحمزہ (گھاس یا ساگ کا باپ) کا لقب دیا تھا۔

آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ جنگِ بدر میں کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے؟ تو آپ نے جواب دیا۔ ''تو اور کہاں چلا جاتا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر والوں پر بھی بہت

شفقت فرماتے۔ اکثر اُن کے ہاں تشریف لے جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عہدِ فاروقی میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے 90ھ یا 91ھ یا 92ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

بنوامیہ کے ظالم حکمران حجاج بن یوسف نے آپ کو بھی بہت اذیتیں دی تھیں۔ آپ نے حضور ﷺ کی ذاتی گھریلو زندگی کے بارے میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں اور آپ کا شمار بھی مکثرینِ صحابہ میں ہوتا ہے کیونکہ آپ کی مرویات کی تعداد بھی ہزار سے اوپر ہیں۔ آپ سے کل 2286 حدیثیں مروی ہیں جو صحاحِ ستہ میں شامل ہیں۔

آپ کا ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ آپ سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ سے صرف چند برس پہلے فوت ہوئے۔ اس طرح گویا آخرِ ثانی (SECOND LAST) صحابی ہیں۔

5۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ:

پورا نام تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ ہے یہ پہلے عیسائی عالم تھے جب نبی ﷺ غزوہ تبوک سے واپس مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ یہ بہت عبادت گزار اور زہد و تقویٰ والے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں انہوں نے سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ کا بندوبست کیا اور اُن سے اجازت لے کر مسجد نبوی میں تاریخی واقعات بیان کرتے تھے۔ فتنہ دجال کو حضور ﷺ نے خود ان سے روایت فرمایا ہے۔ اور یہ اُن کے لیے بہت بڑا شرف ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک مدینے میں رہے۔ پھر شام چلے گئے اور وہیں 40ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی بہت عزت کرتے اور اُن پر اعتماد کرتے تھے۔

صحاح ستہ میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

6۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ:

حضرت جابر مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے والد عبداللہ بھی صحابی ہیں۔ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اپنے والد کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ آپ نے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے سوا باقی تمام غزوات میں شرکت کی۔ مصر و شام کا سفر بھی کیا تھا۔ یہ اُن سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں شامل ہیں جو مکثرین کہلاتے

ہیں اور جن میں سے ہر ایک کی مرویات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ 74ھ یا 75ھ میں مدینے میں وفات پائی۔ آپ کی روایت کردہ احادیث کتب صحاح میں موجود ہیں۔

7۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

پورا نام جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ماہ پہلے اسلام لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ یہ بہت خوبصورت تھے۔ انہوں نے حجۃ الوداع میں بھی شرکت کی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اُن کے قبیلے کا سردار بنا کر جہاد کے لیے ایران روانہ کیا تھا۔ انہوں نے قادسیہ کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ آخری عمر میں کوفہ میں رہائش پذیر ہو گئے تھے اور وہیں 51ھ میں وفات پائی۔

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نمازِ عشاء کے بعد ایک ایسی کھجور کی چھڑی عطا فرمائی جو رات کے اندھیرے میں اُن کے گھر تک روشنی دیتی رہی۔ یہی عصا آپ کے پاس رہا جسے آپ کی وصیت کے مطابق ساتھ ہی دفن کیا گیا تھا۔ آپ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی ایک حدیث لی ہے جو صحیحین میں موجود ہے۔ صحاحِ ستہ میں بھی آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

8۔ حُذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی ہیں۔ صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔ صحیح بخاری کے سوا تمام کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

آپ کا انتقال 42ھ میں ہوا تھا۔

9۔ خباب بن اَرت تمیمی رضی اللہ عنہ:

بالکل ابتدائی دور میں اسلام لانے والے صحابی ہیں۔ دین کی خاطر سخت تکلیفوں اور آزمائشوں میں سے گزرے۔ پھر مدینے ہجرت کی۔ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ آخری عمر میں کوفہ چلے گئے۔ وہیں 37ھ میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ صحاحِ ستہ میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

10۔رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ:

یہ انصاری صحابی ہیں۔قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔کم عمری کی وجہ سے غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکے لیکن غزوۂ اُحد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی۔غزوۂ اُحد میں گردن پر تیر لگنے سے زخمی ہوئے۔اس موقع پر نبی ﷺ نے اُن سے فرمایا تھا کہ:

"اَنَا اَشْهَدُ لَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" میں قیامت کے دن تمہارے لیے گواہی دوں گا۔

بعد میں تیر نکال لیا گیا مگر اُس کی اَنی گردن میں رہ گئی۔آخری عمر میں زخم پھر کھل گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مروان بن حکم کے زمانے میں 86 برس کی عمر میں وفات پائی۔ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

11۔سفیان بن عبداللہ ثقفی (طائفی) رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی ہیں۔انہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ان کو طائف شہر کے صدقات کا عامل بھی بنایا گیا تھا۔صحیح بخاری اور سنن ابی داوٗد کے سوا باقی کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

12۔شقیق بن سلمہ، ابو وائل اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ تابعی مخضرمی تھے۔نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا تھا مگر حاضر خدمت نہ ہوسکے۔آپ چاروں خلفائے راشدین اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور اُن سے بعض حدیثیں بھی سُنیں۔ لیکن زیادہ تر مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہے۔

آپ بہت نیک، متقی اور عبادت گزار تھے۔امام ابراہیم نخعی کہا کرتے تھے کہ شقیق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بہت سی آفتیں اور بلائیں ٹال دیتا ہے۔

روایت حدیث میں آپ ثقہ اور معتبر ہیں۔

آپ نے سو(100) برس سے زیادہ عمر پائی۔وفات 82ھ یا 97ھ میں ہوئی۔صحاحِ ستہ میں آپ سے کئی احادیث مروی ہیں۔"مشکوٰۃ الحدیث" میں آپ کی روایت کردہ ایک ہی حدیث نمبر 90 ہے۔

13۔عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ماں کا نام زینب تھا اور اُن کی کنیت اُمِ رومان تھی۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

کی نسبت سے اُم عبداللہ کنیت رکھتی تھی۔ آپ بعثت نبوی کے چار سال بعد پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دس (10) سال نبوی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا۔ چار سو درہم حق مہر تھا، تو اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چھ (6) برس کی تھی۔

ہجرت کے بعد مدینے میں رخصتی ہوئی۔ اُس وقت عمر نو سال تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اُس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 18 سال تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے 48 برس بعد تک زندہ رہیں اور 57ھ میں فوت ہوئیں۔ اُس وقت آپ کی عمر 66 برس تھی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بسر کیے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکامِ شریعت کا ایک چوتھائی حصہ منقول ہے۔ آپ دینی مسائل میں فتویٰ دیتی تھیں۔ آپ سے 2210 حدیثیں مروی ہیں۔

14۔ حضرت عبادہ بن صامت انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ:

آپ طویل القامت، جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ آپ بیعت عقبہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ میں شریک تھے۔ آپ نے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فلسطین میں دین کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا قاضی مقرر کیا تھا۔ یہ بعد میں رملہ چلے گئے اور وہیں (یا بیت المقدس) میں 34ھ میں وفات پائی۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بیعت عقبہ میں انصار کا نقیب مقرر کیا تھا۔ تمام کتب صحاح میں ان سے مروی احادیث موجود ہیں۔

15۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ:

آپ مشہور صحابی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف دو یا تین سال بڑے تھے۔

دورِ جاہلیت میں بھی آپ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ خانہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا کام آپ کے سپرد تھا۔ بیعت عقبہ کے وقت آپ وہاں موجود تھے مگر اُس وقت تک ایمان

نہیں لائے تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر قریش ان کو زبردستی جنگ میں لے آگئے مگر آپ نے کسی مسلمان کو شہید نہ کیا بلکہ گرفتار ہو گئے۔ ان کو بھی بعض دوسرے قیدیوں کے ساتھ مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ مضبوط بندش کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں تکلیف ہوئی جس کی وجہ سے وہ رات بھر کراہتے رہے۔ ان کی اس حالت کو محسوس کر کے خود حضور ﷺ نے بھی وہ رات بے چینی میں گزاری۔ صبح کے وقت صحابہ نے ان کی بندش ڈھیلی کر دی تو حضور ﷺ نے باقی قیدیوں کی بندشیں بھی ڈھیلی کر دینے کا حکم دیا۔

یہ اسلام لانے سے پہلے بھی مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور مکے کے مشرکین کی خبریں حضور ﷺ کو مدینے بھیجتے رہے۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے مدینے ہجرت کی۔ راستے میں نبی ﷺ نے مسکراتے ہوئے ان سے فرمایا "میں تو خاتم النّبیین (آخری نبی) تھا ہی، تم بھی خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) نکلے۔" غزوۂ حنین کے موقع پر آپ حضور ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مدینے میں بارش نہ ہونے پر ان کے وسیلے سے دعا کرائی تھی جس کے بعد وہاں خوب بارش ہوئی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کو 'ساقی الحرمین' کا خطاب دیا۔ آپ کے دس بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام فضل تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔

آپ کی وفات 32ھ یا 33ھ یا 34ھ میں ہوئی۔ کتب صحاح میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔

16۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

آپ مجتہد، فقیہ اور صاحب علم صحابی تھے۔ نبی ﷺ نے آپ کو حبرُ الامت (اُمت کا عالم) اور بہترین ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازا۔ آپ حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے۔

ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ نبی ﷺ کی وفات کے وقت عمر صرف 13 برس تھی۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اپنی والدہ کے ہمراہ اسلام لائے۔ پھر مدینے ہجرت کی۔ کم عمری کے باوجود آپ نے نبی ﷺ سے بہت کچھ سیکھ لیا۔ حضور ﷺ نے کئی موقعوں پر اُن کے حق میں دعائیں کیں۔

ایک موقع پر حضور ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ افْقِهْهُ فِي الدِّيْنِ. (صحيح مسلم، رقم: 6368)

''اے اللہ! اِسے دین کی سمجھ عطا فرما!''

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبار صحابہ کے ساتھ آپ کو بھی اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے۔ اس پر جب بعض اکابر صحابہ نے اعتراض کیا تو ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سب سے سورہ النصر کا مرکزی مضمون پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہی سوال عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس سورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہی بات درست ہے۔ پھر آپ نے اعتراض کرنے والے کبار صحابہ سے فرمایا کہ میں اس نوجوان کو اسی لیے مشوروں میں شریک کرتا ہوں کہ اس کا علم بہت وسیع ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین کے دور میں کئی موقع پر جہاد میں شریک ہوئے۔ آپ نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ خلافت علوی کے زمانے میں آپ کچھ عرصہ بصرے کے گورنر بھی رہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں طائف میں مقیم ہوگئے اور وہیں 68ھ کے لگ بھگ وفات پائی۔ آخری عمر میں آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے۔ آپ مکثرین صحابہ میں سے ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد 1660 ہے جن میں سے صحیحین میں 120 کے قریب حدیثیں موجود ہیں۔

17۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:

مشہور صحابی ہیں۔ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ بعثت نبوی سے ایک سال پہلے یا بعد پیدا ہوئے تھے۔ کم عمری ہی میں اسلام لائے اور اپنے والد کے ساتھ ہجرت کرکے مدینے آئے۔ جنگ بدر اور جنگ اُحد میں اس لیے شریک نہ ہو سکے کہ ابھی کم عمر تھے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بھی جہاد میں حصہ لیتے رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو ''رجل صالح'' یعنی نیک مرد کا خطاب دیا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کو دنیا نے اپنی طرف یا اُس نے دنیا کو اپنی طرف مائل نہ کیا ہو سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روزمرہ زندگی کی جزئیات کا بھی اتباع کرتے تھے۔ جب حج کے سفر پر جاتے تو راستے میں وہاں اُتر کر نماز

پڑھتے جہاں حضور ﷺ نے کبھی نماز پڑھی، وہیں وضو کرتے جہاں حضور ﷺ نے کبھی وضو فرمایا، وہیں اپنی سواری کو باندھتے جہاں حضور ﷺ نے کبھی اپنی سواری کو باندھا تھا۔ اُسی درخت کے نیچے قیام کرتے جس درخت کے نیچے حضور ﷺ نے کبھی قیام فرمایا تھا۔ اس طرح آپ گویا سنن عادیہ کو بھی سنن شرعیہ سمجھ کر اُن کی پیروی کرتے تھے۔ اور وہ اس خصوصیت میں دوسرے صحابہ سے ممتاز تھے۔

فتنوں کے دور میں وہ الگ تھلگ رہے اور جنگ جمل یا جنگ صفین وغیرہ میں شرکت نہیں کی۔ البتہ بعد میں اُن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے کا افسوس رہا۔

آپ کے بہت سے فضائل ہیں۔ محدثین کے نزدیک جو سند ''سلسلة الذهب'' (سنہری سلسلہ) کہلاتی ہے وہ مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ گویا اس سند کی حدیث نہایت ثقہ اور معتبر ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے بنوامیہ کے ظالم حکمران حجاج بن یوسف کو اُس کی غلطی پر سرِ عام ٹوکا تھا جس پر ناراض ہو کر اُس نے آپ کو دھوکے سے قتل کرا دیا تھا۔ آپ زخمی ہوئے تھے اور چند دن بعد 73ھ یا 74 میں فوت ہوئے تھے۔ آپ اُن مکثرین صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ دوسرے نمبر پر ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد 2630 ہے۔ صرف صحیحین میں آپ سے مروی 282 حدیثیں ہیں۔

18۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

یہ مشہور قریشی صحابی ہیں اور ان کے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد کے اسلام لانے سے پہلے اسلام قبول کیا۔ یہ بہت عبادت گزار اور عالم دین تھے۔ ان کے پاس تمام صحابہ کرام سے زیادہ ذخیرۂ احادیث جمع تھا کیونکہ حضور ﷺ کی اجازت سے یہ حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں، اعتراف کیا کرتے تھے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس اُن سے زیادہ حدیثیں ہیں کیونکہ وہ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ان سے سات سو (700) احادیث مروی ہیں جن میں سے صحیحین میں پینتالیس (45) موجود ہیں اور سنن اربعہ میں سینکڑوں احادیث ہیں جو ان سے مروی ہیں۔

آپ کی وفات کے سال اور مقام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ''تقریب'' میں ہے کہ آپ ذوالحجہ 63ھ میں طائف میں فوت ہوئے۔

19۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

آپ ابتدائی دور میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ آپ کی والدہ صحابیات مہاجرات میں سے تھیں۔ اُن کی کنیت اُمِ عبد تھی اور اسی نسبت سے آپ کی کنیت ابن اُمِ عبد ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قریش کے مجمع میں خانہ کعبہ کے پاس قرآن مجید پڑھا۔ وہاں جب آپ سورہ الرحمٰن پڑھ رہے تھے تو ایک شخص نے آپ کے گالوں پر اتنے تھپڑ مارے کہ وہ سرخ ہوگئے اور اُن پر نشانات پڑ گئے۔ مگر آپ مسلسل پڑھتے رہے اور پوری سورت پڑھ ڈالی۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینے کی طرف ہجرت کی۔ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ صحیحین میں ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آپ کا اتنا آنا جانا تھا کہ ناواقف لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔'' آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بلا روک ٹوک آنے کی اجازت تھی۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے۔ اُن کی جوتیاں اُٹھاتے، مسواک اور عصا سنبھال کر اپنے پاس رکھتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے تو ان کے لیے پردے کا انتظام کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اُن کو 'صاحب السواک والنعلین' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

آپ کے فضائل میں بہت سی احادیث موجود ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِسْتَقْرِءُوا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَسَالِمٍ مَوْلٰى اَبِىْ حُذَيْفَةَ، وَاُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ."

''چار آدمیوں سے قرآن سیکھو، عبداللہ بن مسعود، سالم (حضرت حذیفہ کے آزاد کردہ غلام)، اُبی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔''

صحیح بخاری، رقم: 3758 صحیح مسلم، رقم: 6334

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ والوں کی فرمائش پر آپ کو وہاں روانہ کیا تو اُن لوگوں کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ میں ایثار کرکے ان کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں کیونکہ مجھے خود ان کی ضرورت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفے کے گھر گھر میں دین کی تعلیم کا چرچا کیا۔ بعد میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفے کو اپنا دار الخلافہ بنایا تو وہاں پہنچنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دعوت و تبلیغ کی کوششوں

کو سراہا۔

آپ غزوۂ بدر میں ابوجہل کے قتل میں شریک تھے، اور اُس کی تلوار آپ ہی کو مالِ غنیمت کے طور پر ملی تھی۔ آپ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل میں بھی آپ شریک تھے۔ آخری عمر میں کوفہ سے واپس مدینے آگئے تھے اور وہیں 32ھ یا 33ھ میں وفات پائی۔

آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد 848 ہے جن میں سے 120 حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں۔

20۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ منتخب ہوئے۔

1۔ ابتدائی حالات:

آپ کا نام عثمان اور والد کا نام عفان تھا۔ آپ کو 'ذوالنورین' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔

آپ کا تعلق قریش کی مشہور شاخ بنو امیہ سے تھا۔ پانچویں پشت پر آپ کا سلسلۂ نسب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔

آپ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ امانت و دیانت اور راست بازی کی وجہ سے آپ نے تجارت میں اتنی ترقی کرلی کہ آپ کا شمار قریش کے بڑے دولت مندوں میں ہوتا تھا۔ اسی لیے آپ کو غنی کہا جاتا تھا۔

آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا سے مکے میں ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا خاندان اس وقت اسلام کا سخت دشمن تھا۔ آپ کو اسلام لانے کے بعد اپنے قبیلے اور قریش کی طرف سے بہت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مظلوم صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ تاریخ اسلام میں یہ واحد میاں بیوی کا جوڑا تھا جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

آپ کی دوسری ہجرت وہ ہے جو آپ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ اللہ کی راہ میں بہت مال خرچ کرتے تھے۔ آپ کی دولت نے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔

مدینے میں بئر رومہ کا میٹھے پانی کا کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ وہ مسلمانوں کو مہنگے داموں پانی فروخت کرتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہودی سے وہ کنواں بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

غزوۂ تبوک میں آپ نے دس ہزار دینار نقد کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور ستر 70 گھوڑے ساز و سامان سمیت لشکر کی تیاری کے لیے دیے تھے۔ اس لیے آپ کو مجہز جیش العسرۃ کہا جاتا ہے۔

آپ نے سوائے غزوۂ بدر کے تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد میں شرکت فرمائی۔ غزوۂ بدر کے موقع پر چونکہ آپ کی زوجہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں (اور بعد میں اسی بیماری سے فوت ہو گئی تھیں) اس لیے آپ جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

غزوۂ احد میں بھی آپ نے شرکت فرمائی تھی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر پہلے آپ کو مکے میں حضور ﷺ نے اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ قریش نے وہاں آپ کو روک لیا۔ افواہ پھیل گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے آپ کا قصاص لینے کے لیے سب صحابہ کرام سے جہاد پر بیعت لی۔ چودہ سو صحابہ نے اس موقع پر نبی ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی جو تاریخ اسلام میں 'بیعت رضوان' کہلاتی ہے کیونکہ اس میں شامل ہونے والے تمام صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی کہ وہ ان سے راضی ہو گیا ہے۔ بیعت کے موقع پر نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بڑے شرف اور اعزاز کی بات تھی۔

قرآن مجید میں اس بیعت کا ذکر اس طرح آیا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح: 48)

"(اے نبی ﷺ)! اللہ ایمان لانے والوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اللہ نے اُن کے دلوں (کا خلوص) دیکھ کر ان پر سکینت اور تسلی اتاری اور انہیں انعام میں قریبی فتح عطا فرمائی۔"

2۔آپ کا دورِ خلافت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت گیارہ برس کا ہے۔آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ چنے گئے۔

آپ کے زمانے میں بہت سی فتوحات ہوئیں جن میں ایشیائے کوچک' خراسان' طرابلس' طبرستان' کرمان اور سجستان کے علاقے شامل ہیں۔

آپ کے زمانۂ خلافت کے آخری چند برسوں میں آپ کے خلاف بڑی شورشیں ہوئیں۔مخالفین نے جھوٹا پروپیگنڈا کر کے لوگوں کی ایک تعداد کو آپ کے خلاف کر دیا۔آپ پر چند جھوٹے الزامات عائد کیے گئے اور یہ سازش عبداللہ بن سبا نے (جو اصل میں یہودی تھا) اس طرح پھیلائی کہ بلوائیوں نے مدینے کا محاصرہ کر کے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو 35ھ میں شہید کر دیا۔اس وقت آپ کی عمر 82 برس تھی۔دو دن تک آپ کی لاش بے گور وکفن پڑی رہی۔باغیوں کے خوف سے کسی کو ان کی تجہیز وتکفین کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مدینے میں قیامت برپا تھی اور وہاں عملی طور پر باغیوں کی حکومت تھی۔چند باہمت لوگوں نے رات کے وقت آپ کی لاش اٹھائی اور جا کر جنت البقیع میں دفن کی۔امیر المومنین کے جنازے میں کل سترہ 17 افراد شامل ہوئے تھے۔

3۔آپ کی شہادت کے اثرات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخ اسلام کا انتہائی غم انگیز واقعہ ہے۔اس واقعے کے بعد امت مسلمہ کی وحدت اور شیرازہ بندی کا خاتمہ ہو گیا۔آپ نے شہادت سے قبل باغیوں سے کہہ دیا تھا کہ یاد رکھو! اگر آج تم مجھے قتل کرو گے تو قیامت تک ایک ساتھ نہ نماز پڑھ سکو گے اور نہ مل کر جہاد کر سکو گے۔آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔اس المیے کے بعد ملی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں' فتوحات کا سلسلہ رُک گیا۔اسلامی قوت کمزور ہو گئی۔

4۔آپ کے فضائل:

آپ نرم مزاج اور نہایت باحیا انسان تھے۔غنی اور سخی تھے۔پرہیزگار اور عالم تھے۔بہت صلہ رحمی کرتے تھے۔عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔آپ نے امت کو قرآن کی قریش والی قراءت پر جمع کیا۔نمازِ جمعہ کے لیے دوسری اذان بھی شروع کی۔

آپ نے مسجد نبوی کی توسیع فرمائی۔ قحط کے زمانے میں لوگوں میں مفت غلہ تقسیم کیا۔ آپ پہلے دونوں خلفا کے مشیر بھی رہے۔ آپ کاتب وحی بھی تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ:

((تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ ، فَسَمّٰى عَلِيًّا وَ عُثْمَانَ......))

[صحيح بخاری ، كتاب فضائل الصحابه ، حديث: 3700]

"رسول اللہ ﷺ اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ وہ ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ......) سے راضی تھے۔"

صحاح ستہ میں آپ کی بہت سی مرویات شامل ہیں۔ صحیحین میں آپ سے مروی احادیث کی تعداد 16 ہے۔

21۔ عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ:

یہ صحابی ہیں اور اصحابِ صفہ میں سے ہیں۔ ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لائے تھے۔ یہ بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو غزوۂ تبوک کے موقع پر سواری نہ ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے تھے جس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ (التوبه : 92)

"اور نہ اُن لوگوں پر الزام ہے جو آپ ﷺ کے پاس آئے کہ اُن کے لیے آپ ﷺ سواری کا انتظام کر دیں۔ آپ ﷺ نے کہا "میرے پاس تمہارے لیے کوئی سواری موجود نہیں" تو وہ اس حال میں واپس چلے گئے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ اُنہیں میسر نہیں جو وہ خرچ کر سکیں۔"

یہ 75ھ میں یا اس سے کچھ پہلے فوت ہوئے تھے۔ سنن اربعہ میں ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔

22۔ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ):

آپ کا نام علی اور کنیت ابوالحسن تھی۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ والدین کی طرف سے آپ ہاشمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

ابھی دس سال کی عمر تھی کہ اسلام قبول کر لیا۔ آپ نبی کریم ﷺ کی تربیت اور کفالت میں رہے۔

جب نبی ﷺ نے مکے سے مدینے ہجرت فرمائی تو اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بستر پر سونے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینے کی طرف سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ اس موقع پر نبی ﷺ کے بستر پر سونا اپنی موت کو دعوت دینا تھا لیکن شیر خدا نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی۔ تین دن تک مکے میں رہ کر امانتیں امانت داروں کو پہنچائیں اور پھر اکیلے مدینے کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بدر کی جنگ میں قریش کا مشہور سردار آپ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ غزوۂ احد میں بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور غزوۂ خندق کے موقع پر عرب کے مشہور مشرک پہلوان عمرو بن عبدود کو قتل کیا۔ آپ نے خیبر کے موقع پر قلعہ قموص کا بھاری دروازہ اکھاڑ پھینکا اور وہاں کے یہودی سردار مرحب کا خاتمہ کر کے قلعہ فتح کیا۔ اس بنا پر آپ کو خیبر شکن بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بیعت رضوان میں بھی شامل تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی۔ فتح مکہ میں اور غزوۂ حنین میں بھی شرکت کی۔

لیکن آخری غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ اس موقع پر نبی ﷺ نے آپ کو مدینے میں اپنا قائم مقام اور نائب مقرر کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس غزوے میں شرکت نہ کر سکنے پر غمگین ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے" [صحیح مسلم، کتاب الفضائل حدیث : 6217]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مدینے میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ تنگ دست تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے الگ گھر کا بندوبست کیا۔ مہر کے لیے بھی مال نہ تھا۔ صرف ایک زرہ تھی اور ایک گھوڑا تھا۔ زرہ 480 درہم میں بیچی گئی۔ اسی سے مہر بھی ادا کیا گیا اور نبی ﷺ نے گھر کی ضروریات کے لیے اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک چادر، ایک مشکیزہ، ایک چکی، دو گھڑے اور چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی عنایت کیا۔ خود حضور ﷺ نے نکاح پڑھا اور خیر و برکت کی دعا دے کر اپنی بیٹی کو رخصت کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بہت پسند تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا:

((لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ رَجُلٌ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ يُفْتَحُ عَلَيْهِ، فَنَحْنُ نَرْجُوْهَا۔ فَقِيْلَ: هٰذَا عَلِيٌّ، فَأَعْطَاهُ فُتِحَ عَلَيْهِ))

[صحيح بخاري، كتاب المغازي، حديث: 4209]

''کل میں ایسے شخص کو جھنڈا عطا کروں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ (دونوں) محبت کرتے ہیں (راوی کہتا ہے) ہمیں اس (کے ملنے) کی توقع تھی۔ پھر کہا گیا کہ یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر نبی ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا کیا اور انہی کے ہاتھوں میں فتح حاصل ہوگئی۔''

صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی تفصیلی حدیث موجود ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا:

''کل میں ایسے شخص کو جھنڈا عطا کروں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا۔ وہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوگا، اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

راوی کہتے ہیں کہ ''وہ رات لوگوں نے بڑی بے چینی سے گزاری کہ دیکھیں کل صبح کس کو جھنڈا عطا ہوتا ہے۔ پھر صبح ہوئی تو لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے۔ ہر ایک کو امید تھی کہ یہ جھنڈا اسے ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے میرے پاس بھیجو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں میں لگا کر ان کے لیے دعا فرمائی تو ان کی آنکھیں تندرست ہوگئیں گویا کہ ان کو ان میں کبھی کوئی تکلیف نہ تھی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! کیا میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ اسلام قبول نہ کرلیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی کچھ دیر ان کے میدان میں جا کر اترو۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کیا حق ہے؟ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے ذریعے سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دی تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

آپ ساری عمر نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہر خوشی اور غمی میں شریک رہے۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد تینوں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ اُن کے مشیر رہے اور ان تینوں سے آپ کی رشتہ داری بھی تھی۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کرلیا۔ آپ کا زمانۂ خلافت 35ھ سے 40ھ تک کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں فجر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ابن ملجم خارجی نے آپ پر زہر آلود خنجر سے حملہ کیا اور کئی وار کیے جس سے آپ شدید زخمی ہوگئے۔ تیسرے دن 20 رمضان المبارک 40ھ کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو کوفہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی خلافت کی مدت 4 سال 9 ماہ تھی۔

3۔ آپ کے فضائل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلیٰ اوصاف کمالات کا مرقع تھے۔ آپ کی پرورش اور تربیت خود نبی ﷺ نے فرمائی تھی۔ آپ صاحب علم وفضل مجتہد صحابی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ بہت بہادر اور شجاع تھے۔ سادگی پسند تھے۔ امانت اور دیانت والے تھے۔ عمدہ خطیب اور شاعر تھے۔ بہترین قاضی تھے۔ نرم مزاج اور رحم دل تھے۔ درویش طبع لیکن فیاض تھے اور عابد وزاہد تھے۔ صلح نامہ حدیبیہ آپ نے تحریر کیا تھا۔ یمن کے والی بھی رہے۔ نبی ﷺ کی رحلت پر آپ نے غسل اور تجہیز کا انتظام کیا تھا۔

امیر المومنین بننے کے بعد بہت سی اصلاحات کیں۔ ذمیوں سے اچھا سلوک کیا۔ عدل وانصاف قائم کیا اور دین کی اشاعت کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کے حوالے سے چند احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

1۔ ((لَا يُحِبُّ عَلِيًّا مُنَافِقٌ، وَلَا يُبْغِضُهُ مُؤْمِنٌ))

[ترمذی، ابواب المناقب، حدیث ترجمة الباب]

''علی رضی اللہ عنہ سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن نفرت نہیں رکھتا۔''

2۔ ((اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ))

[ترمذی، ابواب المناقب، حدیث: 3720]

''(نبی ﷺ نے فرمایا:) تم (علی رضی اللہ عنہ) دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔''

3۔ ((اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی، اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ))

[صحیح مسلم، کتاب فضائل صحابہ، حدیث 6217]

''(نبی ﷺ نے فرمایا): (اے علی رضی اللہ عنہ) تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی لیکن بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

4۔ ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو پیار سے فرمایا:

((قُمْ اَبَا التُّرَابِ! قُمْ اَبَا التُّرَابِ))

''اے ابوتراب رضی اللہ عنہ اٹھیے۔ اے ابوتراب رضی اللہ عنہ اٹھیے''

اس طرح نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب رضی اللہ عنہ (مٹی کا باپ) کا لقب دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کل 586 حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیحین میں 34 حدیثیں آپ کی مرویات ہیں۔

23- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ مثلاً ایران، مصر اور شام و فلسطین کے علاقے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ بھی عطا فرمایا۔

1۔ ابتدائی حالات و واقعات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام عمر تھا، لقب فاروق اور کنیت ابو حفص تھی۔ والد کا نام خطاب بن نفیل تھا۔ آپ قریش کی ایک شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آٹھویں پشت پر آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان دورِ جاہلیت میں سفارت اور مقدمات کے فیصلے میں ثالثی کا عہدہ رکھتا تھا۔ آپ حضرت محمد ﷺ سے تیرہ (13) برس چھوٹے تھے اور مکے میں پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے۔ جوان ہوئے تو لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ آپ علم

الانساب، شہسواری اور سپاہ گری جانتے تھے۔ خطابت اور پہلوانی بھی کرتے تھے۔ عکاظ کے میلے میں پہلوانوں کے مقابلے میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیشہ تجارت تھا۔ آپ نے عراق، مصر اور شام کے تجارتی سفر کیے تھے۔ آپ بڑے رعب اور دبدبے والے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو دوسرے کفار کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کے مخالف تھے۔ جذباتی اور سخت گیر ہونے کی وجہ سے اپنے مسلمان غلام کو مارتے پیٹتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ:

اے اللہ! ابوجہل یا عمر میں سے کسی ایک کو اسلام لانے کی توفیق دے۔ آخر یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کام آ گئی اور وہ اسلام لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت عجیب ہے۔ ہوا یوں کہ جب آپ نے دین اسلام کی دعوت کو پھیلتا دیکھا تو ایک دن یہ ارادہ کرلیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے تاکہ اس دعوت کا بالکل خاتمہ ہو جائے۔ اسی ارادے سے وہ گھر سے تلوار لے کر نکلے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دارِ ارقم رضی اللہ عنہ میں تشریف فرما تھے اور ان کے ساتھ کئی اور صحابہ بھی وہاں موجود تھے۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ملے جنہوں نے پوچھا: عمر کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا: آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے جا رہا ہوں تاکہ اس نئے دین کا خاتمہ ہو جائے۔ نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور تمہارا بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ عنہ دونوں میاں بیوی کو قرآن پڑھا رہے تھے اور دروازہ بند کر رکھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھلوایا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ جلدی سے اندر چھپ گئے۔ پوچھا تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ کیوں نیا دین اختیار کیا ہے؟ بہنوئی سے تلخ کلامی ہوئی تو ان کو زخمی کر دیا۔ بہن چھڑانے آئی تو اس کو بھی پیٹا مگر اس نے جواب دیا: عمر! جو چاہے کرلو۔

بہن کی استقامت اثر کر گئی۔ بولے: جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ کہا گیا پہلے غسل کرو پھر صحیفے کو ہاتھ میں لو اور پڑھو۔ جب قرآن پڑھا تو دل کی دنیا بدل گئی۔ کہنے لگے مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے جو اس وقت دارِ ارقم رضی اللہ عنہ میں موجود تھے۔

دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرام کچھ گھبرائے کیونکہ حضرت عمر تلوار بکف تھے۔ لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا اسے آنے دو۔ اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو ٹھیک' ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اتار دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر بارعب انداز میں پوچھا: عمر' کس ارادے سے آئے ہو' عرض کیا اسلام لانے کے لیے۔ نبی ﷺ نے اللہ اکبر پکارا تو سب مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور مکے کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی طاقت اور اسلام کی دعوت کو بڑی تقویت ملی۔ اگرچہ ان سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے بہادر شخص مسلمان ہوں چکے تھے۔ لیکن ابھی تک مسلمانوں کو ہمت نہ تھی کہ خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھ سکیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو اب مسلمان کعبے میں بھی جا کر نماز پڑھنے لگ گئے۔ اسی حوالے سے ان کو فاروق کہا جاتا ہے۔

ہجرت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ بدر' غزوۂ احد' صلح حدیبیہ' فتح خیبر اور فتح مکہ اور حنین کے معرکوں میں شامل رہے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں آپ ان کے مشیروں میں شامل تھے اور کچھ عرصہ مدینے کے قاضی بھی رہے۔

2۔ آپ کی خلافت کے واقعات:

13ھ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آن پہنچا تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا۔ لوگوں سے رائے لی تو سب نے آپ کے فیصلے کو منظور کیا اور آپ کی بیعت کی گئی۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ بنے۔

خلیفہ بنتے ہی آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔

آپ کے زمانے میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ ایران' مصر' شام اور فلسطین کے علاقے فتح کیے گئے۔ آپ نے خلافت کا بہترین انتظام فرمایا۔ بیت المال قائم کیا۔ باقاعدہ فوج قائم کی۔ عدالتی نظام ترتیب دیا۔ زرعی اصلاحات کیں۔ ذمیوں سے اچھا سلوک کیا۔ رفاہِ عامہ کے کام کیے۔ قرآن' حدیث اور فقہ کی تعلیم کا بندوبست کیا۔

3۔ شہادت:

23ھ میں ایک پارسی غلام ابولؤلؤ فیروز نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت قاتلانہ حملہ کر دیا جب آپ فجر

کی نماز کی امامت فرما رہے تھے۔ اس غلام نے ایک زہر آلود خنجر سے آپ کو چھ زخم لگائے۔ آپ نے زخمی حالت میں نماز مکمل کی اور پھر اس حادثے کے تین روز بعد شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ (63) برس تھی۔ آپ کو روضۂ نبی ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ آخری وقت جانشینی کے لیے آپ نے چھ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی نامزد کی اور لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں۔ لوگوں نے کثرتِ رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نیا خلیفہ منتخب کر لیا۔

4۔ سیرت و کردار:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک تھے۔ بڑے بہادر اور بارعب تھے۔ وہ ایک مثالی حکمران تھے۔ بہترین منتظم تھے۔ وہ اللہ سے ڈرنے والے پرہیزگار انسان تھے۔ نبی ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ سادگی پسند تھے۔ رعایا کی خبر گیری کرتے تھے۔ حق کے لیے وہ ننگی تلوار تھے۔ حدود اللہ کو سختی سے سب پر نافذ کرتے تھے۔

ترمذی میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کل 539 حدیثیں مروی ہیں جن میں سے 34 حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں۔

24۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما:

آپ مشہور صحابی اور امیر المؤمنین ہیں۔ بعثت نبوی سے چند برس پہلے پیدا ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ کچھ عرصہ نبی ﷺ کے خطوط لکھنے والے اور کاتبِ وحی رہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں جہاد میں حصہ لیتے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کے علاقے کا گورنر بنا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی آپ شام کے گورنر تھے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حکم جاری کیا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ماننے سے انکار کر دیا اور خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فوج کشی کی۔ دونوں کے درمیان جنگِ صفین کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ اس کشمکش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوئی جسے عام طور پر 'اجتہادی خطا' سمجھا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا توانہوں نے مسلمانوں کی باہم لڑائی سے بچنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی جس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے۔ آپ نے 60 سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد 120 ہے جن میں سے صحیحین میں 13 حدیثیں موجود ہیں۔

25۔ مقدام بن مَعدِی کَرِب الکندی رضی اللہ عنہ:

حضرت مقدام بن معدی کرب الکندی طویل عمر پانے والے صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت اپنے بیٹے کی نسبت سے ابویحییٰ تھی۔ آخری عمر میں ملکِ شام کے شہر حمص میں سکونت اختیار کی تھی جہاں اموی حکمران عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں وفات پائی۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے 'الطبقات الکبریٰ' میں آپ کی عمر 91 برس اور سال وفات 87ھ لکھا ہے لیکن امام مِزّی نے 'تہذیب الکمال' میں اور ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ان کی وفات کے تین مختلف سال لکھے ہیں کہ آپ کا سالِ وفات 83ھ یا 86ھ یا 87ھ تھا۔

صحیح مسلم کے سوا باقی تمام کتب صحاح میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں جن کو آپ نے براہِ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، یا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے، یا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ذریعے روایت کیا ہے۔

اِشاریہ احادیث مشکوٰۃ الحدیث

(حروف تہجی کے لحاظ سے)

(ا)

اٰيَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ

اَتٰى اَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: دُلَّنِيْ

اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ

اَحَبُّ الْعَمَلِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ

اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهٗ

اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ

اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ

اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ

اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا

اِطَّلَعَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا

اَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ

اِقْرَاءْ عَلَيَّ . قُلْتُ: اَقْرَءُ عَلَيْكَ

اَلَا اُحَدِّ ثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ

اَلَا اِنِّيْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ

اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ

اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى

اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ

اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ، عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ

اِنَّ اَدْنٰى مَقْعَدِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ

اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ كِتَابًا

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا

اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ

اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ

اِنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَاْذَنَ

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ
اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا
اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا
اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ
اِنَّمَا مَثَلِىْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِىَ اللّٰهُ
اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ
اِنِّىْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ
اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ
اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَءَ فِىْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ

(ب)

بَايِعُوْنِىْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ
بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا
بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً
بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ
بَلِّغُوْا عَنِّىْ وَلَوْ اٰيَةً
بُنِىَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ
بَيْنَ نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ
بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ

(ت)

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ ، فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ

(ث)

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ

(ج)

جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِىِّ ﷺ

(ح)

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ
حَوْضِىْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ

(خ)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ

(ذ)

ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ
ذَرُوْنِىْ مَا تَرَكْتُكُمْ

(ش)

شَكَوْنَا اِلَى النَّبِىِّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ

(ص)

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ

(ف)

فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ

(ق)

قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَىُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ ؟

قَدِمَ نَبِىُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُوَبِّرُوْنَ النَّخْلَ

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ

(ک)

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُذَكِّرُ النَّاسَ

كُلُّ اُمَّتِىْ مُعَافًا اِلَّا الْمُجَاهِرُوْنَ

كُلُّ اُمَّتِى يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا

(ل)

لَا تُطْرُوْنِىْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى

لَا حَسَدَ اِلَّا فِى اثْنَتَيْنِ

لَا طَاعَةَ فِىْ مَعْصِيَةٍ

لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ

لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ

لَا يَزْنِى الزَّانِىْ حِيْنَ يَزْنِىْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ

لَنْ يُّنْجِىَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ عَمَلُهٗ

لَوْ لَا الْهِجْرَةُ

(م)

مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ نَّبِيٍّ

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ

مَثَلُ مَابَعَثَنِىَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى

مَثَلِىْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا

مَثَلِىْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ

مَنْ اَحْدَثَ فِىْ اَمْرِنَا هٰذَا

مَنْ دَعَا اِلَى الْهُدٰى

مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا

مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ

مَنْ يَّاْتِيْنِىْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا

مَوْضِعُ سَوْطٍ فِى الْجَنَّةِ

(ن)

نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِيْنَ جُزْءًا

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

نَعَمْ ، عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ

(و)

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ ، لَا یَسْمَعُ بِیْ

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَنْزِلَ

(ی)

یُحْشَرُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حُفَاۃً

یُؤْتٰی بِاَنْعَمِ اَھْلِ الدُّنْیَا

یَتَقَارَبُ الزَّمَانُ

یَدُ اللّٰہِ مَلْاٰی

یَقْبِضُ اللّٰہُ الْاَرْضَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّھْرَ

فرہنگِ الفاظ

جن اسموں کے شروع میں اَلُ (لامِ تعریف) آیا ہو اُن کو اُن کے بعد والے حروفِ تہجی میں تلاش کریں جیسے اَلرَّاکِبُ کو (ر) میں۔

(الف)

اُتَاہُ (ء ت ی) اُس نے اُسے دیا
اَثَامِ (ء ث م) گناہ (اِثْمٌ واحد)
اٰخِذٌ (ء خ ذ) پکڑنے والا
اٰخَرُ (ء خ ر) دوسرا
اٰخَرِیْنَ (ء خ ر) دوسرے لوگ
اٰخِرُوْنَ (ء خ ر) آخری لوگ
اٰنِیَۃٌ (ء ن ی) برتن (اِنَاءٌ واحد)
اُبَشِّرُ (ب ش ر) میں بشارت/ خوشخبری دیتا ہوں
اِبِلٌ (ء ب ل) اونٹ
اَبْیَضُ (ب ی ض) سفید
اَتَاکُمْ (ء ت ی) وہ تمہارے پاس آیا
اِتَّبَعَ (ت ب ع) اُس نے پیروی کی
اَتَخَوَّلُکُمْ (خ و ل) میں تمہیں وقفے سے دیتا ہوں/ ناغہ دیتا ہوں
اُتْرُجَّۃِ (ت ر ج) نارنگی۔ چکوترا۔ گرے فروٹ
اَتَزَوَّجُ (ز و ج) میں نکاح کرتا ہوں
اَتْقَاکُمْ (و ق ی) تم میں سے سب سے زیادہ متقی/ پرہیزگار
اَتَیْتُ (ء ت ی) میں آیا
اَجَادِبُ (ج د ب) سخت بنجر اور چٹیل زمین (جَدْبَۃٌ واحد)
اِجْتَاحَھُمْ (ج و ح) اُس نے اُن کو تباہ و برباد کر دیا
اِجْتَمَعَا (ج م ع) وہ دونوں ہوئے
اِجْتَنِبُوْا (ج ن ب) تم اجتناب کرو/ بچو
اُجُوْرٌ (ء ج ر) اجر۔ ثواب (اَجْرٌ واحد)
اَحَبُّ (ح ب ب) زیادہ پیارا/ محبوب
اَحَبَّ (ح ب ب) اُس نے محبت کی/ پسند کیا
اَحْدَثَ (ح د ث) اُس نے پیدا کیا
اُحَدِّثُکُمْ (ح د ث) میں تمہیں بات بتاؤں
اَحْزَابُ گروہ (حِزْبٌ واحد)
اَحْسَنَ (ح س ن) اُس نے اچھا بنالیا
اُحْسِنَ (ح س ن) وہ اچھا بنایا گیا
اَحْصَاھَا (ح ص ی) اُس نے اُسے شمار/ یاد کیا
اُحِلُّ (ح ل ل) میں نازل کرتا/ اُتارتا ہوں
اُحِلَّتْ (ح ل ل) وہ حلال کی گئی

اَحِلُّوْهُ (ح ل ل) تم اُسے حلال سمجھو

اَحْمَدُهٗ (ح م د) میں اُس کی حمد وثنا کروں گا

اَحْيِنِىْ (ح ی ی) تو مجھے زندہ رکھ

اَخَافُ (خ و ف) میں ڈرتا ہوں

اُخْبِرَ (خ ب ر) اُسے خبر دی گئی

اُخْبِرُوْا (خ ب ر) اُن کو خبر دی گئی

اَخْبِرْنِىْ (خ ب ر) تو مجھے خبر دے/ بتا

اَخِرُّ (خ ر ر) میں جھکوں گا/ گر جاؤں گا

اَخْرِجْ (خ ر ج) تو نکال

اُخْرِجَنَّ (خ ر ج) میں ضرور نکالوں گا

اَخْرِجُوْهُ (خ ر ج) تم نکالو اُسے

اُخْرٰى (ء خ ر) دوسری

اَخْفَاهَا (خ ف ی) اُس نے اُسے چھپایا

اِخْوَةٌ (ء خ و) بھائی (اَخٌ واحد)

اَخْفٰى (خ ف ی) زیادہ مخفی/ پوشیدہ

اَدَّاهَا (ء د ی) اُس نے (امانت) آگے پہنچادی۔ اُس نے اُسے آگے بیان کردیا

اَدْرَكَ (د ر ک) اُس نے پایا

اَدْلَجُوْا (د ل ج) وہ شروع رات میں چلے

اَدْنَاهَا (د ن ی) اُس کا سب سے کمتر درجہ

اَدْوَمُهَا (د و م) جس کو دائمی/ ہمیشہ کیا جائے

اَرْبَعِيْنَ (ر ب ع) چالیس (40)

اَرْجُوْا (ر ج و) میں اُمید رکھتا ہوں

اُرْسِلْتُ بِهٖ (ر س ل) جو (پیغام) مجھے دے کر بھیجا گیا

اِرْفَعْ (ر ف ع) تو اُوپر اُٹھا/ بلند کر

اَرْقُدُ (ر ق د) میں سوتا ہوں

اَرِيْكَتِهٖ (ء ر ک) اُس کا تکیہ/ مسند

اَزْرَعُ (ز ر ع) میں کاشت کاری کروں گا

اَزِيْدُ (ز ی د) میں زیادہ کروں گا

اِسْتَاْذَنَ (ء ذ ن) اُس نے اجازت مانگی

اَسْتَاْذِنُ (ء ذ ن) میں اجازت مانگوں گا

اِسْتِحْصَادُهٗ (ح ص د) اُس (فصل) کا کاٹنا

اِسْتَطَعْتَ (ط و ع) تو طاقت رکھے

اِسْتَطَعْتُمْ (ط و ع) تم طاقت رکھو

اِسْتَقْبَلَ (ق ب ل) وہ قبلہ رُو ہوا

اِسْتَقِمْ (ق و م) تو قائم/ سیدھا رہ

اُسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ (ک ر ہ) وہ اس پر مجبور کیے گئے

اِسْتِوَاءُهٗ (س و ی) اُس کا برابر/ پورا ہونا

اِسْتَوْقَدَ (و ق د) اُس نے (آگ) جلائی

اَسْخَطُ (س خ ط) میں غصہ کروں گا

اَسْمَعَهٗ (س م ع) میں اُس کو سنوں

اَسْنَدَ (س ن د) اُس نے ٹیک لگائی/ ساتھ ملایا

اَشْرَاطُ (ش ر ط) نشانیاں) (شَرْطٌ واحد)
اِشْفَعْ (ش ف ع) تو سفارش/ شفاعت کر
اَصَابَ (ص و ب) اُس نے کیا۔ اُسے پہنچا
اَصَابَهُ (ص و ب) وہ اُسے پہنچے
اَصْبَحُوْا (ص ب ح)
اَصْحَابُ زَرْعٍ کھیتی والے/ کاشت کار
اُصَلِّیْ (ص ل و) میں نماز پڑھتا ہوں
اِصْنَعْ (ص ن ع) تو بنا/ کر
اَصُوْمُ (ص و م) میں روزہ رکھتا ہوں
اَضَاءَتْ (ض و ء) اُس (مونث) نے روشن کیا
اِضَاءَةً (ض و ء) روشن کرنا
اَضَلُّوْا (ض ل ل) اُنھوں نے گمراہ کیا
اَطْرَتْ (ط ر و۔ ط ر ی) اُس نے حد سے بڑھایا/ مبالغہ کیا
اِطَّلَعَ (ط ل ع) وہ ظاہر ہوا/ آیا
اَطْیَبُ (ط ی ب) زیادہ پاکیزہ/ اچھی
اُطِیْقُ (ط و ق) میں طاقت رکھتا ہوں
اُظِلُّهُمْ (ظ ل ل) میں اُن کو سایہ دوں گا
اَعَاذَكِ (ع و ذ) وہ پناہ دے تجھ (عورت) کو
اَعْتَزِلُ (ع ز ل) میں الگ/ جدا رہوں گا
اُعْطِیْ (ع ط و) میں عطا کرتا ہوں
اُعْطِیْتُ (ع ط و) مجھے عطا کیا گیا

اَعْطَیْتَنَا (ع ط و) تو نے ہمیں عطا کیا
اَعُوْدُ (ع و د) میں دوبارہ واپس آؤں گا
اَعْوَرَ (ع و ر) کانا
اِغْدُوْا (غ د و) تم سویرے نکلو
اَغْنٰی (غ ن ی) زیادہ غنی/ بے نیاز
اَغْنَیْتُكَ (غ ن ی) میں نے تجھے غنی کیا
اَفْطِرْ (ف ط ر) تو روزہ کھول/ چھوڑ
اُفْطِرُ (ف ط ر) میں روزہ کھولتا/ چھوڑتا ہوں
اَفْقَهُ (ف ق ہ) زیادہ سمجھ دار
اُقَاتِلُ (ق ت ل) میں لڑتا ہوں/ لڑوں
اِقَامَ (ق و م) قائم کرنا
اَقْبَلَ (ق ب ل) وہ آگے بڑھا
اِقْرَءْ عَلَیَّ (ق ر ء) تو پڑھ کر سنا مجھ کو
اِقْرَءُوْا (ق ر ء) تم پڑھ لو
اُقَلِّبُ (ق ل ب) میں پھیرتا ہوں
اَكْرَهُ (ک ر ہ) میں ناپسند کرتا ہوں
اَكْلُ (ء ک ل) کھانا
اَكُنْ (ک و ن) میں ہوں
اَكُوْنَ (ک و ن) میں ہو جاؤں
اَلْاٰنَ اب۔ اسی وقت
اِلْتَفَتُّ (ل ف ت) میں نے التفات کیا/ توجہ کی
اُلْفِیَنَّكُمْ (ل ف ی) میں ضرور پاؤں تمہیں

اَلُوَّۃُ خوشبودار عود

اَمَا ارے

اَمَّا بَعْدُ اس کے بعد

اَمَارَاتِھَا (ء م ر) اُس کی نشانیاں

اِمَاطَۃُ (م ی ط) ہٹانا

اَمَۃُ لونڈی۔ کنیز

اُمْتُحِشُوْا وہ جل چکے ہوں گے

اَمْسَکْتُ (م س ک) اُس نے روکا

اَمْشَاطٌ (م ش ط) کنگھیاں (مُشْطٌ واحد)

اُمِلَّکُمْ (م ل ل) میں تمہیں بور کروں/ اکتاہٹ میں مبتلا کروں

اَنْبَتَتْ (ن ب ت) اُس (مونث) نے اُگایا

اِنْتِزَاعًا (ن ز ع) چھین لینا

اَنْصِتْ (ن ص ت) تو خاموش رہ

اِنْطَلَقَ (ط ل ق) وہ چلا گیا

اَنْطَلِقُ (ط ل ق) میں چلوں گا

اِنْطَلِقْ (ط ل ق) تو چل

اِنْطَلَقُوْا (ط ل ق) وہ چل پڑے

اَنْعَمُ (ن ع م) زیادہ نعمتوں والا

اَنْفَقَ (ن ف ق) اُس نے خرچ کیا

اَنْقَذَہٗ (ن ق ذ) اُس نے اُسے پھینک دیا

اَنْقُصُ (ن ق ص) میں کم کروں گا

اِنْقَطَعَ (ق ط ع) وہ منقطع/ختم ہو گیا

اُوْتِیْتُ (ء ت ی) مجھے دیا گیا

اُوْتِیْنَا (ء ت ی) ہم کو دیا گیا

اَوْعٰی (و ع ی) زیادہ محفوظ/ یاد رکھنے والا

اَوْصِنَا (و ص ی) تو ہمیں وصیت/ تاکید کر

اُوْصِیْکُمْ (و ص ی) میں تمہیں تاکید کرتا ہوں

اَوْلٰی (ء و ل) زیادہ قریبی

اُوْلٰی (ء و ل) پہلی۔ دنیا

اَھْلُ الْبَادِیَۃِ (ب د و) دیہاتی/ صحرائی لوگ

اَھْلَکَھُمْ (ھ ل ک) اُس نے ان کو ہلاک کر دیا

اَھْلِیٌّ (ء ھ ل) پالتو

اَھْوَنُ (ہ و ن) زیادہ آسان/ ہلکا

اُءْتُمِنَ (ء م ن) اُسے امانت دی گئی

اِئْذَنْ لِّیْ (ء ذ ن) اجازت دے مجھے

اَئِمَّۃِ (ء م م) امام۔ حکمران (اِمَامٌ واحد)

اَیٌّ کون

اِیَّاکُمْ تم بچ جاؤ/ صرف تم

اِیْتَاءِ (ء ت ی) دینا

(ب)

بَاتَ (ب ی ت) اُس نے رات گزاری

بَادَرَ (ب د ر) وہ آگے بڑھا۔ اُس نے جلدی کی

اَلْبَارِحَۃُ گذشتہ کل

بِاَعْلَمَ (ع ل م) زیادہ علم والا
بَاعًا (ب وع) بازو
بَایَعْتُ (ب ی ع) میں نے بیعت کی
بَایَعْنَا (ب ی ع) ہم نے بیعت کی
بَایِعُوْنِیْ (ب ی ع) تم میری بیعت کرو
بَدَتْ (ب د ء) وہ ظاہر ہوئی
اَلْبَدْرُ چودھویں کا چاند
بَدَءَ (ب د ء) وہ شروع ہوا
بَذَرَ اُس نے بیج ڈالا
بُرْدَۃً (ب ر د) چادر
اَلْبَرَرَۃُ (ب ر ر) فرماں بردار (بَرٌّ واحد)
بَرِیْءٌ (ب ر ء) بے زار۔ بری الذمہ
بِضْعٌ کچھ۔ چند
بُعِثْتُ (ب ع ث) مجھے بھیجا گیا
بَعَثَنِیَ (ب ع ث) اُس نے مجھے بھیجا
بُکْرَۃً (ب ک ر) صبح۔ صبح کا وقت
بَلَّغَ (ب ل غ) اُس نے تبلیغ کی/ پہنچایا
بَلِّغُوْا (ب ل غ) تم تبلیغ کرو/ پہنچاؤ
بَلِیْغَۃً (ب ل غ) مؤثر۔ اثر انگیز
بُنِیَ (ب ن ی) بنیاد رکھی گئی
اَلْبُنْیَانُ (ب ن ی) عمارت
بَهِیْمَۃً (ب ہ م) جانور

بُؤْسًا (ب ء س) تنگ دستی۔ بدحالی
بَیَاضِ (ب ی ض) سفید۔ سفیدی
بَیَاضِ الثِّیَابِ سفید کپڑوں والا
بَیْدَ اس کے باوجود/ برعکس
بَیْنَا جب۔ جس وقت

(ت)

تَاَثُّمًا (ء ث م) گناہ سے بچنے کے لیے
تَاَخَّرَ (ء خ ر) اُس نے دیر کی۔ وہ پیچھے رہا
تَبَاغُضَ (ب غ ض) ایک دوسرے سے بغض رکھنا
تُبَشِّرُ (ب ش ر) تو خوشخبری دے
تَبَعٌ پیچھے چلنے والے۔ پیروکار
تَبِعْتُمُوْهُمْ (ت ب ع) تم نے اُن کی پیروی کی
تَبِعَهٗ اُس نے اُس کی پیروی کی
تَبْلُغُوْا (ب ل غ) تم پہنچو
تَتَکَلَّمَ (ک ل م) تو کلام/ بات کر
تَجَاوَزَ عَنْ (ج و ز) اُس نے درگزر فرمائی
تَجِدُوْنَ (و ج د) تم پاتے ہو
تَحَابَّا (ح ب ب) دونوں نے باہم محبت کی
تَحُجَّ (ح ج ج) تو حج کرے
تُحِسُّوْنَ (ح س س) تم محسوس کرتے/ جانتے ہو
تَحْضُرُنِیْ (ح ض ر) وہ حاضر/ معلوم ہوتا مجھے
تُخْفِرُوْا (خ ف ر) تم توڑو

تَدْرِیْ (د ر ی) تو جانتا ہے۔ وہ جانتی ہے

تَدْعُوَ (د ع و) تو پکارتا ہے۔ وہ پکارتی ہے

تَذْرِفَانِ (ذ ر ف) دونوں سے آنسو جاری ہوئے

تَذْکُرُوْنَ (ذ ک ر) تم ذکر/ یاد کرتے ہو

تَرَاهُ (ر ء ی) تو اُسے دیکھتا ہے

تَرَكْتُكُمْ (ت ر ک) میں نے تمھیں چھوڑا

تَرَكْتُهُ (ت ر ک) میں نے اُسے چھوڑ دیا

تَرَكُوْهُ (ت ر ک) اُنھوں نے اُسے چھوڑ دیا

تَرَوْا (ر ء ی) اُنھوں نے دیکھا

تَرَوْنَ (ر ء ی) تم دیکھتے ہو

تَرٰی (ر ء ی) تو دیکھتا ہے

تُزَانِيْ (ز ن ی) تو زنا کرے

تَسْتَحِ (ح ی ی) تو حیا کرے

تَسْتَعْجِلُوْنَ (ع ج ل) تم جلدی کرتے ہو

تَسْخَرُ (س خ ر) تو مذاق کرتا ہے

تِسْعَةٌ نو (9)

تِسْعِيْنَ نوے (90)

تُسْمَعُ (س م ع) تو سنا جائے گا

تَسُوْقُ (س و ق) وہ ہانکے گی۔ وہ چلائے گی

تُشْرِكُ (ش ر ک) تو شریک بنا

تُشَفَّعْ (ش ف ع) تیری سفارش قبول ہوگی

تَشْهَدُ (ش ہ د) تو گواہی دے

تَصَدَّقَ (ص د ق) اُس نے صدقہ کیا

تَصْنَعُوْنَ (ص ن ع) تم بناتے ہو

تَصُوْمُ (ص و م) تو روزہ رکھے

تُضَامُّوْنَ (ض م م) تم زحمت محسوس کرتے ہو

تَضْحَكُ (ض ح ک) تو ہنستا ہے

تُطْرُوْنِيْ (ط ر ی۔ ط ر و) مجھے حد سے نہ بڑھاؤ۔ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو

تَعَاهَدُوْا (ع ہ د) تم خاص خیال رکھو

تَطْرُدُ (ط ر د) وہ دھکیلے گی

تَعْدِلُ (ع د ل) وہ برابر ہوتی ہے

تَعْصُوْا (ع ص ی) تم نافرمانی کرو

تَعَطُّرُ (ع ط ر) خوشبو لگانا

تُعْطَهُ (ع ط ی) تجھے وہ دیا جائے گا

تَظْهَرُ (ظ ہ ر) وہ ظاہر ہوگا/ ہوں گے

تَعَلَّمَ (ع ل م) اُس نے سیکھا

تَعَوَّذَ (ع و ذ) اُس نے پناہ مانگی

تُغْلَبُوْا (غ ل ب) تم مغلوب/ کمزور نہ ہو

تَفْتَرُوْنَهُ (ف ر ی) تم اُسے گھیر لیتے ہو

تَفَرَّقَا (ف ر ق) وہ دونوں الگ ہوئے

تَفَصِّيًا (ف ص ی) بھاگ نکلنا۔ بھول جانا

تَقَالُّوْهَا (ق ل ل) اُنھوں نے اُسے کم سمجھا

تَقَحَّمُوْنَ (ق ح م) تم گرتے/ کودتے ہو

تَقَدَّمَ (ق د م) وہ پہلے ہو گیا

تَقُصُّ (ق ص ص) تو قصہ / وعظ بیان کرتا ہے

تَقَعُ (و ق ع) تو گرتا ہے۔ وہ گرتی ہے

تَقُوْمُ (ق و م) تو قیام اللیل / عبادت کرتا ہے

تُكْتَبُ (ک ت ب) وہ لکھی جاتی ہے

تَكُنْ (ک و ن) تو ہوتا۔ تو کر سکتا

تَلِدَ (و ل د) وہ جنے گی / جنم دے گی

تُلْقِيَ (ل ق ی) وہ پھینکے / ڈالے گی

تُمْسِكُ (م س ک) وہ روکتی ہے۔ تو روکتا ہے

تَمَسَّكُوْا (م س ک) تم تھام رکھو

اَلتَّمْرَةِ (ت م ر) کھجور کا پھل۔ کھجور

تَمْشُوْا (م ش ی) تم چلو

تُمِلَّ (م ل ل) تو اُکتا دے گا / بور کرے گا

تَمَنَّ (م ن ی) تو تمنا کر

تَمَنَّيْتَ (م ن ی) تو نے تمنا کی

تَنْبُتُ (ن ب ت) تو اُگاتا ہے۔ وہ اُگاتی ہے

تُنْبِتُ (ن ب ت) تو اُگاتا ہے۔ وہ اُگاتی ہے

تُنْتَجُ (ن ت ج) وہ پیدا ہوتا ہے

تُنْفِقُ (ن ف ق) تو خرچ کرتا / وہ خرچ کرتی ہے

تَوَاضَعُوْا (و ض ع) تم تواضع اختیار کرو

تَوَفَّنِيْ (و ف ی) تو مجھے وفات دے

اَلتَّوَلِّيْ (و ل ی) پیٹھ پھیرنا

تُؤْتِيْ (ء ت ی) تو دیتا ہے

تُؤَدِّيْ (ء د ی) تو ادا کرے

(ث)

ثَلَاثَ عَشَرَ تیرہ (13)

ثَلَاثٌ وَسِتِّيْنَ تریسٹھ (63)

ثُلُثٌ ایک تہائی۔ تیسرا حصہ

ثِنْتَانِ دو (مونث) چیزیں

ثِيَابٌ (ث و ب) کپڑے (ثَوْبٌ واحد)

(ج)

جَارُكَ تیرا ہمسایہ / پڑوسی

جَارِيَةٍ (ج ر ی) جاری۔ لگا تار

جِبَالٌ (ج ب ل) پہاڑ (جَبَلٌ پہاڑ)

جُحْرٍ سوراخ۔ بل

جَدْعَاءِ (ج د ع) کان کٹا / ناک کٹا جانور

جَرَادٌ (ج ر د) ٹڈی۔ ٹڈیاں۔ ٹڈی / دل

اَلْجِزْيَةُ (ج ز ی) جزیہ۔ ذمی پر ایک ٹیکس

جُعِلَتْ (ج ع ل) بنادی گئی

جَلَالِيْ میرا جلال۔ میری عظمت

جُلُوْسٌ بیٹھنے والے (جَالِسٌ واحد)

جَمْعَاء (ج م ع) اکٹھا۔ اکٹھی۔ جمع کر کے

جَوَامِعَ (ج م ع) جامع باتیں (جَامِعَةٌ واحد)

جَوَامِعَ الْكَلِمِ مختصر مگر جامع کلمات / باتیں

جُهَّالًا جاہل لوگ (جَاهِلٌ واحد)
جِئْتُ بِهِ (ج ی ء) میں اُسے لایا
اَلْجَيْشُ لشکر۔گروہ

(ح)

حَامِلِ فِقْهٍ سمجھ والا
حَبَّةٍ (ح ب ب) دانہ
حَبْوًا (ح ب و) سرین کے بل گھسٹ کر چلنا
حُجِبَتْ (ح ج ب) وہ ڈھانپ دی گئی
حُجَزِكُمْ تمہاری کمر سے (پکڑ کر بچاتا ہوں)
حَدَّثَ (ح د ث) اُس نے بات بتائی/ بیان کی
حَدِّثُوْا (ح د ث) تم حدیث بیان کرو
اَلْحَدِيْدُ (ح د د) لوہا
حَرِّمُوْهُ (ح ر م) تم اسے حرام سمجھو
حَرِّهَا (ح ر ر) گرمی اُس کی
حَسَبٍ حسب ونسب۔خاندان
حَسْبُكَ تو بس کر۔تیرے لیے کافی ہے
اَلْحُفَاةَ (ح ف ی) ننگے پاؤں چلنے والے
حُفَّتِ (ح ف ف) گھری ہوئی
حُفَرِ گڑھے (حُفْرَةٌ واحد)
حُفْرَةٌ (ح ف ر) گڑھا
حَكَمًا فیصلہ کرنے والا
حَلَاوَةَ (ح ل و) مٹھاس۔شیرینی
حُلْوٌ میٹھا۔میٹھی
حَلِيْلَةِ (ح ل ل) بیوی
حِمَارٌ گدھا
حُمَمًا (ح م م) راکھ۔کوئلہ
حَمِيْلِ السَّيْلِ (ح م ل) سیلاب کا کوڑا کرکٹ
حَنْظَلَةٌ حنظل۔تمہ۔ایک کڑوا پھل
حَوَارِيًّا (ح و ر) حواری۔مخلص مددگار
حَوْلَهُ اُس کا اردگرد
حَيِيٌّ (ح ی ی) حیادار

(خ)

خَاصَمَ (خ ص م) اُس نے جھگڑا کیا
خَالِيًا (خ ل و) خلوت/تنہائی میں بیٹھنے والا
خَانَ (خ و ن) اُس نے خیانت کی
خُتِمَ اختتام ہوگیا
خُذُوْهُ (ء خ ذ) تم اُسے لو/ پکڑ لو
خَرْدَلٍ، خَرْدَلَةٍ رائی۔رائی کا دانہ
خُرُوْجًا (خ ر ج) نکلنا
خَسْفَ زمین کا دھنس جانا
خُسُوْف زمین کا دھنس جانا (خَسْفٌ واحد)
خَشْيَةَ (خ ش ی) ڈرنا۔خوف
خُلُقًا عادت۔صفت
خَمْسٍ پانچ (5)

خَمْسِیْنَ پچاس (50)

خَمِیْسَ جمعرات کا دن

خِیَارُھُمْ اُن میں سے بہتر لوگ (خَیْرٌ واحد)

(د)

اَلدَّابَّةُ (د ب ب) رینگنے والا جانور/ کیڑا مکوڑا

اَلدَّالُّ (د ل ل) رہنما۔ ترغیب دینے والا

دَبِیْبِ (د ب ب) چیونٹی کے چلنے کی آواز

اَلدُّخَانُ (د خ ن) دھواں

دُخُوْلًا (د خ ل) داخل ہونا

دُرِّیٌّ (د ر ر) روشن۔ چمک دار

دَعَتْهُ (د ع و) اُس (عورت) نے بلایا/ گناہ کی دعوت دی۔

دَعُوْهُ (د ع و) تم اسے چھوڑ دو

اَلدُّلْجَةُ (د ل ج) رات کا اندھیرا

دُلَّنِیْ (د ل ل) مجھے بتا۔ میری رہنمائی کر

دِمَاءَھُمْ خون اُن کے (دَمٌ واحد)

دَوَآبٌّ (د ب ب) کیڑے مکوڑے/ جانور

دُوْنَكَ (د و ن) تم لے لو

اَلدَّھْرُ زمانہ۔ وقت

(ذ)

ذَا والا

ذَا الْوَجْھَیْنِ دو چہروں منہ والا

ذَاتُ والی

ذَاتَ یَوْمٍ ایک دن

ذَاقَ (ذ و ق) اُس نے چکھا

ذَبِیْحَتَنَا (ذ ب ح) ہمارا ذبیحہ۔ ذبح کیا ہوا جانور

ذِرَاعًا (ذ ر ع) ہاتھ۔ بازو

ذَرَفَتْ (ذ ر ف) آنسو بہہ نکلے

ذَرُوْنِیْ (و ذ ر) تم مجھے چھوڑ دو

ذَكَّرْتَ (ذ ک ر) تو نے تذکیر/نصیحت کی

ذِمَّةُ (ذ م م) ذمہ۔ عہد۔ معاہدہ

ذُنُوْبٌ (ذ ن ب) گناہ (ذَنْبٌ واحد)

ذَھَبٍ سونا

اَلذِّئْبُ بھیڑیا

ذِیْ نَابٍ (ن ی ب) کچلی/ نوکیلے دانتوں والا

اَلرَّابِعَةَ چوتھا۔ چوتھی

(ر)

اَلرَّاكِبُ سوار

رَائِیْ میری رائے

رُبَّ کبھی۔ کئی۔ اکثر اوقات

اَلرِّبَا (ر ب و) سود

رَبَّتَھَا (ر ب ب) اُس کی مالکہ

رَحْلٍ کجاوہ

رَدٌّ (ر د د) رد کیا گیا۔ مردود۔ نامنظور

رِدْفَ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا دوسرا سوار
رَدِیْفٌ (ردف) سوار کے پیچھے بیٹھنے والا
رُسُلِهٖ (ر س ل) اُس کے رسولوں
رَشْحٌ پسینہ
رِضْوَانِیْ (رض ی) میری رضا
رَضِیْتُمْ (رض ی) تم راضی/خوش ہوئے
رِعَاءَ (ر ع ی) چرواہے (رَاعِیٌ واحد)
رَغِبَ عَنْ اُس نے منہ موڑا
رُكْبَتَيْهِ اُس کے دونوں گھٹنے
رُوْحُوْا (روح) تم شام کرو
رَوْضَةٌ (روض) باغ
رَهْطٍ گروہ۔ جماعت۔ آدمی
رُءُوْسًا (ر ء س) سردار۔ حکمران (رَاسٌ واحد)
رُؤْيَتِهٖ (ر ء ی) اُس کا دیکھنا
رِيَاضٌ باغات (رَوْضَةٌ باغ)
رِيْحٌ آندھی۔ خوشبو
اَلرَّيْحَانَةُ نازبو۔ ایک خوشبودار پودا

(ز)

اَلزَّانِیْ (زن ی) زنا کرنے والا
اَلزَّحْفِ لڑائی
اَلزَّرْعِ کھیتی
زَرَعُوْا (زرع) اُنھوں نے کھیتی اُگائی
اَلزَّمَانُ (زم ن) زمانہ
زُمْرَةٍ (زم ر) جماعت۔ گروہ
زَوَايَاهُ (زوی) اُس کے اطراف (زَاوِيَةٌ واحد)
زَوْجَتَانِ (زوج) دو بیویاں
زَوْرٍ (زور) ملنے والا۔ ملاقاتی

(س)

اَلسَّابِقُوْنَ (س ب ق) سبقت کرنے والے۔ آگے بڑھنے والے
سَاجِدًا (س ج د) سجدہ کرتے ہوئے/کرتا ہوا
اَلسَّارِقُ (س ر ق) چور
سَأَلَتْ (س ء ل) اُس (مؤنث) نے پوچھا
اَلسَّامَّةِ (س ء م) اُکتانا۔ اُکتاہٹ
سَبْعٌ سات
اَلسِّبَاعِ (س ب ع) درندہ
سَبْعَةٌ سات
سَبْعُوْنَ ستر (70)
سَبْعِيْنَ ستر (70)
سَبَقَتْ (س ب ق) وہ آگے بڑھ گئی
سَبِيْلًا راستہ
سِتٌّ چھ (6)
سَتَرَ اُس نے پردہ پوشی کی
سِتْرَ پردہ

سَتَرَوْنَ عنقریب تم دیکھو گے

سِتُّوْنَ ساٹھ (60)

سِتِّيْرٌ (س ت ر) پردہ دار

سِتِّيْنَ ساٹھ (60)

سِجْنٌ قید خانہ

سَخَّاءَ (س خ و) سخی۔ سخاوت کرنے والا

اَلسِّحْرَ جادو

سَدَّدْتُ (س د د) میں نے درست کام کیا/میانہ روی اختیار کی

سَدِّدُوْا (س د د) تم سیدھے/درست رہو

سَرَّهُ (س ر ر) وہ خوش کرے اُس کو

سَعَادَةٌ (س ع د) خوش قسمتی

سَعِيْدٌ (س ع د) خوش قسمت

اَلسَّفَرَةِ (س ف ر) لکھنے والے

سَقَوْا (س ق ی) اُنھوں نے پلایا

سَلَبْتُ میں نے چھین لیا

سَلَّطَهُ (س ل ط) اُس نے اُسے مسلط کیا

سَلَكَ وہ چلا

سَلَكَتْ (س ل ک) وہ چلی

سَلَكْتُ (س ل ک) میں چلا۔ میں چلوں گا

سَلِمَ وہ سلامت/محفوظ رہا

سَنَّ (س ن ن) اُس نے طریقہ شروع کیا

سَنَةً (س ن ہ) سال

سُنَنٌ طریقے

سِنِيْنَ (س ن ن) سال۔ برس۔ قحط (سِنٌّ واحد)

سَوَادِ (س و د) سیاہی

سِوَادِ الشَّعْرِ (س و د) سیاہ بالوں والا

اَلسِّوَاكَ مسواک

سِوَاهُمَا دونوں کے سوا

سَوْطٍ چابک۔ کوڑا

سُوْقِهِنَّ (س و ق) اُن (عورتوں) کی پنڈلیاں

سَهَّلْتُ (س ہ ل) میں نے آسان کر دیا

سَيَعُوْدُ (ع و د) عنقریب وہ لوٹ جائے گا/ واپس پہلی حالت پر ہو جائے گا

اَلسَّيْلِ سیلاب

(ش)

شَابٌّ جوان

شَاقٌّ گراں۔ دشوار۔ مشکل

اَلشَّاءِ (ش و ہ) بکریوں والے

شِبْرًا بالشت

شَبْعَانُ (ش ب ع) جس کا پیٹ بھرا ہوا ہو

شَتّٰى (ش ت ت) الگ (جمع اَشْتَاتٌ)

شُحٌّ (ش ح ح) بخل۔ کنجوسی

شِدَّةٌ (ش د د) تکلیف۔ تنگی

شَرُّ الْأُمُوْرِ سب سے برے کام
شَرُّ النَّاسِ سب لوگوں میں بُرا انسان
شَرْبٌ پینا
شِعْبًا گھاٹی
شُعْبَةٌ (ش ع ب) شاخ
شَقَاوَةٌ (ش ق ی) بدقسمتی۔ بدبختی
شَقِيٌّ (ش ق ی) بدقسمت۔ بدبخت
شَكَوْنَا (ش ک و) ہم نے شکایت کی
شِمَالُهُ اُس کا بایاں ہاتھ
اَلشَّهَوَاتِ خواہشیں (اَلشَّهْوَةُ واحد)
شِئْتَ تو نے چاہا
شِئْتُ میں نے چاہا

(ص)

صَاحِبُهَا (ص ح ب) اُس (مونث) کا ساتھی۔ مالک اُس کا
صَامَ (ص وم) اُس نے روزہ رکھا
صَبَّحَهُمْ (ص ب ح) اُس نے اُن کی اچھی طرح صبح کی۔ اُس نے اُن کو تہس نہس کر دیا
صِبْغَةٌ (ص ب غ) غوطہ
صَفْرَاءُ (ص ف ر) زرد۔ پیلا
صَلَاتَنَا (ص ل و) ہماری نماز
صَلّٰى (ص ل و) اُس نے نماز پڑھی
صُمْ (ص وم) تو روزہ رکھ
صُوَرَكُمْ (ص ور) تمہاری صورتیں/شکلیں
صِيَامٌ (ص وم) روزے۔ روزہ رکھنا

(ض)

ضَبٍّ گوہ
ضَحِكَ وہ ہنسا
ضُرٍّ تکلیف۔ برائی
ضِعْفٍ مرتبہ۔ کئی گنا
ضَلُّوْا (ض ل ل) وہ گمراہ ہوئے

(ط)

طَافَ (ط و ف) اُس نے چکر لگایا
اَلطَّرْفَ آنکھ جھپکنا۔ نظر۔ نگاہ
طَرِيْقٌ (ط ر ق) راستہ
طَعْمٌ چکھنا۔ ذائقہ
طَلَعَتْ (ط ل ع) وہ طلوع ہوئی/ ہوا
طَلَعَ عَلَيْنَا وہ ہم پر ظاہر/نمودار ہوا
طُوْبٰى (ط ی ب) خوشخبری۔ مبارک۔ جنت میں ایک درخت کا نام
طُهُوْرًا (ط ھ ر) پاکیزہ۔ پاک کرنے والا/ والی

(ظ)

ظِلٌّ (ظ ل ل) سایہ

(ع)

عَادُوْا (ع ود) وہ ہو چکے/ بدل چکے

اَلْعَاشِرَۃُ (ع ش ر) دسویں

عَاقَبَ (ع ق ب) اُس نے گناہ پر سزا دی

اَلْعَالَۃُ (ع ی ل) تنگ دست۔ بھوکے

عَامٍ (ع وم) سال

عَامَّتِهِمْ (ع م م) اُن کے عام لوگ۔ عوام النّاس

عَاهَدَ (ع ہ د) اُس نے عہد کیا/ ذمہ لیا

عَجِبْنَا (ع ج ب) ہم نے تعجب کیا

عَدْلًا انصاف کرنے والا۔ عادل

عَدْنٍ ہمیشہ۔ جنت کا ایک نام۔ ایک شہر کا نام

عُرَاۃً (ع ری) ننگے بدن والے (عُرْیَانٌ واحد)

عُرِضَ پیش کیا گیا

اَلْعُرْیَانِ برہنہ۔ ننگا

عُرْیَانًا برہنہ۔ ننگا

اَلْعُشْبِ گھاس۔ سبز چارہ

عَشِیًّا شام کا وقت

اَلْعَشِیِّ شام کا وقت

عِصَابَۃٌ (ع ص ب) جماعت۔ دس سے چالیس تک کے افراد کا مجموعہ

عَصَانِیْ (ع ص ی) اُس نے میری نافرمانی کی

عَصَبٌ پٹھے

عَصَمُوْا (ع ص م) اُنھوں نے بچالیا/ محفوظ کرلیا

عَضُّوْا (ع ض ض) تم دانتوں سے پکڑو

اَلْعَظْمِ ہڈی

عَفَا (ع ف ی) اُس نے معاف کیا

عُقُلِهَا رسّی اُس کی

عَلَقَۃً (ع ل ق) جما ہوا خون/ لہو

عَلَّاتٍ (ع ل ل) ایسے بھائی بہن جن کی مائیں الگ الگ مگر باپ ایک ہو

عَلَّمَ (ع ل م) اُس نے سکھایا

عَلَیَّ (علی+ی) مجھ پر

عَلَیْکُمْ تم پر واجب/ لازمی ہے

عُوْقِبَ اُسے اپنے کیے کی سزا ملی

اَلْعِیْنُ موٹی آنکھوں والی عورتیں/ حوریں

عَیْنَاہُ اُس کی دونوں آنکھیں

عَیْنَیَّ میری دو آنکھیں

عُیُوْنٌ آنکھیں۔ چشمے

(غ)

اَلْغَافِلَاتِ (غ ف ل) بے خبر۔ بھولی بھالی

اَلْغَدْوَۃِ (غ دو) صبح کا وقت

غَدَرَ اُس نے بے وفائی/ عہد شکنی کی

اَلْغُرَبَاءِ (غ رب) اجنبی۔ مسافر۔ (غَرِیْبٌ واحد)

غُرْلًا بغیر ختنے کے

غَرِيْبًا اجنبی۔مسافر

اَلْغَنَائِمِ (غ ن م) مال غنیمت۔(غَنِیْمَةٌ واحد)

غَنَمِهٖ اُس کی بھیڑ بکریاں

غِنًى دولت مندی۔خوشحالی۔بے نیازی

اَلْغَيْثِ بارش۔زیادہ بارش

(ف)

فَأْتُوْا (ء ت ی) پس تم کرو

فَاصْنَعْ (ص ن ع) پھر تو کر/بنا

فَـاضَـتْ (ف ی ض) اس (عورت) نے آنسو بہائے

فَأَفْتَوْا (ف ت ی) پھر وہ فتویٰ دیں گے

فِتَنٌ فتنے (فِتْنَةٌ واحد)

فَجَرَ اُس نے گالی گلوچ کی

فَخِذَيْهِ اپنی دونوں رانوں پر

فَخَرَّ (خ ر ر) پھر وہ گر گیا/پڑا

اَلْفَرَاشُ (ف ر ش) پتنگے

فُرِضَ مقرر کیا گیا

فَسُئِلُوْا (س ء ل) پھر اُن سے سوال کیا گیا

فُضِّلَتْ (ف ض ل) اُسے (مونث) فضیلت

فُضِّلْتُ (ف ض ل) مجھے فضیلت دی گئی

فِضَّةٍ چاندی

فَقُهَ اُس نے سمجھ بوجھ پائی

فَقُهُوْا (فَقِهُوْا) (ف ق ہ) اُنھوں نے سمجھ بوجھ حاصل کی

فَلْيُبَلِّغْ (ب ل غ) پس چاہیے کہ وہ پہنچا دے

(ق)

قَارِبُوْا (ق ر ب) تم سیدھے راستے پر رہو

قَبْضِ جان قبض کر کے

قَبِلَتْ اُس (مؤنث) نے قبول کیا

قَذْفُ زنا کی تہمت لگانا

اَلْقَصْدُ میانہ روی۔اعتدال

قَطُّ کبھی۔بالکل۔فقط

قَعْرِ آخری کنارا۔گہرائی

قَلَّ (ق ل ل) وہ کم/تھوڑا ہوا

قُمْ (ق و م) تو کھڑا ہو/اُٹھ

قِيْعَانٌ (ق ی ع) چٹیل میدان

قَيِّمٌ سرپرست۔محافظ۔کفیل

(ک)

كَافَّةً سب۔تمام

كَاَنَّ گویا کہ

كَذَا جیسا۔جیسا کہ۔ایسا

اَلْكِرَامِ (ک ر م) معزز (كَرِيْمٌ واحد)

كَفَّارَةٌ (ک ف ر) کفارہ۔گناہ کا کفارہ۔وہ چیز

جس سے کسی گناہ کا ازالہ ہو جائے

کِفْلٌ حصہ

كَفَّيْهِ (ک ف ف) اُس کی دونوں ہتھیلیاں

اَلْكَلَأَ گھاس۔ چارہ

اَلْكَلِمَ کلمات۔ باتیں (اَلْكَلِمَةُ واحد)

كَلِيْمُ اللّٰهِ اللہ سے کلام کرنے والا، مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام

كُنَّ (ک و ن) وہ تھیں/ ہیں

كُنَّا (ک و ن) ہم تھے/ ہیں

كَوْكَبٌ ستارا

كَهَاتَيْنِ جیسے یہ دو (اُنگلیاں)

كِيْزَانُهٗ پیالے اُس کے

(ل)

لَابُدَّ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ناگزیر

لَا تَأْتُوْا (ب) (ء ت ی) تم نہ لاؤ/ نہ کرو

لَاَخْشَاكُمْ (خ ش ی) ضرور تم میں سے زیادہ ڈرنے والا

لَا تَزْنُوْا (ز ن ی) نہ تم زنا کرو

لَا تَسْرِقُوْا (س ر ق) نہ تم چوری کرو

لِاَمْرِئٍ آدمی کے لیے

لَا يَزَالُ (ز و ل) ہمیشہ

لَبِثْتُ (ل ب ث) میں رہا۔ میں ٹھہرا رہا

لَبَكَيْتُمْ (ب ک ی) ضرور تم روتے

لَبِنَةٍ اینٹ

لَبَّيْكَ میں حاضر ہوں

لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ میں حاضر ہوں اور آپ کے لیے دو سعادتیں/ بھلائیاں ہوں!

لَتَتَّبِعُنَّ (ت ب ع) ضرور تم پیروی کرو گے

لَحْمٌ گوشت

لَسْتَ (ل ی س) تو نہیں ہے

لَسْتُ (ل ی س) میں نہیں ہوں

لَسَلَكْتُ (س ل ک) ضرور میں چلتا

لَسْنَا (ل ی س) ہم نہیں ہیں

لَضَحِكْتُمْ (ض ح ک) ضرور تم ہنستے

لَقَابُ قَوْسٍ ضرور فاصلہ ایک کمان کا

لُقَطَةٌ گری پڑی چیز

لَقِيَ وہ ملا

لَقِيْنَا (ل ق ی) ہم کو پہنچا/ ملا

لَكَافِيَةٌ (ک ف ی) ضرور کافی ہے

لَوَدِدْتُ (و د د) ضرور میں چاہتا

لَيَالٍ راتیں (لَيْلٌ واحد)

لِيَتَكَلَّمْ چاہیے کہ وہ کلام/ بات کرے

لَيَتِمَّنَّ ضرور وہ پورا ہو کر رہے گا

لِيَسْتَظِلَّ (ظ ل ل) چاہیے کہ وہ سایہ چاہے

لِيَقْعُدْ (ق ع د) چاہیے کہ وہ بیٹھے

لَيُوْشِكَنَّ ضرور وہ عنقریب/جلدی ہوگا

(م)

مَاتَ (م و ت) وہ مر گیا

مَاءٌ (م و ہ) پانی

مَاجَ (م و ج) بھیڑ ہونا۔ موجوں کا ٹکرانا

مُبَلَّغٌ (ب ل غ) جسے پہنچایا جائے

اَلْمُتَحَابُّوْنَ (ح ب ب) آپس میں محبت کرنے والے

مُتَعَمِّدًا (ع م د) جان بوجھ کر۔ دانستہ

مُتَوَسِّدٌ (و س د) ٹیک لگانے والا/ بنانے والا

مِثْقَالُ (ث ق ل) وزن۔ بوجھ۔ ثقل

مَجَامِرِ (ج م ر) انگیٹھیاں (مِجْمَرَةٌ واحد)

اَلْمَجَانَةَ (ج ن ی) زیادتی۔ جرم

اَلْمُجَاهِرُوْنَ (ج ہ ر) کھلم کھلا/ سرعام گناہ کرنے والے

مَحَامِدَ (ح م د) تعریفیں (مَحْمَدَةٌ واحد)

مُحْدَثَةٌ (ح د ث) نئی بات/ چیز

مُحْدَثَاتِ (ح د ث) نئی باتیں/ چیزیں

اَلْمُحْصَنَاتِ (ح ص ن) پاک دامن عورتیں (اَلْمُحْصَنَةُ واحد)

مُحْمَرٌّ (ح م ر) سرخ۔ لال

مُخٌّ (م خ خ) گودا۔ مغز (ہڈی کا)

مَخَافَةَ (خ و ف) ڈر۔ خوف

مُذْ سے (حرف جار)

مَرَّ (م ر ر) وہ گزرا

مُرٌّ (م ر ر) کڑوا

مَرَّةً ایک دفعہ

مَرَّتَيْنِ دو دفعہ

مُرْسَلِيْنَ (ر س ل) بھیجے گئے/ رسول (مُرْسَلٌ واحد)

مُرُوْهُ (ء م ر) تم اُسے حکم دو

مَسْلَكًا (س ل ک) راستہ

مِسْكٌ مشک۔ کستوری

اَلْمَسْئُوْلُ (س ء ل) جس سے سوال کیا جائے

مَسِيْرَةُ (س ی ر) فاصلہ۔ مسافت

مُضْغَةً (م ض غ) بوٹی۔ گوشت کا ٹکڑا

مَعَادِنُ (ع د ن) کانیں۔ معدنیات (مَعْدِنٌ واحد)

مُعَافًا (ع ف و) معاف کیا گیا۔ قابل معافی

مُعَاهِدٍ (ع ہ د) معاہدہ کرنے والا۔ ذمی۔ غیر مسلم

مَعْصِيَةٍ (ع ص ی) گناہ۔ نافرمانی

مُعَلَّقٌ (ع ل ق) لٹکا/ اٹکا ہوا

مَفَاتِيْحُ کنجیاں (مِفْتَاحٌ واحد)

مَفْرُوْضَةٌ (ف رض) فرض۔لازم

مَقَالَتِیْ (ق ول) بات میری

مَقْعَدُهٗ (ق ع د) ٹھکانہ اُس کا

مَکَارِہِ (ک رہ) ناگوار چیزیں

مَکَانِهِمْ (ک ون) اُن کی جگہ/ ٹھکانا/ درجہ

مَکْتُوْبٌ (ک ت ب) لکھا ہوا

مَکَثَ وہ ٹھہرا رہا۔اُس نے انتظار کیا

مَلْاٰی (م ل ء) بھرا ہوا

مُلْتَوِیَةً (ل وی) لپٹا ہوا

مُلُوْكٌ بادشاہ (مَلِكٌ واحد)

مَلِیًّا (م ل و) کچھ دیر۔زیادہ دیر

مُنْتَعِلٌ (ن ع ل) جوتا پہنا ہوا شخص

مَنْزِلَةً (ن زل) ٹھکانہ۔جگہ

مِنْشَارٌ (ن ش ر) آری۔آرا

اَلْمُوْبِقَاتِ (وب ق) ہلاک کرنے والے۔ڈبونے والے۔مہلک چیزیں

مُوْجِبَتَانِ (وج ب) دو واجب/ لازم کرنے والی چیزیں

مُوَدِّعٍ (ودع) رخصت/ الوداع ہونے والا

مَوْضِعَ (وض ع) جگہ

مَوْلُوْدٍ (ول د) بچہ۔نومولود

مُؤَخِّرَةُ (ء خ ر) کجاوے کا پچھلا حصہ

اَلْمَهْدِیِّیْنَ (ہ دی) ہدایت یافتہ (اَلْمَهْدِیُّ واحد)

مَهْلِ اطمینان۔نرمی۔آرام سے

مُیَسَّرٌ (ی س ر) میسر۔آسان۔موافق۔سازگار

(ن)

نَادَاهُ (ن د) اُس نے اُسے پکارا

نَبَاتُهٗ (ن ب ت) اُس کی پیداوار

نَتَذَاكَرُ (ذ ک ر) ہم ایک دوسرے سے ذکر کرتے ہیں

نَتَّكِلُ (وک ل) ہم توکل/ بھروسہ کرلیں

اَلنَّجَاءَ (ن ج و) بچو۔نجات

نَجَوْا (ن ج و) وہ نجات پاگئے/ بچ گئے

نُجُوْمُ ستارے (نَجْمٌ واحد)

نِدًّا (ن دد) شریک

نَدَعُ (ودع) ہم چھوڑ دیں

نَذَرَ اُس نے نذر مانی

نَذْكُرُ (ذ ک ر) ہم ذکر/ یاد کرتے ہیں

نَرْضٰی (رض ی) ہم راضی ہیں

نَزَلَ وہ اُترا۔وہ مہمان بنا

اَلنِّسْیَانُ (ن س ی) بھول چوک۔بھول جانا

نَشَأَ وہ پروان چڑھا/ جوان ہوا

اَلنُّصْحُ نصیحت/ خیر خواہی کرنا

نُصِرْتُ (ن ص ر) میری مدد کی گئی
نَصْنَعُهُ (ص ن ع) ہم بناتے/کرتے ہیں اُس کو
نَضَّرَ (ن ض ر) وہ تروتازہ/خوش وخرم رکھے
اَلنُّظَّارُ (ن ظ ر) دیکھنے والے (نَاظِرٌ واحد)
نَعْلَيْنِ دو جوتے
نَعِيْمٌ (ن ع م) نعمت
نُفِخَ وہ پھونکا گیا/ جاتا ہے
نَفَقَةٌ (ن ف ق) خرچ کرنا
نَقَصَتْ (ن ق ص) وہ کم/تھوڑی ہوئی
نَمْ (ن و م) تو سو جا
نَوَاجِذُ عقل/ آخری داڑھیں (نَاجِذٌ واحد)
نَوٰى (ن و ی) اُس نے نیت کی
نُهْبَةٌ (ن ہ ب) مال لوٹنا
نَهَيْتُكُمْ (ن ہ ی) میں نے تمہیں منع کیا/ روکا
نِيَّاتٌ نیتیں (نِيَّةٌ واحد)

(و)

وَجِلَتْ (و ج ل) ڈر گئی۔ ڈر گئے
وَجْهَيْنِ دو منہ۔ دو چہرے
وَرَاءَ پیچھے
وَسْوَسَتْ (وس وس) اُسے وسوسہ آیا
وَضَعَ اُس نے رکھا
وَعَاهَا (و ع ی) اُس نے اُسے محفوظ کیا/ یاد رکھا
وَعِزَّتِكَ تیری عزت کی قسم
وَعِزَّتِىْ میری عزت کی قسم
وَفّٰى اُس نے وفا کی/ پورا کیا
وُقُوْدٌ (و ق د) ایندھن
وَلّٰى اُس نے منہ موڑا۔ وہ واپس گیا

(ہ)

هَاجَرَ (ہ ج ر) اُس نے ہجرت کی
اَلْهَرْجُ قتل۔ قتل وغارت
هَجَرَ اُس نے چھوڑ دیا/ ہجرت کی
هَلَكَتِهٖ (ہ ل ک) اُسے لٹانا/ خوب خرچ کرنا

(ی)

يَاْتُوْنَ (ء ت ی) وہ آئیں گے
يَاْتِىْ (ء ت ی) وہ آئے گا
يَاْتِيْنِىْ (بِ) (ء ت ی) وہ میرے پاس لائے گا
يَبْعَثُ (ب ع ث) وہ بھیجتا ہے
يُبْقِ (ب ق ی) وہ باقی چھوڑے گا
يُبَلِّغُ (ب ل غ) وہ پہنچاتا ہے
يَبُوْلُوْنَ (ب و ل) وہ بول/ پیشاب کریں گے
يَتَتَعْتَعُ (ت ع ع) وہ اٹکتا/ ہکلاتا ہے
يَتَحَدَّثُ (ح د ث) وہ باتیں کرتا ہے
يَتَخَوَّلُنَا (خ و ل) وہ ہمیں وقفہ دیتا/ ناغہ کرتا ہے
يَتَزَوَّجُهَا (ز و ج) وہ نکاح/ شادی کرے اُس

سے (عورت)

يَتَسَاءَلُوْنَ (س ء ل) وہ آپس میں پوچھتے ہیں

يَتَطَاوَلُوْنَ (ط و ل) وہ بلندی پر مقابلہ کریں گے

يَتَعَجَّبُوْنَ (ع ج ب) وہ تعجب کرتے ہیں

يَتَغَمَّدَنِيْ (غ م د) وہ مجھے ڈھانپ لے

يَتَغَوَّطُوْنَ (غ و ط) وہ پاخانہ کریں گے

يَتَقَارَبُ (ق ر ب) وہ قریب قریب ہوجائے گا

يَتَقَحَّمْنَ (ق ح م) وہ گرتی/کود پڑتی ہیں

يَتَكَلَّمَ (ک ل م) وہ کلام/بات کرتا ہے

يَتَّكِلُوْا (و ک ل) وہ توکل/بھروسہ کرلیں

يَتَمَنّٰى (م ن ی) وہ تمنا/آرزو کرے گا

يَتَمَنَّيَنَّ (م ن ی) وہ ضرور تمنا/آرزو کرے گا

يُجَاءُ (ب) وہ مجبور کر کے لایا جاتا ہے

يُجْعَلُ (ج ع ل) وہ ڈالا جاتا ہے

يُجِئُ (ج ی ء) وہ مجبور کر کے لاتا ہے

يَحْثِيْ (ح ث و) وہ جمع کرتا/جھولی میں ڈالتا ہے

يَحْجُزُهُنَّ (ح ج ز) وہ اُن کو روکتا ہے

يُحْشَرُ (ح ش ر) وہ جمع کیا جاتا ہے

يُحْفَرُ (ح ف ر) گڑھا کھودا جاتا ہے

يَحِلُّ (ح ل ل) وہ حلال ہے

يَخَافُ (خ و ف) وہ ڈرتا ہے

يُخْرِجُوْنَ (خ ر ج) وہ نکالتے ہیں

يَخْطُبُ (خ ط ب) وہ خطبہ دیتا/خطاب کرتا ہے

يَخْفِضُ (خ ف ض) وہ پست کرتا ہے

يَخْلُقُ (خ ل ق) وہ پیدا کرتا ہے

يُخَيَّلُ (خ ی ل) اُسے شبہ ہوگا/خیال ہوگا

يَدَعَهَا (و د ع) وہ اُسے چھوڑ دے

يُذَكِّرُ (ذ ک ر) وہ تذکیر/نصیحت کرتا ہے

يَرَاكَ (ر ء ی) وہ تجھے دیکھتا ہے

يُرِدْ (ر و د) وہ ارادہ کرے

يُرْفَعُ (ر ف ع) وہ بلند کیا/اُٹھالیا جائے گا

يُرٰى (ر ء ی) وہ دکھائی دیتا ہے

يَزْنِيْ (ز ن ی) وہ زنا کرتا ہے

يَسُبُّ (س ب ب) وہ گالی دیتا ہے

يُسَبِّحُوْنَ (س ب ح) وہ تسبیح کرتے ہیں

يَسْبِقُ (س ب ق) وہ غالب آتا/آگے بڑھتا ہے

يَسْتَبْشِرُوْا (ب ش ر) وہ خوشخبری پائیں

يَسْتُرُ (س ت ر) وہ پردہ پوشی کرتا ہے

يَسْتَظِلُّ (ظ ل ل) وہ سایہ چاہتا ہے

يَسْتَغْنِيْ (غ ن ی) وہ بے نیاز کرتا ہے

يَسْرِقُ (س ر ق) وہ چوری کرتا ہے

يَسْقَمُوْنَ (س ق م) وہ بیمار ہوں گے

يَشْتَهُوْنَ (ش ہ و) وہ چاہیں/خواہش کریں گے

يَشْرَبُ (ش ر ب) وہ پیتا ہے

يَشُقُّ (ش ق ق) وہ پھٹ جاتا ہے
يَشْهَدُوْا (ش ہ د) وہ گواہی دیں
يُصْبِحُ (ص ب ح) وہ صبح کرتا ہے
يُصْبَغُ (ص ب غ) اُسے غوطہ دیا جائے گا
يَصُدُّ (ص د د) وہ روکتا ہے
يُصَدِّقُ (ص د ق) وہ تصدیق کرتا ہے
يُصِيْبُهَا (ص و ب) وہ اُسے پالیتا ہے
يَضَعُ (و ض ع) وہ ختم کرے گا
يَطْعَمُ (ط ع م) وہ کھائے/ چکھے
يَطْوِىْ (ط و ی) وہ لپیٹے گا
يُظِلُّ (ظ ل ل) وہ سایہ کرے گا
يَظْمَأُ (ظ م ء) وہ پیاسا ہوتا ہے
يَظْهَرُ (ظ ہ ر) وہ ظاہر ہوگا
يَعْجِزُ (ع ج ز) وہ عاجز ہوتا ہے۔ کام نہیں کرسکتا
يَعِشْ (ع ی ش) وہ زندہ کر رہے گا
يُعْطِىْ (ع ط و) وہ عطا کرتا ہے
يُعَقِّبَهُمْ (ع ق ب) وہ اُن کو سزا دے گا
يُعَلِّمُكُمْ (ع ل م) وہ تمہیں سکھاتا ہے
يَعُوْدُ (ع و د) وہ لوٹتا/ واپس آتا ہے
يَغْتَسِلُ (غ س ل) وہ غسل کرتا ہے
يَغِضِ (غ ی ض) کم ہوتا
يَغُلُّ (غ ل ل) وہ خیانت کرتا ہے

يَغْلِبْنَ (غ ل ب) وہ غلبہ کرتی ہیں
يَغْلِىْ (غ ل ی) وہ کھولتا/ اُبلتا ہے
يَغِيْضُ (غ ی ض) وہ کم ہوتا ہے
يَفْخَرَ (ف خ ر) وہ فخر کرتا ہے
يُفَقِّهْهُ (ف ق ہ) وہ اُس کو سمجھ دیتا ہے
يَفِيْضُ (ف ی ض) اُس کی کثرت ہوگی
يُقَالُ (ق و ل) اُسے کہا جائے گا
يَقْبِضُ (ق ب ض) مٹھی/ ہاتھ میں لینا۔ چھین لینا
يَقْرَءُ (ق ر ء) وہ پڑھتا ہے
يَقْرُوْهُ (ق ر ی) وہ اُس کی مہمانی کریں
يَقْضِىْ (ق ض ی) وہ فیصلہ کرتا ہے
يَقْطَعُ (ق ط ع) وہ کاٹتا ہے/قطع کرے گا
يَقْعُدُ (ق ع د) وہ بیٹھتا ہے
يَقَعْنَ (و ق ع) وہ گرتے ہیں/گرتی ہیں
يَقِلُّ (ق ل ل) وہ کم ہوگا
يُقِيْمُوْا (ق و م) وہ قائم کریں
يَكْثُرُ (ک ث ر) وہ زیادہ ہوگا
يَكْسِرُ (ک س ر) وہ توڑتا ہے
يَكْشِفُ (ک ش ف) وہ کھولتا/ دور کرتا ہے
يُلْدَغُ (ل د غ) وہ ڈسا جاتا ہے
يُلْقٰى (ل ق ی) وہ ڈالا جائے
يُلْقَوْنَ (ل ق ی) وہ ڈالے جائیں گے

يَلُوْنَهُمْ (ول ی) وہ اُن کے بعد آئیں گے

يُلْهِمُنِيْ (ل ہ م) وہ مجھے الہام کرے گا

يَمْتَخِطُوْنَ (م خ ط) اُن کی ناک سے آلائش نکلے گی

يُمَجِّسَانِهِ (م ج س) وہ اسے مجوسی بنا دیتے ہیں

يَمْشُطُ (م ش ط) وہ کنگھی کرتا ہے

يَمْنَعُنِيْ (م ن ع) وہ مجھے روکتا ہے

يَمِيْنُ (ی م ن) دایاں ہاتھ۔ قسم

يَنْتَزِعُهُ (ن ز ع) وہ اُسے چھین لے گا

يَنْتَهِبُ (ن ہ ب) وہ لوٹ مار کرتا ہے

يَنْبُتُوْنَ (ن ب ت) وہ اُگیں گے

يُنْتَفَعُ (ن ف ع) اُس سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے

يَنْجُوْا (ن ج و) وہ نجات پاتا ہے

يُنْجِيْ (ن ج و) وہ نجات دیتا ہے

يَنْزِلُ (ن ز ل) وہ اُترتا ہے

يُنَصِّرَانِهِ (ن ص ر) وہ اسے عیسائی بناتے ہیں

يَنْفُلُوْنَ (ن ف ل) وہ تھوکیں گے

يَنْقُصُ (ن ق ص) وہ کم کرتا ہے

يُوْلَدُ (ول د) وہ جنا گیا۔ وہ پیدا ہوا

يُوْحٰى اِلَيْهِ اُس کی طرف وحی کی جاتی ہے

يُوْشِكُ وہ بہت جلد (واقع) ہوگا۔ قریب ہے

يُوْضَعُ (وض ع) وہ رکھا جاتا ہے

يُهَوِّدَانِهِ (ہ ود) وہ اُسے یہودی بنا دیتے ہیں

يُؤَبِّرُوْنَ (ء ب ر) وہ کھجور کے درختوں کو پیوند کاری کے ذریعے بارآور کرتے تھے

يُؤْتُوْا (ء ت ی) وہ دیں/ ادا کریں

يُـؤْتٰی (بِ) (ء ت ی) اُسے دیا جاتا ہے/ وہ لایا جائے گا

يُؤْذَنَ (ء ذ ن) اُسے اجازت دی جاتی ہے

يُؤْذِيْنِيْ (ء ذ ی) وہ مجھے ایذا/ تکلیف دیتا ہے

يُيَسَّرُ (ی س ر) اُسے میسر ہوتا ہے

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ الحشر)

"اور رسول (ﷺ) تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔"

مشکوٰۃ الحدیث

جس میں

"مشکوٰۃ المصابیح" کی منتخب صحیح احادیث کا آسان اُردو ترجمہ وتشریح
مفصل مقدمہ، اشاریہ، فرہنگِ الفاظ، صحاح ستہ کا تعارف
اور راویانِ حدیث کے مختصر حالاتِ زندگی شامل ہیں

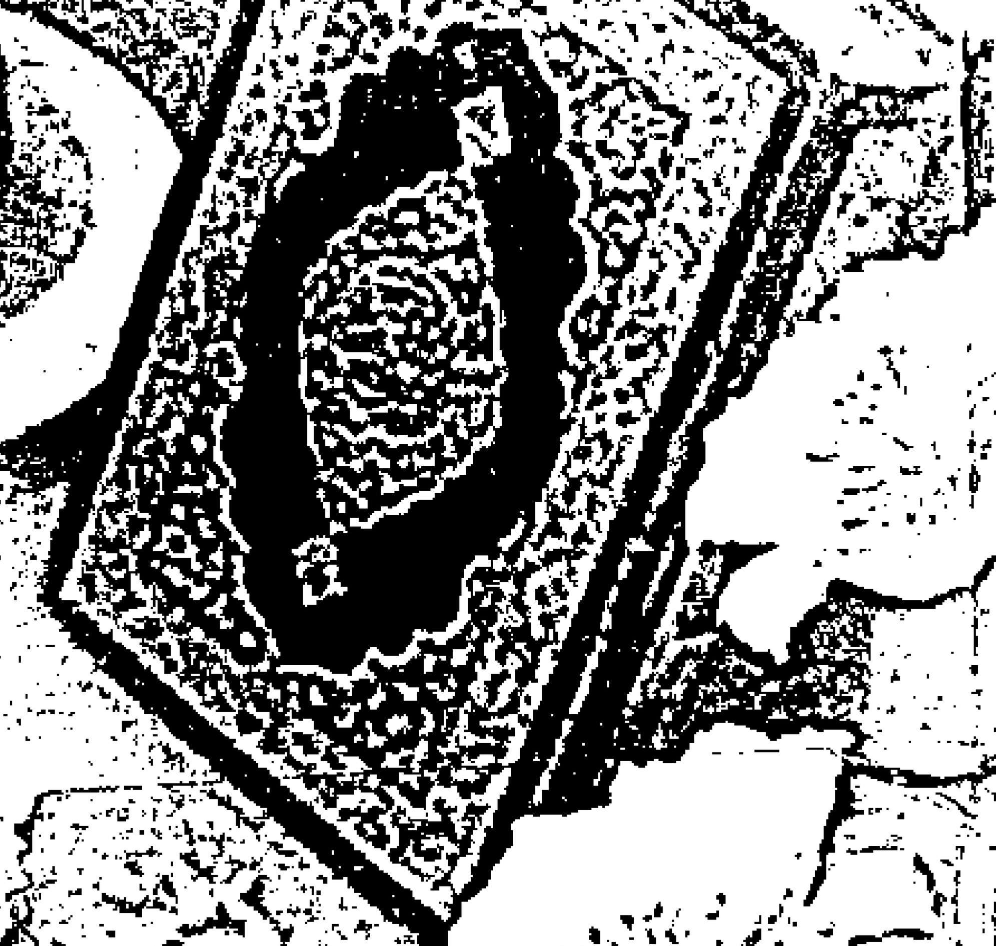

جلد اوّل. ایمانیات

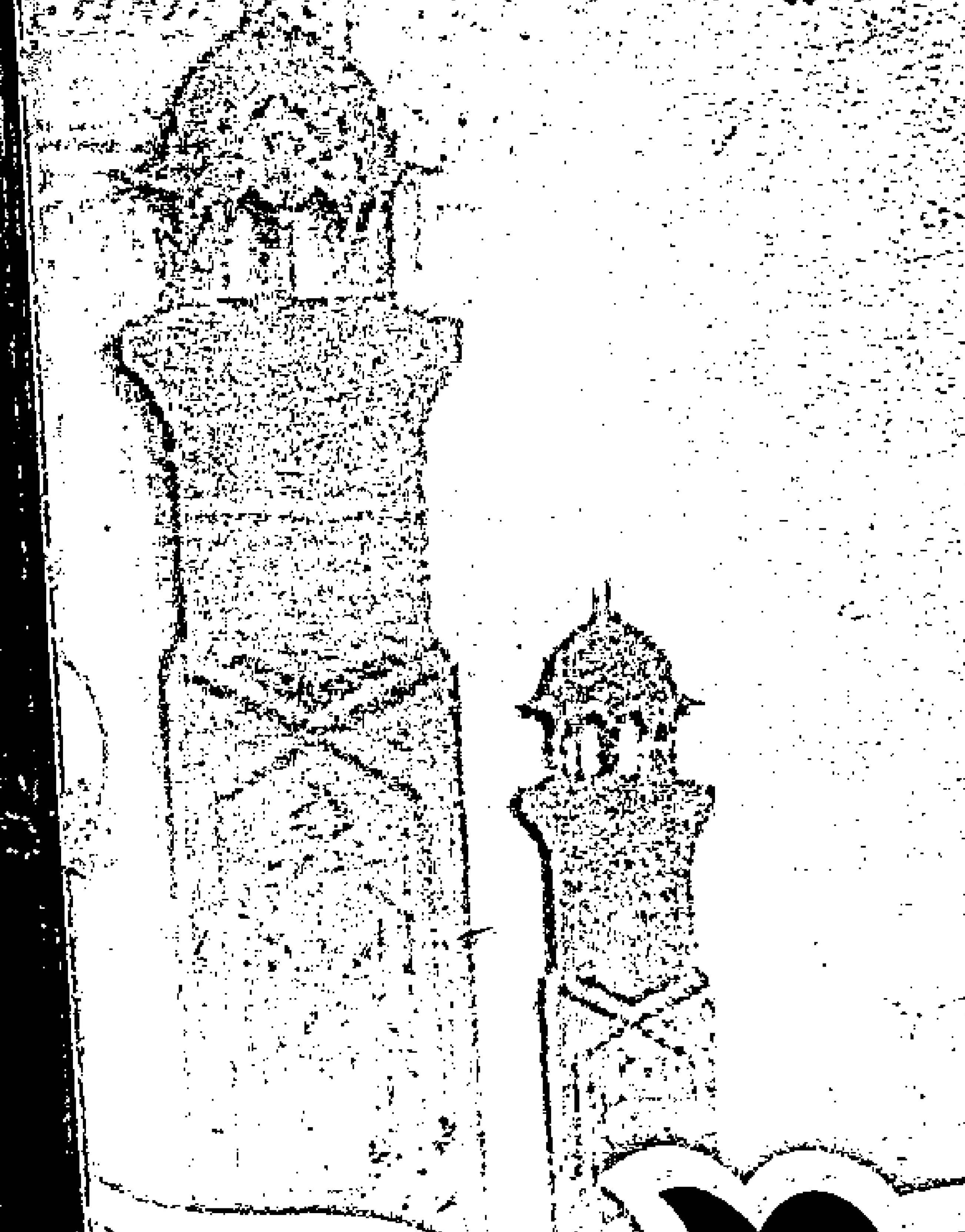

پروفیسر مولانا محمد رفیق مدظلہ العالی